یه کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینه

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ — من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآن در بغل

تفسیر القرآن

پارہ وَاِذَا سَمِعُوْا (۷) تا وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ (۱۲)

مفسر

الحاج حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مصنف دو صد سیزدہ کتب
و
بانی جامعہ امامیہ

جلد دوم

ناشر

ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ناظم آباد، کراچی

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر القرآن

جلد دوم

مفسّر

حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

میں نے اس تفسیر القرآن کی
جلد دوم کے متن کو بغور پڑھا ہے۔
اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے
متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت
میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

حافظ عبدالرؤف خان

حافظ عبدالرؤف خان

مؤرخہ ۱۱ اپریل ۱۹۷۸ء

ناشر : ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ ناظم آباد، کراچی
مطبع : قریشی آرٹ پریس۔ ناظم آباد ۲ کراچی
کتابت : محمود ابن الماس رقم ۔ لاہور

بار : دوئم　　ہدیہ ۱۴۰/- روپے　　۱۹۹۸ء

فہرست

معاونین

الحاج ڈاکٹر سید ندیم الحسن صاحب نقوی، بی۔ ایس سی، ایم۔ بی۔ بی ایس
سید شمیم الحسن صاحب نقوی ایم اے، ایل۔ ایل۔ بی سینئر ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ و ممبر ایگزیکٹو بورڈ آف یونائیٹڈ بنک
سید نسیم الحسن صاحب بی۔ ایس سی انجینئر۔ سپرنٹنڈنٹ پاور ہاؤس کراچی
پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی صاحب کاظمی پروفیسر آف پیتھالوجی سندھ میڈیکل کالج کراچی
سید کاظم حسین صاحب نقوی، سٹیٹ بنک آف پاکستان کراچی
پروفیسر مولانا سید عنایت حسین صاحب قبلہ جلالوی بانی مجلس ملی پاکستان
مرزا حفاظت حسین صاحب چغتائی ایم اے ریٹائرڈ سیکشن آفیسر منسٹری آف فنانس، سابق سیکرٹری نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ
سید شبیہ الحسن صاحب ایم اے، ایل۔ ایل۔ بی اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بنک کراچی
سید عرفان حسن صاحب زیدی ایم اے، بی ایڈ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیدہ پروین دولت صاحبہ ذاکرہ ادیب آگرہ (دختر ادیب اعظم)
سیدہ ثریا سلطانہ صاحبہ زوجہ خلیفہ سید سعادت حسین صاحب بی اے، لاہور
ڈاکٹر مس نازنین دولت پی ایچ ڈی، اسسٹنٹ پروفیسر کراچی یونیورسٹی
ڈاکٹر سید خاقان حسن صاحب سینئر ریسرچ آفیسر پی سی۔ ایس۔ آئی۔ آر
سید عالیجاہ حسین صاحب ایم ایس سی، اے۔ ایس سی۔ پی (امریکہ)
مس گلشن بتول صاحبہ ایم اے گولڈ میڈلسٹ، لیکچرار لاہور کالج فار ویمن، لاہور
آغا محمد جعفر صاحب کاظمی
سید محمد بوعلی صاحب نقوی امروہوی، جامعہ امامیہ کراچی
سید محمد رضا صاحب مرشد آبادی
سید احمد رضا صاحب مرشد آبادی
سید تجمل رضا صاحب مرشد آبادی
سید رشید جعفری صاحب
عبدالحی خان صاحب ایم۔ ایس سی (علیگ) گولڈ میڈلسٹ جیالوجسٹ
سید محمد عباس صاحب نبیرہ خلیفہ سید سعادت حسین صاحب بی اے، لاہور
حکیم سید حمید الظفر صاحب
سید آصف جاہ صاحب ایم۔ ایس سی

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

تو دیکھتا ہے کہ جب یہ لوگ قرآن سنتے ہیں جو ہمارے رسول پر نازل کیا گیا ہے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کیونکہ انھوں نے امرِ حق کو پہچان لیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم تو ایمان لے آئے اب تو رسول کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمیں بھی لکھ اور ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم خدا پر اور جو حق بات ہمارے پاس آچکی ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور پھر خدا سے یہ امید بھی رکھیں کہ وہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہمیں بہشت میں پہنچا دے گا تو خدا نے انھیں صدقِ دل سے عرض کرنے کے صلہ میں وہ ہرے بھرے باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور سچے دل سے نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے۔

قریش آنحضرتؐ کے اعلانِ رسالت کے بعد بڑے برہم ہوئے۔ حضرت رسولؐ کا تو اس لیے کچھ نہ بگاڑ سکے کہ حضرت ابوطالب کی حمایت آپؐ کو حاصل تھی لیکن جو لوگ مسلمان ہوئے تھے قریش نے ان کے ستانے پر کمر باندھی۔ چونکہ آنحضرتؐ کے پاس اس وقت دفاع کی کوئی صورت نہ تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کو صبر کی تعلیم دینے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔ لیکن جب مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپؐ نے مسلمانوں سے کہا تم میرے چچازاد بھائی جعفرؓ کے ساتھ حبشہ چلے جاؤ اور ترکِ وطن کر دو۔ چنانچہ جناب جعفرؓ ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر حبشہ پہنچ گئے۔ جب قریش کو یہ خبر لگی تو انھوں نے عمرو عاص اور عمارہ بن ولید کی قیادت میں اپنا ایک وفد بادشاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ ان مسلمانوں کو اُن کے ساتھ واپس کر دے۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور اپنے تحفے پیش کر کے کہا، یہ لوگ ہمارے قوم سے ہیں بھاگ کر آگئے ہیں آپ انھیں واپس لے جانے کی اجازت دیجئے۔ نجاشی نے جناب جعفرؓ کو بلا کر پوچھا کیا معاملہ ہے انھوں نے کہا آپ ان سے پوچھیں، کیا ہم ان کے غلام ہیں؟ عمرو نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا ہم ان کے قرضدار ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ جناب جعفرؓ نے فرمایا کیا ہم کسی کو قتل کر کے آئے ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ جعفرؓ نے کہا، پھر تم کو ہم سے کیا مطلب

تم لوگوں نے جہیں اذیت پہنچائی تو ہم نے تمہارا شہر چھوڑ دیا۔ عمرو عاص نے کہا، اے بادشاہ! انھوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے بہ جانے خود دین کو بُرا کہتے ہیں۔ یہ ہمارے نوجوانوں کو بہکا کر اپنے دین میں داخل کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے آپ انہیں ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم انھیں سمجھائیں بُجھائیں۔ جعفرؓ نے کہا، اے بادشاہ ہم نے ان کی اس لیے مخالفت کی ہے کہ خدا نے ہم میں اپنا ایک رسول بھیجا جو شرک و ظلم و خونریزی، زنا اور سُود کھانے سے منع کرتا ہے اور عدل و احسان صلۂ رحم، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا، جو کتاب تمہارے رسولؐ پر نازل ہوئی ہے اس کا کچھ حصّہ تمہیں یاد ہے۔ جناب جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچے وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ (مریم ۱۹، آیت ۲۵) تو نجاشی رو پڑا اور کہا خدا کی قسم یہی حق ہے۔

عمرو عاص نے کہا حضور آپ انھیں ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر ایک طمانچہ مارا اور کہا اگر اب تُو نے کوئی بات ان کے بارہ میں زبان سے نکالی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ۸ھ تک جعفرؓ وہاں بڑی عزت کے ساتھ رہے۔ یہ آیتیں انھیں سے متعلق ہیں۔

قرآن کی عظمت کی یہ بہترین دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا جس پر مہربان ہو تو دم بھر میں وہ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ کفارِ قریش نے قرآن مجید کی عظمت کو سمجھا ہی نہیں وہ کبھی اُسے جادو بتاتے رہے کبھی شاعری کہتے رہے کبھی کہتے تھے ایک شخص رات کو سکھا جاتا ہے۔ کبھی کہتے تھے اس میں رکھا ہی کیا ہے یہ تو پُرانے لوگوں کے قصّے ہیں جو یہودیوں کی کتابیں پڑھ کر کہہ دیئے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا

اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں۔ اے ایمان والو، جو پاک چیزیں اللہ نے تم پر حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو۔ ایسے بڑھنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا جو پاک اور حلال رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اُسے کھاؤ پیو اور جس خدا پر تم ایمان لائے ہو اس سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بیکار قسمیں کھانے پر تو گرفت نہیں کرے گا لیکن بامقصد پکّی قسمیں کھا کر خلاف کرنے پر ضرور مؤاخذہ کرے گا۔ اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو ایسا اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا اُن کو لباس پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر تین دن روزہ رکھنا۔ جب تم قسم کھاؤ اور اس کے خلاف کرو تو یہ تمہاری قسموں کا کفّارہ ہے۔ اور اپنی قسموں کے پُورا کرنے کا خیال رکھو اللہ اپنی آیات کو یُوں ہی کھلم کُھلا بیان کیا کرتا ہے تاکہ تم اُس کے شکر گزار بنو۔

ان آیات میں چند باتوں پر توجہ دلائی گئی ہے:۔

۱۔ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے تم پر حلال کی ہیں ان کو خواہ مخواہ اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ جیسے نصاریٰ میں رہبان، بودھ میں بھکشو اور ہندوؤں میں سادھو سنیاسی بیک بینی و دو گوش شہروں میں رہنا ترک کر کے پہاڑوں کے غاروں یا دریا کے کنارے یا صحراؤں کی خانقاہوں میں جا بیٹھتے ہیں اور تمام لذّاتِ دنیا سے دست کش ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے اس رہبانیت اور قطع تعلق کی اجازت نہیں دی۔ بعض مسلمانوں نے بھی آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ لذیذ کھانا چھوڑ دیا تھا۔ لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا یہاں تک کہ اپنی ازواج سے ہم بستری بھی نہیں کرتے تھے۔ جب حضرتؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ان کو بُلا کر فرمایا، ایسا ہرگز نہ کرو، خدا ایسی زندگی کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ جیسا میں کرتا ہوں ویسا کرو۔ میں کھاتا پیتا بھی ہوں لوگوں سے ملتا جلتا بھی ہوں۔ اپنی ازواج سے شب باش بھی ہوتا ہوں۔ ہر قسم کا کھانا بھی کھاتا ہوں۔ ایک عورت نے حضرتؐ سے شکایت کی کہ میرے شوہر نے مجھ سے ہم بستری ترک کر دی ہے چار ماہ ہو گئے وہ رات کو میرے ساتھ نہیں سوتا۔ حضرتؐ نے اُس کو بلا کر ڈانٹا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو اس نے کہا خوشنودیٔ خدا کے لیے۔ فرمایا، خدا اس سے خوش نہیں ہوتا۔ تم ابھی جاؤ اور اپنی عورت سے مباشرت کرو۔ اس نے کہا میں روزہ سے ہوں۔ فرمایا روزہ ترک کرو اور جو میں کہتا ہوں اسے بجا لاؤ۔ روزہ نماز وغیرہ عباداتِ الٰہی کیا میں بجا نہیں لاتا۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو بنی نوع کی امداد سے دست کش ہو کر نماز روزہ بجا لاتا ہے صلۂ رحم کو قطع کرتا ہے وہ دوسروں کے حقوق ادا نہ کرنے پر مرتکب گناہ ہوتا ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ زہد و تقویٰ سے رہبانیت کا تعلق نہیں۔ جو شخص باوجود ہر طرف دل کھنچنے کے وقتِ مقررہ پر سب کا خیال ترک کر کے خدا کی عبادت کرتا ہے وہی خُدا کا محبُوب بندہ ہے۔

۲۔ قسموں کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ جو فضول قسمیں کھائی جائیں جیسا کہ عام طور پر لوگ خواہ مخواہ قسمیں کھایا کرتے ہیں، تمہارے سر کی قسم تمہاری جان کی قسم وغیرہ۔ چونکہ ایسی قسموں کا بغیر ارادہ صدور ہوتا ہے لہٰذا خدا کے یہاں ان سے مواخذہ نہ ہوگا ہاں جو قسم کسی معاہدہ کے تحت واللہ۔ باللہ۔ باخدا کی قسم وغیرہ کے الفاظ سے ہوگی وہ ضرور خلاف ورزی کی صورت میں قابلِ مواخذہ ہوگی کیونکہ اول تو اس میں نامِ خدا بیچ میں آتا ہے لہٰذا خلاف ورزی سے خدا کی توہین ہوتی ہے دوسرے جس معاہدہ کو مؤکد کر کے دوسرے کو مطمئن کیا جاتا ہے درصورتِ خلاف ورزی اس کو دھوکا دیا جاتا ہے لہٰذا یہ جرم قابلِ سزا قرار پاتا ہے اور اس کے لیے کفّارہ دینا لازم ہو جاتا ہے کفّارہ میں اس نے اپنے لطف و کرم سے کتنی سہولت کر دی ہے کہ جو تمہارے لیے آسان ہو وہ دو۔

عدالتوں میں باوجود حلف کرنے کے لوگ جھوٹی گواہیاں دینے میں ذرا باک نہیں کرتے۔ گویا ان کے عقیدہ میں عدالت میں خلافِ حلف کچھ کہنا داخلِ معصیت نہیں۔ العیاذ باللہ۔

۳۔ خدا نے ہدایت کی ہے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو یعنی جو قسم تم نے کھائی ہے اس کے خلاف ہرگز نہ کرو تاکہ لوگوں پر تمہارا اعتبار قائم رہے۔ اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔ کبھی کبھی جھوٹی قسمیں کھانے والا دوسرے لوگوں کے لیے سخت نقصان کا باعث ہو جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿۹۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۹۲﴾

اے ایمان والو شراب اور جُوا اور بت اور پانسے یہ ناپاک اور شیطانی عمل ہیں ان سے بچو تاکہ تمہارے لیے بہتری کا باعث ہو۔ شراب اور جُوئے کے ذریعے سے شیطان تمہارے درمیان عداوت و بغض کو پھیلاتا ہے اور ذکرِ خدا سے تم کو روکتا اور نماز سے باز رکھنا چاہتا ہے تو کیا تم اس سے باز آنے والے ہو؟ اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان چیزوں سے بچو۔ اگر تم رسول کا کہنا نہ مانو گے تو یہ سمجھ لو کہ ہمارے

رسول پر ہمارے احکام صاف صاف بیان کر دینا فرض ہے۔ (آگے تم جانو اور تمہارا عمل)

شراب کی حرمت کے متعلق سورۂ بقر کی آیت ۲۱۹ اور نساء کی آیت ۴۳ میں حکم آ چکا ہے اب یہ آخری حکم ہے۔ اس آیت کے نزول سے پہلے حضورؐ نے فرما دیا تھا کہ اللہ کو شراب سخت ناپسند ہے بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت آ جائے لہٰذا جس کے پاس شراب ہو اسے فروخت کر دے۔ مگر لوگوں نے ایسا نہ کیا۔ کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی تب حضورؐ نے سب کو جمع کر کے فرمایا جس کے پاس شراب ہے اب نہ اس کو پی سکتا ہے نہ بیچ سکتا ہے۔ نہ یہودیوں کو تحفۃً دے سکتا ہے۔ اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ اس کو زمین پر بہا دیا جائے۔ بعض لوگوں نے کہا ہم اسے دوا کے طور پر استعمال کریں گے فرمایا نہیں یہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ جو خدا کے اس حکم کو نہ مانیں اُن سے جنگ کرو۔ پھر فرمایا، لعنت ہو اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے اور کشید کرنے والے پر۔

خمر کا لفظ انگور سے کشید کی ہوئی شراب پر استعمال ہوتا ہے لیکن وہ سب چیزیں داخلِ شراب ہیں جو نشہ لانے والی ہوں خواہ جَو سے بنائی جائیں یا کھجور سے یا کشمش منقّی۔ مہوہ یا شیرہ سے۔ غرض جس شراب سے نشہ کی صورت پیدا ہو وہ حرام ہے۔ ایسے دسترخوان پر بھی کھانا کھانے کی ممانعت ہے جس پر شراب رکھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کرنے کی وجہ بھی بتا دی ہے کہ یہ شیطانی کام ہے جس سے نقصان یہ پہنچتا ہے کہ شرابی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں کیونکہ نشہ میں ان کی عقل ماری جاتی ہے اور پھر تمام اخلاقی حدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور وہ ایسے افعال کے مرتکب ہونے لگتے ہیں جو جھگڑے اور فساد کا باعث ہوں۔ دوسرے جب شرابی نشہ میں مست ہو جاتا ہے تو پھر ذکرِ الٰہی سے اس کا تعلق نہیں رہتا۔ تیسرے نشہ کی حالت میں وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اسی لیے نماز سے بحالتِ نشہ روک دیا گیا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ جو مالی نقصان ہوتا ہے وہ بسا اوقات شراب خوار کو تنگدست بنا دیتا ہے۔ ہم اس کے متعلق پہلی جلد میں کافی لکھ چکے ہیں۔

شراب خوار اسلامی معاشرہ میں نہایت ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ اُس کے لیے کچھ کم نقصان دہ بات نہیں بعض لوگ شراب پیتے پیتے ایسے بے حیا بن جاتے ہیں کہ انہیں کُھلم کُھلا پینے سے ذرا شرم نہیں آتی۔ اسلامی سوسائٹی کے یہ بدترین افراد کہلاتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

جو لوگ ایمان والے اور نیک کام کرنے والے ہیں وہ حلال چیزوں میں سے جو کچھ کھائیں ان پر کوئی الزام نہیں جبکہ وہ تقوے والے ہوں ایمان والے ہوں نیک کام کرنے والے ہوں۔ پھر صاحبِ تقویٰ ہوں اور ایمان والے۔ پھر تقویٰ کو اختیار کرنے والے اور نیکیاں کرنے والے ہوں۔ اور اللہ تو نیکیاں کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اے ایمان والو خدا اس شکار سے جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہیں تمہارا ضرور امتحان لے گا تاکہ خدا دیکھ لے کہ اُسے بے دیکھے بھالے کون اس سے ڈرتا ہے پس جو زیادتی کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت میں بار بار تقویٰ کا اور اعمالِ صالحہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے تو انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آیندہ اُن چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں پھر جس جس چیز سے روکا جائے اُس سے رُکیں اور جو فرمانِ خدا ہے اُسے مانیں۔ پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔

حدیث میں ہے کہ تقویٰ تین قسم کا ہے: ۱۔ حرام کو ترک کرنا یہ عوام کا تقویٰ ہے۔ ۲۔ حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے مشتبہ چیزوں کا ترک کرنا یہ خاص لوگوں کا تقویٰ ہے۔ ۳۔ شُبہ کے خوف سے حلال چیزوں کا ترک کرنا، یہ خاص الخاص لوگوں کا تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے۔

اس آیت میں پہلے تقویٰ بیان کیا گیا ہے اس کے بعد ایمان اور اس کے بعد عملِ صالح۔ یہ ترتیب بتاتی ہے کہ اگر تقویٰ نہ ہوگا تو ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا اور اعمالِ صالحہ بے اجر رہیں گے اگر ایمان نہ ہوگا۔ دوسری آیت میں کہا گیا ہے: يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۹/۱۱۹ التوبہ) "اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔ یہاں ایمان والوں سے تمام مسلمان مُراد ہیں۔ جن کو خصوصیت سے تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر وہ سچوں کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ بہرحال ایمان میں چمک پیدا کرنے والا اور نیک اعمال کو قبولیت کے درجہ تک پہنچانے والا تقویٰ ہے۔ اسی لیے قرآن کی ہدایت قبول کرنے والوں میں سب سے پہلے متقین کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ آیت ۲)۔ اس کے بعد متقیوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

آخری آیت میں بحالتِ اِحرام شکار کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ مُحرِم بحالتِ احرام نہ تو خود شکار کر سکتا ہے اور نہ شکار کرنے میں کسی دوسرے کو مدد دے سکتا ہے۔ اگر مُحرِم کے لیے کوئی شخص شکار کر کے لائے تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔ اس حکم سے موذی جانور مستثنیٰ ہیں جن سے مُحرِم کو کاٹ لینے کا خوف ہو۔

مروی ہے کہ جس سال صلح حُدَیبیہ ہوئی جنگل کے شکاری جانور حضرت رسولِ خدا کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور اصحابؓ کے خیموں میں اس طرح آجاتے تھے کہ ان کے ہاتھ اور نیزے آسانی سے ان تک پہنچ سکتے تھے۔ آخر ابوالیسر بن عمرو سے نہ رہا گیا اور اُس نے ایک جانور کو شکار کر لیا۔ اصحابؓ نے اُس کو ملامت کی تو وہ حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حج میں مسلمانوں کو تفریح کے لیے نہیں بلکہ مُعیّن عبادات کے بجالانے کے لیے بُلایا جاتا ہے۔ جب تک حاجی احرام نہیں باندھتا وہ اپنے افعال میں آزاد رہتا ہے لیکن جب اس نے احرام باندھ لیا تو اب اس کی آزادی باقی نہیں رہتی۔ وہ سر نہیں ڈھک سکتا۔ کسی عورت کو نظرِ بد سے نہیں دیکھ سکتا۔ رفتار کے وقت سایہ میں نہیں چل سکتا۔ کسی غیر موذی جانور کو نہیں مار سکتا۔ سِلا ہُوا کپڑا نہیں پہن سکتا۔ وغیرہ وغیرہ اسی طرح شکار کرنے کی بھی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

اے ایمان والو حالتِ احرام میں شکار نہ مارو اور جو کوئی قصداً تم میں سے قتل کر دے گا تو چوپاؤں میں سے جس جانور کو مارا ہے اس کا کفارہ جو تم میں سے دو منصف آدمی تجویز کر دیں بدلہ میں دینا ہوگا اور اُسے کعبہ تک پہنچا کر اس کی قربانی کی جائے یا اس کے جرمانہ میں اس بدلہ کی قیمت سے محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے یا پھر اس کے برابر روزے رکھنے ہوں گے (اس کا فیصلہ بھی دو عادل آدمی کریں گے کہ کتنے روزے رکھے یا کتنے مسکینوں کو کھانا کھلائے) یہ جرمانہ اس لیے ہے کہ اپنے کیے کی سزا کا مزہ چکھے۔ جو ہو چکا اس سے تو خدا نے درگزر کی لیکن پھر کوئی ایسی حرکت کرے گا تو اللہ اس کو سزا دے گا اور اللہ تو سب پر غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔ تمہارے اور قافلہ والوں کے لیے اللہ نے دریائی شکار جائز کر دیا ہے

لیکن جب تک تم حالتِ احرام میں ہو خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے اور اُس خدا سے ڈرو جس کی طرف تم مرنے کے بعد اُٹھائے جاؤ گے ۔

احرام کھولنے کے بعد خشکی کا شکار کرنا جائز ہوگا لیکن حرم کے اندر نہیں کہ وہاں کوئی کسی وقت شکار نہیں کر سکتا چونکہ وہ تمام مخلوق کے پیدا کرنے والے کا گھر ہے لہٰذا سب کے لیے جائے امن ہے انسان ہو یا حیوان قدرت کے اس قانون کو توڑنے والا مجرم قرار پائے گا ۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۹۷) اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹۸)
مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ (۹۹) قُلْ لَّا يَسْتَوِي
الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي
الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱۰۰) ع

اللہ نے لوگوں کی امن کے لیے کعبہ کو حرمت والا گھر قرار دیا ہے اسی طرح حرمت والے مہینوں کو اور قربانی کے جانور کو اور جس قربانی کے جانور کے گلے میں پٹے ڈالے ہوں (قابلِ احترام بنایا ہے) تاکہ تم یہ جان لو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ اس کو جانتا ہے اور بے شک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور اس کے ساتھ اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا بھی ہے ۔ ہمارے رسول کا تو یہی فرض ہے کہ وہ ہمارے احکام بندوں تک پہنچا دے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے ۔ اے رسول کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہیں بھلی ہی کیوں نہ معلوم ہو ۔ اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارے لیے بہتری کا باعث ہو ۔

یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بُرے خیال سمائے ہوئے ہیں اور حرام مال حاصل کرنے پر ان کی نظر رہتی ہے اگرچہ وہ ظاہر نہیں کرتے لیکن اللہ تو جانتا ہے ۔ پاک مال چاہے تھوڑا ہی سا مال کیوں نہ ہو وہ حرام مال سے چاہے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو ہزار درجہ بہتر ہے ۔ عطر کا ایک قطرہ غلاظت سے بھرے ہوئے ایک گڑھے سے ہزار درجہ بہتر ہے بلکہ ان کے درمیان مقابلہ کے لیے کوئی نسبت ہی نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کسی بندۂ مومن کے پیٹ میں ایک لقمہ بھی حرام کا جائے ۔ یاد رکھیے کہ حرام مال میں برکت نہیں ہوتی ۔ حرام کھانے والے کے سر سے اس کا وبال ٹلتا نہیں ۔ خدا کے یہاں جو سزا ملے گی وہ تو ملے ہی گی دنیا میں بھی اس کو ضرور سزا مل جاتی ہے ۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ ناپاک چیز کے قریب ہی نہ جائے اس سے انسانی نفس پر بُرا اثر پڑتا ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا
عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۱۰۱)
قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ (۱۰۲) مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ
بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (۱۰۳) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (۱۰۴)

اے ایمان والو کسی ایسی چیز کا سوال ہمارے رسول سے نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کی جائے تو تم کو بُرا معلوم ہو اور اگر ان کے بارہ میں قرآن نازل ہونے کے وقت پوچھ بیٹھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائے گی (مگر تم کو بُرا لگے گا) ۔ جو سوالات تم کر چکے خدا نے اُن سے درگزر کی اور خدا بڑا بخشنے والا بُردبار ہے ۔ تم سے پہلے بھی لوگوں نے ایسی باتیں اپنے پیغمبروں سے پوچھی تھیں پھر جب تحمل نہ ہو سکا تو ان سے مُنکر ہو گئے ۔ خدا نے نہ تو کوئی کن پھٹی اُونٹنی مقرر کی ہے اور نہ کوئی سانڈ اور نہ کوئی جُڑواں بچّہ اور نہ بوڑھا سانڈ ۔ مگر کفار ہیں کہ خدا پر خواہ مخواہ بہتان

باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ جو قرآن خدا نے نازل فرمایا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو کہنے لگے جس دین پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے چاہے ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہی ہوں۔

کئی بار ایسا ہوا کہ کچھ بدو گنوار عقل سے کورے حضرتؐ کا امتحان لینے کے لیے آپؐ کی خدمت میں آ کر ایسے نامعقول سوال کرتے تھے جن کا تعلق نہ شریعت سے ہوتا تھا نہ معاشرہ سے نہ تمدن سے۔ مثلاً ایک شخص نے کہا اگر آپؐ پیغمبر ہیں تو بتائیے کہ اس وقت میری بی بی میرے گھر میں کیا کر رہی ہے۔ دوسرے نے کہا یہ بتائیے کہ میرے باپ کا کیا نام ہے۔ تیسرے نے کہا یہ بتائیے کہ میرا باپ کہاں ہے۔ حضرتؐ کو غصہ آ گیا اور تیسرے سے فرمایا تیرا باپ دوزخ میں ہے۔ یہ سن کر وہ بُرا ماننے لگا۔ اس کے متعلق یہ آیت ہے۔ آپؐ نے منبر پر جا کر فرمایا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں مگر ایسی باتیں مجھ سے نہ پوچھو جن کو سن کر تم کو رنج پہنچے۔ بہت سی باتیں شرع میں ایسی ہیں کہ ان کی لِمْ بتانا رسولِ خدا خلافِ مصلحت سمجھتے تھے۔ لوگ نہیں مانتے تھے اور بار بار پوچھتے تھے۔

ایسے لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں ایمان لانا ہے تو اللہ اور رسول کی طرف اور جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اسلام قبول کرو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے ہم اپنے باپ دادا کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کے بدوؤں میں یہ رسم تھی کہ چار قسم کے اونٹوں کو جن کا ذکر آیت میں ہے خدا کی خوشنودی کے لیے پُن کر کے چھوڑ دیتے تھے جیسے ہندو سانڈ اور گائیں پُن کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کہتے تھے یہ خدا کا نذرانہ ہے۔ ان جانوروں پر نہ کوئی سواری کر سکتا تھا نہ مار سکتا تھا، نہ ان کو ذبح کر سکتا تھا۔ خدا فرماتا ہے یہ سب خدا پر بہتان ہے وہ جھوٹے ہیں خدا نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

ان جاہل مشرکوں کو جب حضورؐ دعوتِ اسلام دیتے تھے تو کہتے تھے ہمارے باپ دادا بے وقوف نہ تھے۔ انہوں نے جو دین اختیار کیا ہے وہ سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ ہم اسے کیسے چھوڑ دیں۔ حالانکہ ان کے باپ دادا جہالت کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور انہوں نے کچھ جاہلانہ رسوم کو اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھ رکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آباؤ اجداد کی اسی تقلید ہی نے ان کو ہلاکت میں ڈالا۔ آج بھی یہی صورت ہے جو بت پرست اقوام ہیں ان میں سب جاہل ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے حکماء و فلاسفر، روشن دماغ اور عالی خیال بھی ہیں کیا ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی ہو گی کہ جن بتوں کو وہ پوج رہے ہیں ان میں کوئی طاقت نہیں۔ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی سے ضرر کو دفع کر سکتے ہیں وہ خود ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں مگر تقلید ایسی بُری چیز ہے کہ باوجود سب کچھ سمجھنے کے وہ ایسی حماقت میں مبتلا ہیں۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ ماحول و سوسائٹی کا اثر بھی ان پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ اپنے آبائی دین کو ترک کرنے سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے اسے چھوڑ دیا تو ہم اپنے معاشرہ سے باہر ہو جائیں گے ہمارے اعزّہ و اقارب جانی دشمن ہو جائیں گے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾

اے ایمان والو تم اپنے نفس پر قابو رکھو جب تم راہِ راست پر ہو تو کسی کی گمراہی تمہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی تم سب کی بازگشت تو خدا ہی کی طرف ہے پس جو کچھ تم کرتے رہے ہو اس سے تمہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

قدرت نے گمراہی سے بچنے کا نہایت اچھا اصول اس آیت میں بتایا ہے وہ یہ کہ اگر انسان کو اپنے نفس پر پورا پورا کنٹرول ہو اور ڈانواں ڈول طبیعت والا نہ ہو۔ اپنے کو تھالی کا بینگن نہ بنا لے تو کوئی گمراہ کرنے والا اُسے گمراہ نہیں کر سکتا۔ عہدِ رسالت میں کچھ ایسے نرم طبیعت لوگ بھی تھے کہ جب یہودی یا مشرکین ان کو بہکاتے اور اسلام کی بُرائیاں گھڑ کر اُن سے بیان کرتے تو وہ اُن کی باتیں توجہ سے سنتے تھے اس کے بعد ان کا دل کفر کی طرف جھکنے لگتا تھا۔ منافقین میں یہ عادت بہت پائی جاتی تھی۔ قدرت نے ان کی روک تھام کے لیے علم النفس کا یہ بہترین اصول انہیں بتایا ہے۔

ایسا بھی ہوتا تھا کہ بعض لوگ ایمان لاتے لیکن پھر مشرکوں یا یہودیوں کے بہکانے سے پلٹ جاتے۔ اس کے بعد جب اسلام کی ترقی دیکھتے تو پھر مسلمان ہو جاتے۔ اس کے بعد پھر اپنے آبائی دین کی طرف پلٹ جاتے، پھر مسلمان ہو جاتے۔ ایسے لوگوں کا جو منافق کہلاتے تھے قرآن میں ذکر ہے۔ یہی لوگ اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ یہ ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والے لوگ تھے۔ یہ صرف زبان سے اقرار کرنے والے تھے حقیقتاً اسلام نے ان کے قلوب میں جگہ نہیں پکڑی تھی۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ ۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کے سر پر موت آکھڑی ہو تو وصیت کے وقت تم میں سے دو عادلوں کی گواہی ضروری ہے (جو مومن ہوں) اگر تم کہیں کا سفر کرو اور سفر ہی میں تمہیں موت کی مصیبت کا سامنا ہو تو دو گواہ غیر مومن ہی بنالو۔ پھر اگر کوئی شک پڑ جائے تو ان دونوں غیر مومنوں کو نماز کے بعد روک لو اور پھر وہ دونوں خدا کی قسم کھائیں کہ ہم اس گواہی کے بدلے کچھ دام نہیں لیں گے اگر چہ (ہم جس کی گواہی دیتے ہیں) وہ ہمارا عزیز ہی کیوں نہ ہو اور ہم خدا لگتی گواہی کو نہ چھپائیں گے اگر ایسا کریں تو ہم گنہگار ہوں گے پھر اگر اس کا پتہ چل جائے کہ یہ دروغ گوئی سے گناہ کے مستحق ہو گئے تو دوسرے دو آدمی ان لوگوں میں سے جن کا حق دبایا گیا ہے اور میت کے زیادہ قرابت دار ہیں، ان کی جگہ کھڑے ہو جائیں۔ پھر یہ دو نئے گواہ قسم کھائیں کہ پہلے دو گواہوں کی نسبت ہماری گواہی زیادہ سچی ہے اور ہم نے حق سے ایک سر مو تجاوز نہیں کیا، اگر ایسا کیا ہو تو بیشک ہم ظالم ہیں یہ زیادہ مناسب ہے کہ اس طرح خدا سے ڈر کے وہ سچی گواہی دیں یا انہیں دنیا میں رسوائی کا اندیشہ ہو کہ ہماری قسمیں دوسرے فریق کی قسموں کے بعد رد نہ کر دی جائیں (مسلمانو) خدا سے ڈرو اور کان کھول کر سن لو کہ خدا بد چلن لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

آیاتِ مذکورہ بالا کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ تمیم داریؓ صحابی نے ابن بیدی اور ابی ماریہ نصرانی کے ساتھ بغرض تجارت سفر کیا۔ اس کے پاس علاوہ اور اسباب کے سونے چاندی کے منقش ظروف اور ہار بھی تھے۔ اثنائے راہ میں مر گیا اور تمام مال و اسباب ان دونوں ساتھیوں کے حوالے کر گیا کہ واپس جا کر میرے وارثوں کو دے دینا۔ ان دونوں نے مدینہ آکر سونے چاندی کے ظروف اور ہار نکال کر باقی اسباب اس کے وارثوں کو دے دیا۔ چونکہ وارثوں کو اس کے اسباب کی پوری فہرست معلوم تھی ان سے مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا ہم کو نہیں معلوم یہ چیزیں اس نے کس کو دیں۔ تب وارثوں نے ان سے یوں جرح کی۔ کیا ہمارا مورث بہت دنوں تک بیمار رہا کہ اس کے علاج میں بہت کچھ خرچ ہو گیا۔ انہوں نے کہا ایسا تو نہیں تھا۔ وارثوں نے کہا کیا اس کا اسباب چوری ہو گیا تھا۔ کہا نہیں۔ کیا تجارت میں نقصان ہوا تھا۔ کہا، نہیں۔ انہوں نے کہا پھر اس کی قیمتی چیزیں کہاں گئیں۔ وہ بولے ہم نہیں جانتے۔ جو کچھ ہمیں دیا تھا وہ ہم نے پہنچا دیا۔ آخر یہ مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ چونکہ ان دعویداروں کا

کوئی گواہ نہ تھا لہٰذا حضورؐ نے ان نصرانیوں کو چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد میت کے وارثوں نے ایک کٹورا سنار کے پاس پایا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ انہی دو نصرانیوں نے بیچا ہے۔ چنانچہ جب ان سے پوچھ گچھ کی گئی تو کہنے لگے یہ چیزیں ہم نے اس سے اس کی زندگی میں خریدی تھیں مگر چونکہ کوئی گواہ نہ تھا اس لیے ظاہر نہ کیا۔ آخر میت کے وارثوں میں سے دو نے جو میت کے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے قسم کھائی کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اس کا بیچنا ثابت نہیں۔ پھر اس کے بعد میت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی فہرست بھی نکل آئی۔ تب حضرتؐ نے نصرانیوں سے کل مال واپس لے کر میت کے وارثوں کے حوالے کیا۔

ان آیات میں غیر مسلم کی گواہی کا ذکر ہے لیکن یہ اس وقت لی جائے گی جب مسلم گواہ دستیاب نہ ہوں۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وصیت کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کہ گواہوں کو چاہیے کہ وہ جھوٹی گواہی دے کر خدا کے گنہگار نہ ہوں اور گواہی غلط ثابت ہونے پر لوگوں کے سامنے انہیں رسوا نہ ہونا پڑے۔ حقوق الناس کی حفاظت کا باوجودیکہ اسلام نے پورا بندوبست کیا ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کا اس پر عمل نہیں۔ ذرا سے فائدے کے لیے یا اپنے کسی عزیز کا جرم چھپانے کے لیے جھوٹی گواہیاں عدالت میں دینے کے لیے آجاتے ہیں اور ذرا اس کا خیال نہیں کرتے کہ ہماری اس جھوٹی شہادت سے صاحبِ حق کے حق پر کیسا برا اثر پڑے گا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ قف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ ج وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ ج وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ۚ ج وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

(اس دن کو یاد کرو) جب خدا اپنے پیغمبروں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہاری امت کی طرف سے تمہاری تبلیغ کا کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ ہم تو (چند باتوں کے سوا اور) کچھ نہیں جانتے تو خود بڑا غیب دان ہے اور

وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ بن مریم اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر نازل کی اور جب میں نے رُوح القدس کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور تم جھُولے میں پڑے تھے اور ادھیڑ عمر والوں کی طرح باتیں کرنے لگے اور جب میں نے تمہیں لکھنا اور عقل و دانائی کی باتیں اور توریت و انجیل غرض سب باتیں سکھا دیں اور جب تم میرے حکم سے مٹّی کی چڑیا بنانے اور پھر اس میں کچھ دم کرتے تھے اور وُہ میرے حکم سے سچ مچ چڑیا بن کر اُڑ گئی تھی۔ اور جب تم میرے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے اور جب تم میرے حکم سے مُردوں کو (قبروں سے) زندہ نکال کر کھڑا کرتے تھے اور جس وقت تم بنی اسرائیل کے پاس معجزے لے کر آئے تو میں نے ان کو تم پر دست درازی سے روکا۔ ان میں سے بعض کافر کہنے لگے یہ تو کھُلا جادُو ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ غور ہیں :

۱۔ قیامت میں رسولوں سے یہ سوال ہوگا کہ جب تم نے ہمارے احکام کی تبلیغ کی تھی تو انہوں نے کیا کہا تھا۔ اس کا جواب مرسلین کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ ہمیں علم نہیں یعنی ہماری تبلیغ کو سُن کر وُہ اپنے دلوں میں کیا کہتے تھے۔ اس کا علم تو تجھ ہی کو ہو سکتا ہے کیونکہ تُو غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ البتہ بعض باتوں کو جو ظاہری صورت میں تھیں ہم بھی جانتے ہیں۔ یعنی ہماری نبوّت کا اقرار یا انکار۔

۲۔ اس کے بعد حضرت عیلیٰؑ کا ذکر کرتا ہے۔ اور اپنی ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہے جو ان پر اور ان کی والدہ پر نازل کی تھیں۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ رُوح القدس یعنی جبرئیلؑ کے ذریعہ سے ان کی مدد کی۔ یعنی یہُود کے شر سے ان کو بچائے رکھا ورنہ وہ جانی دشمن بنے ہوئے تھے اور آپؑ کی تبلیغ میں قدم قدم پر رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے پیدا ہونے کے بعد آغوشِ مادر میں اس طرح صاف صاف مدلّل کلام کیا جیسا کہ ادھیڑ عمر میں کیا تھا۔ یعنی ان کا کلام بچّوں کا سا نہ تھا بلکہ پختہ مغز رسیدہ لوگوں کا سا دانشمندانہ کلام تھا۔ حضرت عیلیٰؑ صرف ایک بار بول کر خاموش ہو گئے تھے۔ دوبارہ پھر اُس سن میں بولے جیسے تمام بچّے بولا کرتے ہیں۔ یہ خدا کا ان پر احسان تھا کہ ان کو ناطق کر کے ان کی ماں کو اُس تہمت سے بچا لیا جو یہُود اُن پر عاید کر رہے تھے۔ ان کو کتاب کا علم دیا۔ صاحبِ حکمت بنایا۔ توریت و انجیل کا علم دیا۔ یہ سب باتیں انہیں خدا کی طرف سے عطا ہوئیں۔ کسی نے ان کو لکھنا سکھایا تھا نہ پڑھنا۔ نہ توریت کا درس دیا تھا نہ انجیل کا۔ انہوں نے آغوشِ مادر میں جو کلام کیا تھا وہ یہ تھا، قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ۛ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ (۱۹/۳۰ مریم) یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں، حلال زادہ ہوں شیطان کا بندہ نہیں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی علمِ کتاب لے کر خدا کے یہاں سے آتا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت رسولِ خدا چالیس سال تک اُمّی رہے۔ اس کے بعد قرآنی آیات کے عالم بنے۔ قرآن کی تعلیم تو آنحضرتؐ کو قبل از خلقت ہی دے دی گئی تھی۔

جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ (۵۵ الرحمٰن ۱، ۲، ۳) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس انسانِ کامل کی خلقت بعد میں ہوئی ہے علمِ قرآن پہلے دیا گیا ہے۔ اس بیان کرنے کا طریقہ بعد میں بتایا گیا۔

اس کے بعد حضرت عیلیٰؑ کو جو معجزات دیئے گئے ان کا ذکر ہے :

۱۔ مٹّی سے ایک پرندہ بنا کر اس کے اندر آپؑ نے کچھُ دَم کیا اور وہ اُڑ اچلا گیا۔ عیسائیوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ خلق کرنا چونکہ خدا کی خصوصیت ہے لہٰذا ہم اس بنا پر اُن کو شریکِ باریؑ بطور ابنُ اللہ کے مانتے ہیں لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ حضرت عیلیٰؑ نے باذن اللہ بھی فرمایا ہے یعنی پرندہ کا خلق کرنا اور اس کا سچ مچ پرندہ بن کر اُڑ جانا خدا کے حکم سے تھا پس جو خدا کے حکم کا تابع ہو کر یہ معجزہ دکھائے وہ خدا کیسے ہو جائے گا۔ اسی طرح اور جو معجزات اس کے بعد ذکر کیے گئے ہیں ان سب میں باذن اللہ ہے یعنی خدا کے حکم سے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے (آل عمران آیت ۵)۔ کافروں نے اس اعجازی شان کو کھُلا ہوا جادُو قرار دیا اور نصرانیوں نے اُن کی خدائی کا ثبوت سمجھا۔ غرض حضرت عیلیٰؑ کے وجود کو سمجھنے میں دونوں گروہ حقیقت سے دُور جا پڑے ایک گروہ عداوت میں مارا گیا دوسرا محبت میں۔

عیسائیوں نے نہ صرف جنابِ عیسیٰؑ اور روح القدسؑ کو خدا مانا ہے بلکہ حضرت مریمؑ کی خدائی کے بھی قائل ہو گئے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے بعد سے تین سو سال تک نصرانیوں میں اس عقیدہ کا کھوج نہیں ملتا۔ اس کے بعد نصرانی علماء کے ایک گروہ نے جنابِ مریمؑ کو اُمّ اللہ یا مادرِ خدا کے ناپاک الفاظ سے یاد کیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ذاتِ مسیحؑ میں دو شخصیتیں شامل تھیں: ایک مریمؑ دوسرے روح القدسؑ۔ یہ تین مل کر ایک ذات بنی، اُن میں خدا بھی آ کر شامل ہو گیا۔ جن لوگوں نے مریمؑ کو داخلِ الوہیت نہیں سمجھا تھا اور صرف تین کے مجموعہ کو یعنی خدا، جبرئیلؑ اور مسیحؑ کو خدا مانتے تھے۔ ان میں اور اس دوسرے گروہ میں سالہا سال بحث و مباحثہ کا سلسلہ چلا اور بڑے بڑے خُونریز معرکے ہوئے۔ پہلے گروہ نے مریمؑ کا بُت بنا کر اپنے گرجاؤں میں رکھا۔ اس رُومن کیتھلک گروہ پر پروٹسٹنٹ جماعت کو غلبہ رہا۔

حضرت عیلیٰؑ نے اپنی زندگی ایک خاص طریقہ سے گزاری۔ مثلاً اُونی لباس پہنتے تھے۔ درختوں کے پتّے ان کی غذا کا بیشتر حصّہ تھے۔ کوئی سامانِ زندگی ان کے پاس نہ تھا۔ رہنے کے لیے مرتے دم تک کوئی گھر نہ بنایا۔ رات کو جہاں جگہ ملتی سو رہتے۔ اپنا تمام دن تبلیغی ضرورتوں میں صرف کرتے۔ فرماتے تھے درخت میری روزی ہیں۔ جنگل کے گُل بوُٹے میرا باغ ہیں۔ آفتاب میرا لحاف ہے اور زمین میرا فرش ہے۔ سوتا ہوں تو میرے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ پس مجھ سے زیادہ غنی کون ہے۔ عمر بھر کسی کو جھڑکا نہیں۔ قہقہہ مار کر ہنسے نہیں۔ ترش رُو ہو کر کسی سے بولے نہیں۔ شادی کی نہیں۔ لیکن وُہ تارک الدّنیا رہبان نہ تھے۔ لوگوں سے ملتے جلتے تھے، وعظ و پند کرتے تھے۔ مذکورہ بالا باتیں ان کا زہد و تقویٰ تھا۔ ایسی ہی زندگی حضرت یحییٰؑ بن زکریا نے بسر کی۔ عیسائیوں نے ان کی تقلید میں رہبانیت کو ذریعۂ نجات سمجھا اور بستیاں چھوڑ کر خانقاہوں میں جا پڑے۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی، جن کو ناکس اورنس کہا جاتا ہے۔ بے شمار کنواری لڑکیاں اس عقیدہ کی بنا پر شادی نہیں کرتیں کہ وہ مرنے کے بعد حضرت عیلیٰؑ کی زوجیت میں جائیں گی۔

اب ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ حضرت عیلیٰؑ کا یہ طریقۂ ماند و بُود کیوں تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل میں

عیش پسندی اور تن آسانی روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ حرصِ دُنیا کے جال نے انہیں چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔ توریت کی تعلیم کو انہوں نے یکسر بھلا دیا تھا اور اس خیال پر قائم ہو گئے تھے کہ دُنیا میں سب کچھ ہمارے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس سے لطف اندوز نہ ہوں۔ جب انبیائے بنی اسرائیل اُن کو ان غلط کاریوں پر ٹوکتے تھے تو وہ اُن کو بے محابا قتل کر دیتے تھے۔ ایسے ضلالت آفریں دَور میں حضرت عیسٰیؑ مبعوث برسالت ہوئے۔ لہٰذا ان کو بنی اسرائیل کی زندگی کا رُخ بدلنے کے لیے ایک نہایت سیدھی سادی زندگی کو پیش کرنا ضروری ہو گیا تاکہ ان کی دیکھا دیکھی لوگ نعیش سے باز آئیں۔ جو پیسہ اس ناجائز کام میں خرچ کرتے ہیں اس سے محتاجوں کو فائدہ پہنچائیں۔ اس تبلیغی ضرورت کے پیشِ نظر وہ شادی سے رُکے رہے ورنہ عائلی زندگی میں ہزار ضروریات ان کو فراہم کرنا پڑتیں اور پھر وہ ایک عام انسان کی طرح اپنی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے اور ان کا مشن ترقی کرنے سے رہ جاتا۔ انہوں نے اپنے حواریوں کو کبھی شادی کرنے سے نہیں روکا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ وہ شادی کو بُرا نہیں جانتے تھے صرف اپنے کو ایک خاص مصلحت کے تحت روکے رہے۔ اگر عنداللہ ان کا شادی نہ کرنا ناپسندیدہ فعل ہوتا تو خُدا ضرور ان کو ہدایت کرتا۔ اسے ایسا ہی سمجھو جیسے حضرت یعقوبؑ نے ایک خاص بیماری کی وجہ سے اونٹ کا گوشت ترک کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل نے یہ سمجھ کر کہ یہ حکمِ خدا ہے اونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا تھا

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میرے رسول پر تو انہوں نے کہا ہم ایمان لے آئے اور گواہی دیتے ہیں کہ ہم تیرے فرمانبردار بندے ہیں۔ (وہ وقت بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا اے عیسٰی بن مریم کیا تمہارا ربّ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے دسترخوان نازل کرے۔ انہوں نے فرمایا، اگر تم مؤمن ہو تو اللہ سے ڈرو۔ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کچھ کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم یہ جان لیں کہ آپ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے سچ ہے اور ہم اس پر گواہی دینے والے بن جائیں۔ حضرت عیسٰی نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا اللہ اے ہمارے ربّ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل کر تاکہ ہم سے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری قدرت کی ایک نشانی بن جائے۔ ہم کو رزق دے اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا میں تم پر رزق نازل کرنے والا ہوں لیکن (یاد رکھو) اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفرانِ نعمت کرے گا تو پھر میں اس کو ایسی سزا دوں گا جو تمام عالموں میں کسی کو نہ دی ہوگی۔

ان آیات میں بہت سی باتیں قابلِ توضیح ہیں :

۱۔ حواری حضرت عیسٰیؑ کے شاگرد تھے جن کو آپؑ نے سب کچھ پڑھایا تھا۔ یہ لوگ دھوبی تھے۔ چونکہ حور کے معنی سفید کے ہیں اور یہ لوگ کپڑوں کا میل کچیل صاف کر کے سفید کر دیتے تھے اس لیے ان کو حواری کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ دینِ اسلام پر تھے۔ ان کی تعداد بارہ تھی۔

۲۔ حضرت عیسٰیؑ نے حواریوں سے کہا تھا کہ تم ایک مہینے کے روزے رکھو پھر جو خدا سے مانگو گے مل جائے گا جب وہ رکھ چکے تو انہوں نے کہا ہم ایک ماہ بھوکے رہے ہیں لہٰذا ہمیں خدا اچھا کھانا کھلائے جو آسمان سے ہمارے لیے نازل ہو حضرت عیسٰیؑ نے پہلے تو سمجھایا کہ خدا سے ایسی درخواست نہ کرو جو کھانا مل رہا ہے اُسے کھائے جاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو مگر وہ نہ مانے اور دُعا کرنے پر مجبور کیا۔

۳۔ مائدہ کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نازل ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ خدا فرماتا ہے، میں تم پر نازل کرنے والا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس کے بعد نازل نہ کیا ہو۔ کیونکہ جس عذاب کا خدا نے بعد میں ذکر کیا ہے اُسے سُن کر حواری اپنی طلب سے باز رہے تھے۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اگر نازل نہ کیا ہوتا تو اس بات میں اتنی اہمیت پیدا نہ ہوتی کہ قرآن کا ایک پورا سورہ اُس کے نام سے موسوم کیا جاتا۔ پھر نبی کی دعا بے اثر ثابت ہوتی اور نزول کا وعدہ جو خدا کی طرف سے تھا وہ غلط ثابت ہوتا حالانکہ خدا فرماتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمرانؔ آیت ۹) "خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا"۔

۴۔ مائدہ کے نزول کی صورت مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ایک خوان میں سات روٹیاں ہوتی تھیں اور ایک رکابی میں گوشت جسے کتنے ہی لوگ کھاتے مگر وہ بدستور قائم رہتا۔ تفسیر صافی و مجمع البیان میں یہی ہے لیکن مولٰنا فرمان علی صاحب

نے بڑا شاندار خوان دکھایا ہے۔

ایک تلی ہوئی مچھلی جس سے روغن ٹپک رہا تھا۔ اس کے سر کے پاس نمک اور دُم کے پاس سرکہ تھا اور اس کے آس پاس طرح طرح کی ترکاریاں اور گندنے کے سوا انواع و اقسام کے ساگ۔ پانچ روٹیاں تھیں ایک پر روغن زیتون دوسری پر شہد تیسری پر گھی چوتھی پر پنیر پانچویں پر خشک گوشت رکھا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بروایتے یہ مائدہ چالیس روز تک آتا رہا۔ جو مریض اُسے کھاتا تھا اچھا ہو جاتا تھا۔ لیکن پھر قوم کی نافرمانی کی بنا پر وُہ بند ہو گیا اور جنہوں نے نافرمانی کی تھی وہ سؤروں کی صورت میں مسخ کر دیئے گئے جو مزبلوں میں جاکر پاخانہ کھاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خدا کی کسی نعمت کی قدر نہیں ہوتی تو پھر اُسے غائب کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ لوگ انبیاء کو برابر شہید کرتے چلے آرہے تھے لہٰذا پھر چھ سو برس تک انبیاء کی آمد روک دی گئی۔ جب کسی نبی کے نہ ہونے سے دینی و دنیاوی نقصان کا احساس ہُوا تو پھر بغرض اتمام حجت نبیؐ آخر الزماںؐ کو بھیجا لیکن جب ناشکری اس حد تک پہنچ گئی کہ آنحضرتؐ کے اوصیاؑ کو بے جرم و قصور شہید و قید کیا جانے لگا تو خدا نے اپنی آخری حجت کو پھر غائب کر دیا تاکہ حجتِ خدا کے غائب ہونے سے جو بلائیں نازل ہوں ان کو سمجھیں۔ یہ خوان چونکہ یکشنبہ کو نازل ہُوا تھا اس لیے اتوار کا دن نصرانیوں کے لیے عید کا دن قرار پایا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ۚ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۚ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۗ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اَبَدًا ۗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے کہا اے عیسٰی بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو اپنا معبود سمجھو۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ کیا میری یہ مجال تھی کہ میں وُہ بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تیرے علم میں ہوتا۔ جو میرے دل میں ہے تُو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے مَیں اُسے نہیں جانتا۔ بے شک تُو ہی تو تمام پوشیدہ باتوں کا سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ جب تک میں اُن کے درمیان رہا اُن کی دیکھ بھال کرتا رہا لیکن جب تُو نے مجھے دُنیا سے اُٹھا لیا اب تُو خود ان پر نگہبان ہے اور تُو ہر شے پر گواہ ہے۔ اگر تُو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں (تجھے ان پر ہر طرح کا اختیار ہے) اور اگر تُو ان کو بخش دے تو بے شک تُو بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ خدا (روز قیامت فرمائے گا) یہ وُہ دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کی سچائی کام آئے گی ان کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے خدا ان سے راضی ہُوا اور وُہ خدا سے، اور یہ تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جو کچھ آسمان و زمین اور ان کے درمیان ہے سب اللہ ہی کا ہے اور وُہ ہر شے پر قادر ہے۔

حضرت عیسٰیؑ اور خدا کے درمیان جو گفتگو آیت میں ہے یہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید بھی ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے ان سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں مریمؑ کو اپنا معبود مانو۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا تو خدا نصاریٰ اور حضرت عیسٰیؑ کو اکٹھا کرے گا۔ یہ سوال ایک دوسرے کے روبرو کرے گا جس کا جواب حضرت عیسٰیؑ وہی دیں گے جو آیت میں مذکور ہے پس جب حضرت عیسٰیؑ نے ایسا نہیں کیا تھا تو نصرانیوں کا ان کے متعلق ایسا سمجھنا سراسر ایک رسولِ برحق پر بہتان ہے۔ (تفسیر)

تفسیر صافی میں ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کا مطلب یہ ہے کہ جب تُو نے مجھے زمین سے آسمان کی طرف اٹھا لیا تھا جیسا کہ فرمایا ہے اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آل عمران آیت ۵۵)۔ تَوَفِّيْ کے معنی کسی شئے کو پُورا پُورا لے لینے کے ہیں۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر ۳۹، آیت ۴۲)۔ یعنی اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت لے لیتا ہے اور جو نہیں مرے ان کو نیند کے وقت لے لیتا ہے پس فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنی یہ ہوئے جب تُو نے دُنیا میں رہنے کی مدت ختم کر دی اس کا بیان پہلے سورہ میں آچکا ہے۔

جو لوگ اس دُنیا میں ایمان کے پکے اور قول کے سچے ہیں اس کی تصدیق روز قیامت ہوگی جب خدا کے با ایمان اور صادق القول بندے جنّت کی طرف بھیجے جائیں گے ۔

بروایتے مشہور حضرت عیسیٰؑ کا رفع ہوا اور وہ چوتھے آسمان پر ہیں جب قربِ قیامت میں ظہور قائم آلِ محمدؐ ہوگا تو وہ زمین پر اُتریں گے اور ولیٔ عصر کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ بس جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کی موت کے قائل ہیں وہ گمراہ ہیں اور شیطانی وسوسہ میں گرفتار۔ کتابِ کائنات دو ہی آدمیوں کے سامنے کھلی تھی ایک آدمؑ دوسرے حوّاؑ۔ لہٰذا جب بند ہوگی تو دو ہی خدا کی حجتیں موجود ہوں گی ۔

---

(۶) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (۵۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤

سب تعریفیں اس خدا ہی کے لیے سزاوار ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان میں مختلف قسم کی تاریکی اور روشنی بنائی باوجود اس کے کفار اوروں کو خدا کے برابر کرتے ہیں۔ اللہ تو وُہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تمہارے مرنے کا وقت مقرر کر دیا (اگرچہ تمہیں معلوم نہیں) مگر اس کے نزدیک (قیامت کا) وقت مقرر ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو اور وہی تو آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی، وہ تمہاری چھپی باتوں کو

بھی جانتا ہے اور ظاہری باتوں کو بھی اور جو کچھ تم کرتے ہو اُسے بھی۔ (لوگوں کا بھی عجیب حال ہے) خدا کی آیات میں سے جب کوئی آیت ان کے پاس آتی تو منہ پھیر لیتے تھے چنانچہ جب ان کے پاس قرآن آیا تو اس کو بھی جھٹلایا یہ لوگ جس کے ساتھ مسخرا پن کر رہے ہیں اس کی حقیقت بہت جلد انہیں معلوم ہو جائے گی ۔

ان آیات میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلا گروہ دہریوں یعنی وجودِ باری تعالیٰ کے منکروں کا ہے جو خدا کو خالقِ کائنات نہیں مانتے ان پر ظاہر کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق خدا ہے جب کوئی معمولی چیز بغیر کسی بنانے والے کے نہیں بن سکتی تو یہ آسمان و زمین کیسے خود بخود بن گئے ۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو نور و ظلمت کو تمام چیزوں کا خالق مانتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ نور و ظلمت ایک دوسرے کی ضد ہیں دونوں کا وجود ایک ساتھ نہیں پایا جا سکتا۔ جب نور، ظلمت کو ناپید کرنے والا ہے تو ظلمت اس کمزوری کے باوجود کیسے خالق قادر و مختار کہی جا سکتی ہے۔ اسی طرح جب ظلمت، نور پر غالب آجاتی ہے تو نور مغلوب ہونے کی صورت میں اپنی خالقیت کا اثر کیسے دکھا سکتا ہے۔ خدا نے ان پر ظاہر فرما دیا کہ نور و ظلمت دونوں کو پیدا کرنے والا خُدا ہے ۔

تیسرا گروہ بُت پرستوں کا ہے جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے گڑھے ہوئے بُتوں کو اپنا معبود مانا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو ان کی بنائی ہوئی مخلوق ہے وہی ان کی بنانے والی کیسے ہو سکتی ہے جس کو وُہ معبود مانتے ہیں۔ ان میں کونسی بات ایسی ہے جو ان کے خدا ہونے کی دلیل ہے۔ نہ تو وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ نہ کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ نقصان دُور کرنے پر، پھر اُن سے فائدہ؟ نہ اُن میں حِس ہے نہ حرکت۔ جب کبھی بُت شکنوں نے ان کے سر پر ہتھوڑے مارے وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ پھر دوسروں کی مشکلات کو وہ کیا دُور کر سکتے ہیں ۔

اگلی آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب کا پیدا کرنے والا خدا ہے اور اس نے ان کے لیے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے جس سے اس کے کمالِ قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت موت کا وقت نہیں ہٹا سکتی۔ پس جب موت ہر چیز کی فنا کو ثابت کرنے والی ہے تو فانی چیز کو خدا کہنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے ۔

خدا نے قیامت کے وقت کا علم اپنی ذات تک محدود رکھا ہے تاکہ لوگ اس کے انتظار میں رہیں اور خُدا کی نافرمانی سے گریز کریں۔ اگر کوئی مدت بتا دی جاتی تو وُہ لوگ مطمئن ہو جاتے جو اپنے سے بہت دُور اس وقت کو پاتے اور جو اس وقت کے قریب آگئے وہ اس قدر مضطرب ہوتے کہ ہر کام سے ہاتھ اُٹھا لیتے اور اس طرح راہِ عمل ان پر مسدُود ہو جاتی۔ جو لوگ قیامت کے آنے میں شک کرتے ہیں ان سے زیادہ احمق کوئی نہیں کیونکہ جس قادر و قیّوم نے یہ تمام کارخانہ نیست سے ہست کیا ہے وہ ایک دن ہست سے نیست بھی ضرور کرے گا۔ تاکہ کرنے والے جو کچھ کر گزرے ہیں اس کی جزا و سزا پائیں ورنہ انسانوں کی خلقت کا سلسلہ بے معنی ہو جائے گا جیسا کہ فرماتا ہے، اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۔ (المؤمنون، آیت ۱۱۵) ”کیا تم نے

یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے۔ ضرور تمہارے اعمال سے ایک روز مؤاخذہ ہوگا اور وہی قیامت کا دن ہوگا۔ تم کو خدا کی طرف ایک دن لوٹ کر آنا ضرور ہے۔ پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ تمہاری کوئی بات خدا سے چھپی ہوئی نہیں ہے لہٰذا جو کچھ کرتے ہو یہ سمجھ کر کرو کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ بندوں سے چھپا کر تم مطمئن نہ ہو جاؤ۔ تم کو اچھے کام کی جزا اور بُرے کام کی سزا ضرور ملنی ہے چاہے کوئی عمل سات پردوں کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔

کافروں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب خدا کی کوئی آیت سنتے تھے اور اُسے اپنے مقصد کے خلاف پاتے تھے تو فوراً منہ پھیر لیتے تھے۔ چنانچہ وہی اب بھی ہو رہا ہے کہ قرآن کو سنتے ہیں مگر اس کے ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔ لیکن ان کے اس نہ ماننے سے کارِ تبلیغ نہیں رُک سکتا۔ ایک دن آنے والا ہے کہ اس کا مذاق اُڑانے کی پوری پوری سزا ان کو دی جائے گی۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩

کیا یہ لوگ (کافر) اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنے گروہ کے گروہ ہلاک کر ڈالے جن کو ہم نے روئے زمین پر ایسی قوت و قدرت عطا کی تھی جو ابھی تک تم کو نہیں دی۔ ہم نے اُن پر آسمان سے موسلا دھار رو برسائی جس سے ان کے نیچے نہریں بہنے لگیں (سب مکانات منہدم ہو گئے) پس ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا اور اُن کے بجائے ایک دوسرے گروہ کو پیدا کر دیا۔ اگر ہم اے رسول تم پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کرتے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو بھی یہ کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ وہ یہ بھی تو کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ لیکن اگر ہم اُن پر فرشتہ

بھیجتے تو ان کا کام ہی تمام ہو جاتا اور ان کو مُہلت بھی نہ ملتی۔ اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو اس کو بھی مرد بنا کر بھیجتے اور جو شبہات یہ لوگ کر رہے ہیں وہی شبہات گویا ہم خود اُن پر اُس وقت بھی وارد کر دیتے۔

کفار کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اور اس خیال میں مست تھے کہ ہم محمدؐ کا دعویٰ نبوت باطل کر کے رہیں گے کیونکہ اُن کے پاس کوئی طاقت نہیں اور ہمارے پاس سب کچھ ہے اس پر خدا فرما رہا ہے کہ کیسے بیوقوف لوگ ہیں، ذرا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ان سے پہلے کیسی کیسی طاقتور قومیں تھیں جن کی برابری ان لوگوں کو اب تک حاصل نہیں تھی۔ جب انہوں نے نافرمانی پر کمر باندھی تو ہم نے ان کو ملیامیٹ کر دیا اور ان کی جگہ دوسروں کو لے آئے۔ پس تمہاری کیا ہستی ہے۔ جب چاہیں گے تمہیں بھی اسی طرح دے پٹکیں گے۔

ایک روز کچھ کفار حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم اس وقت تک آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک چار فرشتے ہمارے سامنے آ کر یہ نہ کہیں کہ جو کچھ محمدؐ بیان کرتے ہیں اُسے ہم خدا کی طرف سے لے کر آئے ہیں اور ایک نوشتہ اُن کے پاس ہو جس میں لکھا ہو کہ تم ہمارے پیغمبر ہو۔ خدا فرماتا ہے اگر ایسا ہوتا تو بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے اور صاف کہہ دیتے یہ تو کھلا جادو ہے۔

ایک روز ایک شخص حضرتؐ کی خدمت میں آ کر کہنے لگا اے محمدؐ آپ نے بڑا سخت دعویٰ کیا ہے کہ اپنے کو نبی اور خدا کا فرستادہ بیان کر رہے ہیں اگر خدا کو بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہ بھیجا۔ خدا فرماتا ہے اگر ہم فرشتہ کو بھیجتے تو نافرمانی کی صورت میں وہ تمہارا کام تمام کر دیتا اور ذرا بھی مہلت نہ دیتا۔ ہم اگر فرشتہ بھیجتے بھی تو اس کی اصلی صورت میں نہ بھیجتے کیونکہ تم اس سے مانوس نہ ہوتے اس کے پاس آتے ڈرتے بلکہ اُسے مرد کی شکل میں بھیجتے۔ مگر تم شبہات سے باز آنے والے کہاں ہو پھر طرح طرح کے شبہے پیدا کرنے لگتے یعنی اس فرشتہ سے بھی کہنے لگتے کہ تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ خدا کے فرستادہ ہو جیسے آج تم کو ہمارے رسولؐ کے متعلق شبہ ہے ایسے ہی اس کے ساتھ بھی ہوتا پس ہم اسی کے ہو جاتے کہ تم کہے جاؤ اور ہم بھیجے جائیں۔

خدا نے کسی نبی کو عورت کی شکل میں نہیں بھیجا اس کی چند وجوہات ہیں: اوّل یہ کہ انبیائے پر ان کی اُمتوں نے جو جو مظالم کیے ایک عورت اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ دوسرے تبلیغی ضرورتوں کے پیشِ نظر وہ ہر جگہ نہیں جا سکتی تھی۔ تیسرے اُس پر اپنے شوہر کی اطاعت فرض ہو جاتی۔ اور نبی کی اطاعت تمام اُمت پر فرض ہوتی ہے وہ کسی کا مطیع نہیں ہوتا۔ چوتھے عورت صاحبِ حُسن و جمال ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ اس کے حُسن پر فریفتہ ہو کر خواہشاتِ بد کا شکار ہو جاتے اور جو ایمان لاتے وہ اس کے عشق میں لاتے، خدا پر ایمان لانے سے اس کا تعلق نہ ہوتا۔

خدا نے شکوک میں مبتلا کرنے کی نسبت اپنی طرف مجازاً دی ہے یعنی اگر ہم ان کے کہنے کے مطابق رسول بھیجتے اور پھر ان کے دل میں جو شبہات پیدا ہوتے گویا وہ ہمارے عمل سے ہوتے کہ ہم نے ایک نیا نبی بھیج کر انہیں شبہات میں مبتلا کر دیا۔ اگر خدا کفار و مشرکین کی خواہشات کو پورا کرتا رہتا تو کارِ تبلیغ انجام پذیر ہو ہی نہ سکتا تھا کیونکہ ان کی خواہشوں

کا سلسلہ تو لگا ہی رہتا۔ کبھی کوئی فرمائش کرتے کبھی کوئی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾

اے رسول تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ مسخرا پن کیا گیا ہے پس ان لوگوں کو اُس عذاب نے جس کا یہ لوگ مذاق اُڑاتے تھے گھیر لیا (اور وہ ہلاک ہو گئے) اے رسول تم ان سے کہو ذرا دُنیا میں چل پھر کر دیکھو تو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ تم ان سے پوچھو تو کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے یہ کس کا ہے (وہ تو کیا جواب دیں گے) تم ہی کہو کہ خاص خدا ہی کا ہے۔ اُس نے اپنی ذات پر مہربانی لازم کر لی ہے۔ وہ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے تم سب کو ضرور جمع کرے گا۔ جن لوگوں نے اپنا نقصان اپنے ہاتھوں کیا ہے وہ تو قیامت پر ایمان نہ لائیں گے (اور نہ یہ سمجھیں گے کہ) جو کچھ رات اور دن میں رہتا سہتا ہے وہ سب فقط اسی کا ہے اور وہ سب کی سُننے والا اور جاننے والا ہے۔

جن قوموں نے اپنے انبیاؑ کی نصیحت کو نہ مانا اور آیاتِ الٰہی کا مذاق اُڑایا ان پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے جیسے قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط، قوم نوح اور قوم شعیب ان سب پر مختلف قسم کے عذاب آئے جن کے کچھ کچھ نشانات اب بھی روئے زمین پر موجود ہیں۔ کاش یہ لوگ جو اے رسولؐ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں روئے زمین پر چل پھر کر انہیں دیکھتے اور عبرت حاصل کرتے۔ آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ کا بنایا ہوا کارخانہ ہے اور اُس کے یدِ قدرت میں ہے وہ جو چاہے کرے کسی کی مجال نہیں کہ اُسے روک سکے۔ جو لوگ اُس پر ایمان نہیں لائے انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ آج نہیں تو کل روزِ قیامت ان سب کو خدا جمع کر کے باز پُرس ضرور کرے گا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

اے رسول تم ان مشرکین سے کہو کہ میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا کو چھوڑ کر اس کے غیر کو اپنا سرپرست بنا لوں؟ حالانکہ خدا وُہ ہے جو تم کو روزی دیتا ہے اُس کو کوئی روزی نہیں دیتا اور یہ بھی کہہ دو کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اس پر اسلام لانے والا ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خبردار تم مشرکوں میں سے نہ ہونا۔ یہ بھی کہہ دو کہ نافرمانی کی صورت میں مَیں یومِ عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور اُس دن جس کے سر سے عذاب ٹل گیا تو خُدا نے اُس پر بڑا رحم کیا اور سب سے زیادہ کھُلی ہوئی کامیابی تو یہی ہوگی اگر خدا تم کو کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو تم کو خدا کے سوا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور اگر تمہیں کچھ فائدہ پہنچائے تو وہ ہر شئے پر قادر ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ بڑا حکمت والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

کفّارِ قریش نے اعلانِ رسالت کے بعد یہ خیال کیا کہ حضرتؐ نے دولت کی خواہش میں اپنی نبوّت کا اعلان کیا ہے۔ وہ ایک روز جمع ہو کر حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہمارا خیال یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی مفلسی سے تنگ آ کر ایسا دعویٰ کیا ہے۔ اگر آپؐ اس سے باز آجائیں تو ہم آپؐ کے لیے کثیر دولت جمع کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا، مجھے تمہاری دولت کی حاجت نہیں۔ میرا رب آسمان و زمین کا مالک ہے۔ اُس کے پاس کیا نہیں جو تم سے لوں۔ وہ جسے دینا چاہے کوئی اُسے روک نہیں سکتا اور جسے نہ دینا چاہے کوئی اُسے فارغ البال بنا نہیں سکتا۔

پہلے خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی زمین پر چلنے والے جانوروں اور ہوا میں اُڑنے والے پرندوں کی خلقت اور زندگی کے متعلق غور کرنے کو بتایا گیا۔ ان آیات میں اب یہ بتایا گیا ہے کہ کیا خدا کی یہ نشانی نہیں ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں

مبتلا ہوتا ہے اور نجات کی امید نہیں رہتی، اس وقت نہ تو کسی بت کو پکار کر پناہ حاصل کرسکتا ہے نہ کسی اور مددگار کو بلکہ اس وقت تو لے دے کر خدا ہی یاد آتا ہے اور اپنے سارے معبودوں کو بھول جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے برابر اپنے پیغمبر بھیجے لیکن وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے۔ آخر انہیں سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ خوفزدہ ہوکر خدا کے سامنے گڑگڑائیں، اپنے قصوروں کی معافی چاہیں لیکن ایسا ہوا نہیں۔ ان کے دل پتھر جیسے سخت ہوگئے تھے اور شیطان نے اُن کی بداعمالیوں کو اُن کی نظروں میں اچھا کر دکھایا تھا۔ جب وہ نصیحتوں کو بھول گئے تو دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا یعنی سختی دُور کرکے ان کو آسائش کے سامان دئیے گئے تاکہ اس کے شکرگزار ہوں۔ لیکن جب یوں بھی نہ سمجھے اور اپنی غلط کاریوں سے نہ رکے تو اب کوئی صورت عذاب کے سوا باقی نہ تھی لہٰذا خدا نے ان ظالموں کی جڑ کاٹ دی اور اچانک عذاب الٰہی نے اُن کو آگھیرا۔

خدا نے مختلف طریقہ سے اپنی حجت اپنے بندوں پر تمام کی ہے تاکہ کوئی موقع انہیں عذر پیش کرنے کا باقی نہ رہے ہاں جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں وُہ سخت آڑے وقتوں میں خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ ہے کہ وہ کشتی میں سفر کر رہا تھا۔ ناگاہ کشتی کو طوفان نے آدبایا۔ اس وقت تمام اہل کشتی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ سب نے کہا اب اللہ کے سوا کسی کو پکارنے کا وقت نہیں چنانچہ عکرمہ نے خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر کہا اگر میں اس وقت ہلاکت سے بچ جاؤں تو تیرے رسول حضرت محمد مصطفٰے کے سامنے جاکر ایمان لے آؤں گا۔ چنانچہ جب وہ بچ گیا تو آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ۣ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ﴿۱۹﴾

(یہودیوں نے ایک بار حضرتؐ سے کہا یہ تو بتائیے آپ کی نبوت کا گواہ کون ہے؟ اس کے جواب میں خدا نے اپنے رسول سے کہا) تم ان سے یہ تو پوچھو آخر تمہارے نزدیک سب سے بڑی شہادت کس کی ہے۔ (وہ کیا بتائیں گے تم خود ہی) کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے۔ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس تک اس کی خبر پہنچے ڈراؤں۔ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور دوسرے معبود

بھی ہیں اور اے رسول ان سے یہ بھی کہہ دو، میں تو خدا کے سوا کسی اور کے معبود ہونے کی گواہی نہیں دیتا (تم دیا کرو)۔ (صاف صاف) کہدو کہ معبود تو بس ایک ہی ہے۔ تم جن کو اس کا شریک قرار دیتے ہو میں تو ان سے بیزار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے (یہود و نصاریٰ)

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہ جس طرح اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح اس کو (محمدؐ) کو بھی پہچانتے تھے۔ مگر جن لوگوں نے اپنا نقصان خود کیا ہے وہ کسی طرح ایمان نہ لائیں گے۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا اور اس کی آیات کو جھٹلایا اور ظالموں کو ہرگز نجات نہ ہوگی۔

چونکہ توریت و انجیل میں یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات پڑھ چکے تھے اور انبیائے بنی اسرائیل برابر بتاتے چلے آتے تھے کہ آخر زمانہ میں ایک نبی آنے والے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ نے تو نام تک بتا دیا تھا۔ لہٰذا آنحضرتؐ کی شناخت پوری طرح ان کو ہوچکی تھی مگر چونکہ شقاوت ان پر سوار تھی تو جب حضورؐ کا ظہور ہوا تو صاف انکار کر بیٹھے اور کہنے لگے یہ وہ نبی نہیں ہیں اور آنحضرتؐ کی نبوت اور آیات قرآنی کو جھٹلانے لگے۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَیْنَ شُرَکَآؤُکُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَکُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ

كَفَرُوٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۵﴾

(اور اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر جن لوگوں نے شرک کیا تھا ان سے پوچھیں گے جن کو تم خدا کا شریک بناتے تھے بتاؤ اب وہ کہاں ہیں پھر ان کی کوئی شرارت باقی نہ رہے گی بلکہ وہ تو یہ کہیں گے اس خدا کی قسم جو ہمارا پالنے والا ہے ہم تو کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے تھے۔ اے رسول ذرا دیکھو تو یہ لوگ اپنے اُوپر کیسا جھوٹ بولنے لگے اور جو جھوٹے بہتان لگاتے تھے وہ سب غائب ہو کر رہ گئے اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تمہاری باتیں بڑے غور سے سنتے ہیں مگر ان کی ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ گویا ہم نے خود ان کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے کہ اُسے سمجھ نہ سکیں اگر وہ لوگ خدا کے سارے معجزے بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم سے جھگڑا کرنے لگتے ہیں اور وہ کافر کہنے لگتے ہیں کہ اس قرآن میں رکھا ہی کیا ہے وہی پُرانے لوگوں کے قصّے ہیں۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حضرتؐ مسجد الحرام میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ قریش کے کچھ لوگ وہاں پہنچے جن میں ابوسفیان، عتبہ، شیبہ اور نضر بن خالد بھی تھے۔ نضر کہنے لگا جس طرح محمدؐ پہلے لوگوں کے قصّے سُناتے ہیں میں بھی اسی طرح ملوکِ عجم کی داستانیں سُنا سکتا ہوں۔

چونکہ عداوت کی آگ ان کے سینوں میں بھڑکی ہوئی تھی اس بنا پر انہوں نے اس پر غور ہی نہیں کیا کہ قرآن کے قصّوں میں بنی نوعِ انسان کو بڑے بڑے اخلاقی و روحانی، معاشرتی و تمدّنی درس دئے گئے ہیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُّهْلِكُونَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوٓا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا

بَلٰى وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۰﴾ ع

یہ لوگ دوسروں کو بھی سُننے سے روکتے ہیں اور خود بھی الگ رہتے ہیں۔ ان باتوں سے یہ لوگ اپنے ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (مزہ یہ ہے کہ) سمجھتے بھی نہیں۔ اے رسول اگر تم ان لوگوں کو دیکھتے (تو تعجب کرتے) جب جہنم کے کنارے لا کھڑے کیے جائیں گے اس وقت کہنے لگیں گے کاش ہم دُنیا میں دوبارہ لوٹا دئے جاتے اور اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور ہم مؤمنین میں سے ہو جاتے (مگر ان کی یہ آرزو پُوری نہ ہوگی) وہ جس بے ایمانی کو دل میں چھپائے تھے آج اس کی حقیقت اُن پر کُھل گئی اگر ان کو لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ وہی کریں گے جس کے کرنے سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ یہ جھوٹے ہیں۔ یہ کفّار یہ بھی تو کہتے ہیں کہ دُنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور مرنے کے بعد ہم اُٹھائے ہی نہ جائیں گے (یہ سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہے)۔ اے رسول تم ان کو اس وقت دیکھو گے تو تعجب کرو گے۔ جب یہ لوگ خدا کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور خدا ان سے پُوچھے گا کیا قیامت کا دن اب بھی تمہارے نزدیک صحیح نہیں، تب کہیں گے اے ہمارے رب، بالکل صحیح ہے۔ خدا کہے گا کہ اب اُس کا مزہ چکھو جس سے تم دُنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۖ حَتّٰٓى إِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُورِهِمْ ۖ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِينَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتّٰٓى أَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَإِى الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۴﴾

انقصان میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے قیامت کے دن خدا کے سامنے حضوری کو جھوٹ قرار دیا تھا۔ جب اچانک وہ وقت آجائے گا تو یہی لوگ کہنے لگیں گے افسوس ہم سے اس معاملہ میں کیسی کوتاہی ہوئی اور ان کا حال اس وقت یہ ہوگا کہ اپنی پشتوں پر اپنے گناہ کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل تماشہ ہے البتہ آخرت کا گھر پرہیز کرنے والوں کے لیے بہتر ہے تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لوگے۔ اے رسول ہمیں معلوم ہے کہ ان لوگوں کی باتیں سن کر تمہیں رنج ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم آیاتِ خدا سے انکار کر رہے ہیں۔ تم سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے لیکن ان کی تکذیب اور ایذا رسانی پر انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اللہ کی باتوں کے بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں اور پچھلے رسولوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس کی اطلاع تم تک پہنچ ہی چکی ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

اے رسول اگر ان کی روگردانی تم پر شاق ہے تو اگر تم میں اتنی طاقت ہے کہ زمین کے اندر سرنگ کھود لو یا

آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤ تو ان کے لیے کوئی ایسی نشانی لے آؤ جس سے وہ مان جائیں (تو یہ بھی کر دیکھو) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو راہِ راست پر اکٹھا کر دیتا (مگر وہ تو امتحان کرتا ہے) پس دیکھو تم جاہلوں میں شامل نہ ہونا۔ تمہارا کہنا تو صرف وہی لوگ سنتے ہیں جو دل سے سنتے ہیں اور مردوں کو تو خدا قیامت ہی میں اٹھائے گا اور پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ کفار کہتے ہیں آخر اس نبی پر کوئی معجزہ اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل ہوتا تم ان سے کہہ دو کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ کوئی معجزہ نازل کرے لیکن ان میں اکثر لوگ اس کی مصلحت کو نہیں جانتے زمین پر جتنے چلنے پھرنے والے ہیں یا جو دونوں پروں سے اڑنے والے ہیں ان کی جماعتیں بھی تمہاری ہی سی ہیں اور (سب لوحِ محفوظ میں موجود ہے) ہم نے کتاب (قرآن) میں کوئی فروگزاشت نہیں کی۔ یہ سب چرند ہوں یا پرند خدا کے حضور میں لائے جائیں گے جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے وہ ضلالت کی تاریکی میں گونگے بہرے بنے پڑے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کا ایمان نہ لانا تم پر شاق نہ ہونا چاہیئے۔ تم چاہے کتنی ہی کوشش کرو، آسمان سے لا کر کوئی نشانی دکھاؤ یا زمین کے اندر سے۔ یہ لوگ کسی کو بھی نہیں مانیں گے۔ تمہاری باتیں جو کان لگا کر سنتے ہیں وہ سنتے ہیں، یہ کافر تو مردہ ہیں انہیں کیا سناتے ہو۔ تم کہدو کہ میرا رب تو ہر قسم کا معجزہ دکھانے پر قادر ہے لیکن وہ تو اپنی مصلحت سے کام کرتا ہے، جہاں اس کی مصلحت ہوتی ہے دکھاتا ہے ورنہ تم اس کی مصلحت کو کیا سمجھو۔ اگر خدا یہ چاہتا کہ سب کے سب راہِ راست پر آجائیں تو کس کی مجال تھی کہ ایک کلمہ کفر کا زبان سے نکال سکتا مگر وہ ایسا جبریہ ایمان لانا نہیں چاہتا۔ اگر ایسا چاہتا تو پھر اسے نہ اپنے انبیاءؑ بھیجنے کی ضرورت تھی نہ کوئی کتاب نازل کرنے کی۔ ذرا سی دل کی کل مروڑ دیتا تو سب اس کا دم بھرنے لگتے۔ مگر وہ تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ عقل و ہوش سے کام لیں۔ ایمان لائیں تو دلائل کے ساتھ لائیں۔ اچھے کام سوچ سمجھ کر اختیار کریں برے کاموں سے بچیں۔ فتنہ و فساد کے پاس نہ جائیں اللہ کی بے شمار نشانیاں ان کی نظر کے سامنے ہیں۔ ان کی خلقت پر غور کریں۔ اپنے نفس پر غور کریں۔ ان کے سامنے تو ایک کیا ہزارہا قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ یہ تمام جانور جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں، یہ تمام پرند جو ہوا میں اڑتے ہیں جن کا نظامِ حیات بھی تمہارا ہی سا ہے۔ پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں۔ گھر بناتے ہیں اولاد پیدا کرتے ہیں تو کیا یہ سب نشانیاں ان کے لیے کافی نہیں کہ تم سے کسی اور نشانی کے طالب ہیں۔ ہم نے قرآن میں کسی مخلوق کے بیان کو چھوڑا نہیں۔ اگر وہ غور کرنا چاہتے ہی نہیں تو پھر ایک دن ان سب کو ہمارے سامنے جمع ہونا ہے۔ وہاں سمجھ لیا جائے گا۔ ضلالت کی تاریکیاں ان پر چھائی ہوئی ہیں اور گمراہ ہونے کی وجہ سے یہ بہرے بن گئے ہیں اور باوجود زبان سے حق بات کہہ سکنے کے گونگے بنے بیٹھے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ نے اپنی توفیق کو سلب کر لیا ہے اور انہیں گمراہی میں پڑا چھوڑ دیا ہے جو ان کا دل چاہے

کریں آخرت میں اس کا نتیجہ بھگت لیں گے ہاں جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہیں اللہ ان کو ضرور راہِ راست پر لے آتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ
تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ
وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ
قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا
ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ
بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

سچے ہو تو بتاؤ اگر خدا کا عذاب تم پر آجائے یا قیامت کا سامنا ہو جائے تو کیا اپنی مدد کے لیے خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارو گے (اُن کو کیا پکارو گے اللہ ہی کو پکارو گے) پس اگر وہ چاہے گا تو جس مصیبت میں تم نے پکارا ہے اس کو دفع کر دے گا اور جنہیں تم نے خدا کا شریک بنایا ہے ان کو بھول جاؤ گے۔ اے رسول تم سے پہلے جو اُمتیں گزر چکی ہیں ہم اُن کے پاس بہتیرے رسول بھیج چکے ہیں۔ جب انہوں نے نافرانی کی تو ہم نے سختی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ ہماری بارگاہ میں گڑگڑائیں۔ پس جب ان کے سر پر عذاب آکھڑا ہوا تو وہ کیوں نہیں گڑگڑائے (تاکہ ہم عذاب کو ہٹا لیتے) مگر اُن کے دل تو سخت ہو گئے تھے۔ جو کچھ وہ بداعمالیاں کر رہے تھے شیطان نے ان کی نظر میں ان کو زینت دے دی تھی پس جب ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اُسے بھول گئے تو ہم نے (ڈھیل دینے کے لیے) ان پر ہر طرح کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جب ان نعمتوں کو پاکر خوش ہونے لگے تو ہم نے اچانک ان کو دھر پکڑا اور وہ نا اُمید ہو کر رہ گئے الغرض

ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور ہر قسم کی حمد ربّ العالمین خدا کے لیے ہی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ
اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ
وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اے رسول تم ان سے پوچھو تو کہ اگر خدا تمہیں بہرا اور اندھا بنا دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو خدا کے سوا کوئی اور ہے کہ یہ قوتیں تمہیں لوٹا دے۔ دیکھو تو ہم کس طرح اپنی نشانیاں بارہا ان کے سامنے لاتے ہیں مگر اس پر بھی وہ کس طرح منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ اے رسول ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر عذاب خدا اچانک بے خبری میں یا آشکارا طور پر آجائے تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا (ہرگز نہیں) ہم نے اپنے رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے پس جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لی تو ان کے لیے نہ خوف ہے نہ غم، اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو خدا کا عذاب اُن کی بدکاریوں کی وجہ سے اُن کو لپیٹ لے گا۔

خدا کفار و مشرکین کو اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ اگر خدا تم سے سننے اور دیکھنے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتوں کو سلب کرلے تو کیا تمہارے معبودوں میں یہ طاقت ہے کہ پھر سے تمہیں سننے والا دیکھنے والا اور سوچنے سمجھنے والا بنا دیں ہرگز نہیں بنا سکتے۔ ایک دن ابوجہل نے کفارِ قریش کے مجمع سے کہا، محمدؐ جس عذاب سے ڈراتے ہیں کیا جب وہ ہم پر آئے گا تو اُنؐ پر ایمان لانے والے بچ جائیں گے، اُن سے کہو پہلے اپنوں کی خیر منائیں ہمارا خیال چھوڑ دیں۔ خدا نے جواب دیا کہ عذاب ظالموں ہی پر آئے گا ایمان والوں پر نہیں۔ جیسے طوفانِ نوح میں اہلِ ایمان بچ گئے اور کفار ہلاک

ہو گئے تھے یا جیسے قومِ لُوط پر جب عذاب آیا تو حضرت لوطؑ کو اور ان کے خاندان کو خدا نے بچا لیا تھا۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾

اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا جاننے والا ہوں نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، جو کچھ مجھ پر وحی کی جاتی ہے میں تو اس کا تابع ہوں۔ یہ بھی کہو کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوتے ہیں تو کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔ تم اس قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈراؤ جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مرنے کے بعد وہ اپنے ربّ کی طرف جمع کیے جائیں گے اور وہاں خدا کے سوا نہ تو کوئی ان کا سرپرست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں اور اپنے سے دُور نہ کرو ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے ربّ سے دعائیں مانگا کرتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ نہ تم پر ان کے حساب کتاب کی کوئی ذمّہ داری ہے اور نہ تمہارے حساب کی ذرا سی ذمّہ داری اُن پر ہے (اگر اس ذمّہ داری کا خیال کر کے) تم ان کو دھتکار دو گے تو تم ظالموں میں سے قرار پاؤ گے۔

شروع ہی سے ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام پر سب سے پہلے غریب لوگ ایمان لائے۔ امیروں کو انبیاءؑ کے پاس ان کا بیٹھنا ناگوار ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت نوحؑ سے لوگوں نے یہی کہا تھا کہ ہماری قوم کے رذیل لوگ آپ پر ایمان

لائے ہیں ان کو اپنی صحبت سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے بات کریں۔ یہی صورت حضرت رسولِ خداؐ کو پیش آئی۔ جناب سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ جیسے سچے و پکے مسلمان جو غربت کے عالم میں زندگی بسر کرتے تھے اکثر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہ کر مسائلِ دین دریافت کرتے رہتے تھے۔ امراء کو ان کا حضورؐ کے پاس بیٹھنا سخت ناگوار تھا۔ وہ کہتے تھے یہ ذلیل لوگ ہیں۔ آپؐ ان کو زیادہ منہ نہ لگائیے اور ان سے کہئے کہ بار بار میرے پاس آ کر نہ بیٹھو۔ اگر آپؐ ان کو دھتکار بتا دیں گے تو ہم آپؐ کے پاس آ کر بیٹھنے لگیں گے۔ ان منافقوں کا مطلب تھا کہ جو رسولؐ کے قابلِ اعتماد لوگ ہیں کسی طرح ان کو ہٹاؤ تاکہ رسولؐ کے اس برتاؤ سے بددل ہو کر اسلام ترک کر دیں اور ہم تو پہلے سے علیحدہ ہی ہیں۔ اس طرح رسولؐ اکیلے رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی کہ ایسا ہرگز نہ کرنا، یہ لوگ ایمان والے ہیں رات دن خدا کو یاد کرتے ہیں۔ ان منافقوں کے دل میں یہی بات چھپی ہے ہم اس کو جانتے ہیں۔

لوگوں کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ خدا کے نزدیک دولت و ثروت و حشمت اور دنیوی وقار کوئی چیز نہیں اس کی نظر میں تو ایمان والوں کی عزت ہے۔

ایک روز ایک مومنؓ جو نابینا تھے اور مردِ مفلس تھے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے بالکل حضرتؐ کے قریب آ کر بیٹھے ایک مالدار کو بُرا معلوم ہوا۔ اُس نے اپنے کپڑے جو اس غریبؓ کے لباس سے متصل تھے اپنی طرف کو کھینچ لیے۔ حضرتؐ کو اس پر غصّہ آیا۔ اُس مالدار سے فرمایا اے شخص کیا اس کی غریبی تجھے لگ جاتی یا تیری امیری اُسے جا لپٹتی۔ حضرتؐ کے اس فرمانے کا اس امیر پر بڑا اثر ہوا۔ کہنے لگا حضورؐ میں اپنے اس عمل سے نہایت شرمندہ ہوں۔ میں نے اس غریب کے دل کو ستایا لہٰذا میں اپنی آدھی دولت اپنے اس غریب بھائی کو دیتا ہوں۔ آپؐ نے اس غریب سے پوچھا تجھے منظور ہے۔ اُس نے کہا ہرگز نہیں، یہ اس گندگی کو میری طرف پھینک رہا ہے جس نے اس کو درجۂ انسانیت سے گرا دیا تھا۔

حضرت رسولِ خداؐ کا قاعدہ تھا کہ نمازِ صبح کے بعد تھوڑی دیر کے لیے اصحابِ صُفہ (وہ بے گھر لوگ جو مسجد کے چبوترے پر پڑے رہتے تھے) کے پاس تھوڑی دیر کے لیے ضرور بیٹھتے تھے، ایک روز ایک شخص کے پاس زانو سے زانو ملا کر بیٹھے۔ اُس نے اپنا زانو کھینچا۔ فرمایا، ایسا کیوں کرتا ہے؟ اُس نے عرض کی حضور آپؐ بادشاہِ دین و دُنیا ہیں میرا بدن گرد آلود ہے اور مجھے پسینہ آ رہا ہے، میں نہیں چاہتا کہ حضورؐ کا لباس میلا ہو جائے۔ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کا زانو اپنی طرف کھینچ کر فرمایا، فقیر کو فقیر کے پاس بیٹھنے میں کیا عار، جس خدا کے تم بندے ہو اسی کا بندہ میں ہوں ـــ یہ ہے اسلام کی اخلاقی تعلیم۔ کاش مسلمان اس پر کاربند ہوں۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور اس طرح ہم نے بعض لوگوں (فقیروں) کے ذریعہ سے بعض (مالداروں) کو آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ (امیر لوگ) کہیں کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ ہمارے درمیان جن پر خدا نے احسان کیا ہے کیا خدا اپنے شکر گزار بندوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا۔ اے رسول جب ایسے لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لا چکے ہیں تو ان سے کہو سلام علیکم، تمہارے رب نے رحم و کرم کو اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اسی کا رحم ہی تو ہے کہ اگر نادانی سے کوئی بُرا عمل کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور ہم تو اپنی نشانیوں کو یوں ہی تفصیل سے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی راہ بالکل نمایاں ہو جائے۔ اے رسول تم کہدو اللہ کے سوا جن لوگوں کو پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے اور یہ بھی کہہ دو کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی کرنے والا نہیں اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہوں گا۔

جن لوگوں نے زمانۂ جاہلیت میں بڑے بڑے گناہ کیے تھے جب وہ اسلام لے آئے اور زندگی کا نقشہ بالکل بدل گیا تو مشرکین ان کی پہلی زندگی کے کارنامے یاد دلا کر اُن پر طعنہ زنی کرتے تھے جس سے مسلمان شکستہ دل ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تسلّی کے لیے فرماتا ہے اگر انہوں نے توبہ کر لی اور اصلاحِ حال کر لی تو خدا ان کے سابقہ گناہوں کو بخش دے گا اور پچھلے گناہوں پر ان کی کوئی گرفت نہ ہوگی۔

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اے رسول ان سے کہو کہ میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں تم اسے جھٹلا رہے ہو (تو اس سے کیا ہوتا ہے) جس عذاب کے آنے کے لیے تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے اختیار میں تو ہے نہیں، حکومت تو بس اللہ ہی کی ہے (وہ جب چاہے عذاب نازل کرے) وہ تو حق بات بیان کرتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہدو کہ جس عذاب کے نازل کرانے میں تم جلدی کر رہے ہو اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان کب کا معاملہ چُک گیا ہوتا اور اللہ تو ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ غیب کی کنجیاں تو اس کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اس کو بھی جانتا ہے جو درخت سے پتہ زمین پر گرتا ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ کہیں ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے اور کوئی خشک و تر ایسا نہیں جو کتابِ مُبین کے اندر نہ ہو۔

کفار طنزاً کہا کرتے تھے کہ تمہارے رسول ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو لوگ تمہاری نبوت کا انکار کرتے ہیں ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔ ان کے عیش و آرام میں خلل پڑ جاتا۔ آسمان سے آگ آتی اور انہیں جلا کر خاک کر دیتی یا زمین شق ہو جاتی اور اس میں دھنس جاتے لیکن ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جو تمہارے ماننے والے ہیں وہ تو طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا ہیں۔ نہ پیٹ کو ٹکڑا ہے نہ تن کو کپڑا، ذلیل و خوار پھر رہے ہیں اور جو تمہارے مخالف ہیں وہ دندناتے پھرتے ہیں، مزہ سے کھا رہے ہیں اور پہن رہے ہیں۔ ان کو یہ جواب دیا جا رہا ہے کہ جلدی وہ کرے جس کو دشمن کے ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ ہو تم تو ہر وقت قدرت کی گرفت میں ہو نکل کر جاؤ گے کہاں۔ جب اس کی مصلحت ہوگی عذاب نازل کر دے گا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری شرک پرستی اور کفر نوازی کی اللہ کو خبر نہیں وہ تو ہر بات کا جاننے والا ہے اور کتابِ مُبین میں ایک ایک بات لکھی ہوئی ہے۔ وقت آ رہا ہے کہ تمہیں اپنے کرتوتوں کی سزا مل کر رہے گی۔

ہر رطب و یابس کتابِ مُبین میں ہے اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے یہ مُراد ہے کہ ہر وہ بات جو نیک کہی جاسکتی ہے اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ بعض نے کہا ہے اخلاقی۔ معاشرتی۔ تمدنی۔ سیاسی۔ اخروی جتنی باتیں اصلاح کے لیے ضروری ہیں وُہ سب قرآن کے اندر بیان کی گئی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ کائنات کے اندر جو جو چیزیں خدا نے خلق کی ہیں ان سب کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً یا اشارةً، واسطہ یا بلاواسطہ قرآن کے اندر موجود ہے بعض نے کہا ہے کہ نظامِ حیاتِ انسانی کے لیے جتنی چیزیں مُضر و نافع ہیں ان سب کو سمجھا دیا گیا ہے۔

غیب کا عالِم بالذات پروردگارِ عالَم ہے لیکن خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں کو بھی غیب کی باتیں بتا دی ہیں جن کو وہ مطابق وحی اپنے اپنے موقع پر بیان کرتے ہیں۔ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کی ذات میں علمِ غیب داخل تھا یعنی بالذات علم تو خدا کے لیے ہے لیکن داخلِ ذات رسولؐ کے لیے تھا یعنی جب خدا نے ان کو خلق فرمایا تو علمِ غیب بھی ان کو عطا کر دیا۔ بعض کہتے ہیں سوائے خدا کے کوئی عالم الغیب نہیں۔ حضرت رسولِ خداؐ جو پیش گوئیاں کرتے تھے وہ وحی کی تعلیم کی بنا پر کرتے تھے یعنی جب خدا کی طرف سے کسی پیش گوئی کا علم دیا جاتا تب بیان کرتے تھے۔ یہ علم داخلِ ذات نہ تھا۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّىٰكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُم مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾

ع ۱۴

اللہ وہی ہے جو رات کو بحالتِ خواب تمہاری رُوحیں قبض کر لیتا ہے اور دن کو جو کچھ کرتے ہو اُسے جانتا

ہے پھر دوسرے روز تمہیں اُٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ زندگی کی میعاد پوری کی جائے پھر تم کو اُسی کی طرف لَوٹنا ہے تب جو کچھ دُنیا میں کرتے تھے تمہیں بتا دے گا، وہ اپنے بندوں پر پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) مقرر کر کے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے فرستادہ فرشتے اُسے (دُنیا سے) اُٹھا لیتے ہیں اور وہ (ہمارے حکم کی تعمیل میں) کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب کے سب اپنے سچے مالک خدا کی طرف بُلائے جاتے ہیں، آگاہ ہو کہ فیصلے کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں اور وُہ سب سے زیادہ حساب لینے والا ہے۔ تم ان کافروں سے پُوچھو کہ خشکی و تری کے اندھیروں میں خطروں سے تمہیں کون بچاتا ہے اور کون ہے جس سے تم گڑگڑا کر اور چُپکے چُپکے دُعائیں مانگتے ہو اور کس سے کہتے ہو کہ اگر تُو نے بچا لیا تو ہم تیرے شُکر گزار بندے بن کر رہیں گے۔ کہدو اللہ تم کو اُس سے اور ہر بلا سے نجات دیتا ہے مگر افسوس تم اس پر بھی دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو۔

اللہ نے تمام انسانوں پر اپنے فرشتے نگہبان مقرر کر دیے ہیں جو ان کی ایک ایک بات کو نظر میں رکھتے ہیں۔ جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ملک الموت اس کی جان لینے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہیں کرتے۔ کس قدر لغو ہے یہ روایت کہ جب حضرت موسیٰؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو ملک الموت نے حاضر ہو کر قبض رُوح کی اجازت چاہی۔ انھوں نے کہا اس وقت نہیں پھر کبھی آنا۔ فرشتہ نے کہا خدا کا جو حکم ہے میں اس کے بجا لانے پر مجبور ہوں۔ موسیٰؑ کو غصہ آیا تو ایک طمانچہ اس کے رسید کیا جس سے اس کی آنکھ پھُوٹ گئی۔ کانا بن کر خدا کے سامنے گیا اور شکایت کی۔ خدا نے اس کی آنکھ پر اپنا ہاتھ پھیر کر ٹھیک کر دی اور کہا ہمارا یہ بندہ ذرا غصیلا ہے خیر ہم اس کو سمجھا دیں گے۔ استغفراللہ معمولی لوگ بھی جانتے ہیں کہ جب موت کا وقت آتا ہے تو ٹلتا نہیں اور موسیٰؑ تو خدا کے رسول تھے وہ بھلا یہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کہ اب نہیں پھر آنا، پھر طمانچہ مارنا اور فرشتہ کا کانا بن جانا اور خدا کا ہاتھ پھیر کر اس کی آنکھ درست کر دینا ایسی باتیں ہیں جن کو سُن کر تمسخر ٹوپیاں اُچھالتا اور ظرافت تالیاں بجاتی ہے۔

شیطان کے اغوا میں آکر لوگ اس بات کو بھُول گئے ہیں کہ انہیں ایک دن خدا کے سامنے جا کر زندگی بھر کا حساب پیش کرنا ہے۔ جنابِ امیر علیہ السّلام سے کسی نے کہا اکیلا خدا تمام انسانوں کا جن کی تعداد دُہی جاتا ہے جلدی سے حساب کیسے کر لے گا۔ فرمایا، جیسے وہ سب کو وقت پر روزی دیتا ہے۔

لوگ جب مصیبتوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس وقت خدا یاد آتا ہے اور رو رو کر گڑگڑا کر اس سے دُعائیں مانگنے لگتے ہیں لیکن جب نجات ملتی ہے تو پھر اس کا نام نہیں لیتے۔ اس کا شکریہ تک ادا نہیں کرتے۔ اور شکر کا سجدہ کرتے ہیں تو انہی بتوں کے سامنے جا کر جن کو ان کے معاملات کے بنانے سنوارنے میں کوئی دخل نہیں۔ ایسے لوگوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑے ہیں کہ روزی کھائیں خدا کی اور عبادت کریں بتوں کی مصیبت سے نجات دے وہ اور سجدہ کریں

بُتوں کے سامنے ۔ ضروریاتِ زندگی فراہم کرے وہ اور شکر گزار ہوں بتوں کے۔ بات یہ ہے کہ شیطان کا بھوت ان کے سروں پر سوار ہے، وُہ خدا لگتی بات انہیں سوچنے ہی نہیں دیتا اور ہر معاملہ میں ایسی جادُو کی چھڑی اُن پر گھماتا ہے کہ خدا سے بندوں کا تعلّق قطع ہو جاتا ہے۔ انبیاؑ و مرسلین علیہم السّلام اس کی روک تھام کے لیے برابر آتے رہے، سمجھاتے رہے۔ نیکی و بدی دونوں کے راستے دکھاتے رہے۔ مگر جن پر شقاوت سوار ہو وہ بھلا کان لگا کر ان کی بات کہاں سُننے والے تھے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾

اے رسول کہدو خدا اس پر اچھی طرح قابُو رکھتا ہے کہ اپنے عذاب کو چاہے تمہارے سروں کے اوپر سے نازل کرے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا تمہارے ایک گروہ کو دُوسرے سے ٹکرا دے اور تم میں کچھ لوگوں کو دُوسرے لوگوں سے لڑنے کا مزہ چکھا دے ۔ دیکھو ہم کس طرح اپنی آیتوں کو اُلٹ پلٹ کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں۔ تمہاری قوم نے باوجود اس قرآن کے برحق ہونے کے جُھٹلایا۔ کہدو کہ میں تم پر کوئی نگہبان تو ہوں نہیں ۔ ہر چیز کے پُورا ہونے کا ایک وقت ہوتا ہے اور عنقریب ہی تم جان لوگے، جو لوگ ہماری آیات کے بارہ میں کج بحثی کر رہے ہیں (خواہ مخواہ کے اعتراض کر رہے ہیں) تم ان کے پاس سے ٹل جاؤ تاکہ وہ لوگ کسی اور معاملہ میں بحث کرنے لگیں اگر شیطان ہمارا حکم تمہیں بُھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس ہرگز نہ بیٹھنا۔

عذاب کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں، کبھی اُوپر سے آتا تھا جیسے بجلی گرنا، پتھر برسنا، آندھی آنا۔ کبھی نیچے

آتا تھا جیسے زمین میں دھنس جانا، کبھی آپس میں کشت و خون ہوتا تھا۔

دوسری بات خاص طور سے یہ بتائی گئی ہے کہ اگر مشرکین کسی جلسہ میں قرآن کا مذاق اُڑا رہے ہوں، بے بنیاد اعتراض کر رہے ہوں تو وہاں سے اُٹھ آنا چاہیئے تاکہ وہ کچھ اور باتیں کرنے لگیں۔ اگر بیٹھے رہو گے تو تمہیں چھیڑنے اور دل گرفتہ کرنے کے لیے وُہ اس ذکر کو جاری رکھیں گے ۔ دوسرے تم کو نہ چاہیئے کہ اس صحبتِ بد کا کسی مسلمان پر خراب اثر پڑے اور وُہ راہِ حق سے بھٹک جائے ۔ تیسری بات یہ ہے کہ رسولؐ کو نسیان سے نسبت دی گئی ہے (استغفراللہ) بعض مفسّرین نے اس سے اور اس قسم کی دوسری آیات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ رسولؐ کو سہو و نسیان عارض ہوتا تھا ۔ لیکن ہمارے عقیدہ کی رُو سے یہ سراسر غلط ہے۔ نسیان ایک دماغی بیماری ہے یا شیطانی تسلّط کا اثر۔ اگر رسوؐل کو یہ عارضہ لاحق ہو تو اس کی تبلیغ ناقص ہو جائے گی۔ اور اس کے بیان سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ ہر شخص کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے رسولؐ کسی آیت کا کچھ حصّہ بھُول گئے ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ

جہاں جہاں رسولؐ کو نسیان سے نسبت دی گئی ہے وہ اُمّت سے متعلق ہے رسوؐل کی ذات سے نہیں۔ ورنہ رسوؐل کی ذات میں نقص پیدا ہوگا مثلاً کہیں کہا گیا ہے تم شک کرنے والوں سے نہ ہو جانا۔ اگر رسول ہی کو خدا کے بیان میں شک ہو تو پھر وہ رسول ہی نہ رہے گا۔ یا مثلاً بعض جگہ کہا گیا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو ظالمین میں سے قرار پاؤ گے۔ ایسے مواقع پر بظاہر خطاب رسولؐ سے ہوتا ہے لیکن مراد اُمّت ہوتی ہے ۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

ایسے لوگوں کے حساب کتاب کی ذمّہ داری پرہیزگار لوگوں پر تو ہے نہیں لیکن نصیحتاً انہیں سمجھانا چاہیئے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے انہیں چھوڑ دو لیکن قرآن ان کے سامنے پڑھتے رہو (اللہ کے احکام بیان کرتے رہو)

تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کی غلط کاری کی بنا پر کوئی مبتلائے بلا ہو جائے اور ایسے وقت اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا سرپرست ہو گا نہ سفارشی اور اگر وُہ اپنے گناہ کے بدلے سارا جہان بھی دے دیں تو بھی نہ لیا جائے گا۔ جو لوگ اپنے کیے کی بدولت مبتلائے بلا ہوتے ہیں ان کو (جہنّم میں) کھولتا ہُوا پانی پلایا جائے گا اور کافر ہونے کی سزا میں وُہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ص لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ط قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

اے رسول کہدو کیا میں خدا کو چھوڑ کر ان بُتوں کو پکارنے لگوں جو نہ ہم کو نفع پہنچاتے ہیں نہ نقصان۔ جب خدا ہماری ہدایت کر چکا تو کیا اس شخص کی طرح پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں جسے شیطان نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و پریشان ہو اور اس کے ساتھی اُسے پکار کر کہہ رہے ہوں ادھر آ سیدھی راہ یہی ہے۔ تم کہہ دو کہ ہدایت بس اللہ ہی کی ہدایت ہے اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم سارے جہان کے پروردگار کے فرمانبردار بنے رہیں۔

کفار و مشرکین حضرتؐ کی خدمت میں آ کر کہتے تھے آپؐ نے خواہ مخواہ قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ ہم کیسے آپؐ کے اس خدا کو مان لیں جسے آج تک نہ آنکھ سے دیکھا نہ ہاتھوں سے چھوا ہو۔ آپؐ ہمارے بُتوں کو کیوں نہیں مانتے جن کی عبادت صدیوں سے ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ خدا کہتا ہے اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ تم مجھ سے ایسی ناکارہ چیزوں کی عبادت کرنے کو کہتے ہو جو کسی مصرف کے نہیں۔ یہ کم بخت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ کیا میں بھی اُن لوگوں جیسا بن جاؤں جنہیں شیطان نے بہکا کر کہیں کا نہیں رکھا، خدا سے ان کا تعلق نہ رہا، بُتوں سے اُن کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ تم نے غلط راستہ اختیار کیا ہے۔ صحیح راستہ وہی ہے جس کی ہدایت خدا نے کی ہے ہم تو اُسی کے فرمانبردار ہیں۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ط وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۵ قَوْلُهُ الْحَقُّ ط وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ط عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور یہ بھی حکم ہُوا ہے کہ پابندی سے نماز پڑھا کرو اور اُس سے ڈرتے رہو۔ وُہ وہی خدا ہے جس کے حضور میں تم سب کے سب حاضر کیے جاؤ گے اور وہی وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور جس دن کسی چیز کو کہتا ہے ہو جا بس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اس کا قول سچا ہے اور جس دن صُور پھُونکا جائے گا اس دن خاص اُسی کی حکومت ہو گی وہی حاضر و غائب سب کا جاننے والا ہے اور وُہ دانا و واقف کار ہے۔

خدا نے اپنے بندوں کی ہدایت کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا باوجود اتنی صریحی وضاحت کے بھی جو لوگ اُسے نہیں مانتے اور مختلف قسم کے بیہودہ اعتراضات کیے چلے جاتے ہیں ان کی سزا جہنّم کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایک شامی مشرک حضورؐ سے بحث کرنے کے لیے آیا اور کہنے لگا آپؐ جس خدا کی طرف خلق اللہ کو بُلا رہے ہیں اس کو نہ کسی نے دیکھا ہے نہ کوئی کام کرتے پایا ہے تو کیسے سمجھا جائے کہ یہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ اسی کا بنایا ہُوا ہے جس کو آپؐ خدا کہتے ہیں۔ فرمایا اگر اس نے نہیں بنایا تو بتاؤ کس نے بنایا ہے۔ اُس نے کہا مادہ نے ہر شے کو بنایا ہے ایک چیز دوسرے کو بناتی چلی گئی ہے۔ فرمایا اگر چیزیں بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود بن جاتیں تو جس مکان میں تُو رہتا ہے کیا وہ خود بخود بن کر کھڑا ہو گیا ہے، کیا یہ لباس جسے تُو پہنے ہُوئے ہے خود بخود سِل کر تیرے بدن پر آ گیا ہے۔ کیا تیرا مکان کسی بنانے والے نے اور تیرا لباس کسی سینے والے نے نہیں سیا۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ دُنیا کا اتنا بڑا کارخانہ بغیر کسی بنانے والے کے کیسے بن گیا۔ یہ سُن کر وُہ خاموش ہو گیا۔ فرمایا اے شامی یہ سمجھ لے کہ اگر وہ دکھائی دیتا تو پھر ہم ہی جیسا آدمی نہ ہو جاتا۔ جو چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں وہ اس کی مخلوق ہیں خالق نہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ج اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ (آذر) سے کہا کیا تم بتوں کو اپنا خدا بنائے ہوئے ہو میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں (جس طرح ہم نے ابراہیم کو دکھایا تھا کہ بت قابل پرستش نہیں) اسی طرح ہم ابراہیم کو سارے آسمان و زمین کے انتظام دکھاتے رہے تاکہ وہ ہماری وحدانیت کا یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں جب اُن پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ کو دیکھا۔ کہنے لگے کیا یہ میرا رب ہے؟ جب وہ چھپ گیا تو وہ کہنے لگے، میں تو غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا دیکھا تو بولے کیا یہ میرا رب ہے جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہ قوم میں سے ہو جاتا۔ پھر جب سورج چمکتا دیکھا تو کہنے لگے، کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اے قوم جن چیزوں کو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو میں ان سے بری ہوں کسی کو خدا نہیں مانتا۔ میں نے تو اپنا منہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر اس ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں

دین اسلام ملت ابراہیمی کہلاتا ہے۔ آپ کو شجرۃ الانبیاء اس لیے کہتے ہیں کہ زیادہ تر انبیاء آپ ہی کی نسل سے ہوئے حضرت نوحؑ کے بعد یہ دوسرے رسول ہیں جو صاحب شریعت ہوئے۔ آپؑ پر برابر صحیفے نازل ہوتے رہے مستقل کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ آپؑ کی قوم میں آپؑ کے سوا کوئی خدا پرست نہ تھا۔ ساری قوم گروہوں میں تقسیم تھی۔ ایک وہ گروہ تھا جو بت پرستی کرتا تھا۔ ان کا سربراہ و رئیس یا گرو گھنٹال آپؑ کا چچا آذر تھا۔ دوسرا وہ گروہ تھا جو ستارہ پرست تھا اُن کا عقیدہ تھا کہ دنیا کی تمام مخلوق کے بنانے بگاڑنے میں ستاروں کو پورا پورا دخل ہے۔ انہوں نے ہر ستارہ کا ایک مندر

بنایا تھا اور اس میں جا کر پوجا پاٹ کرتے تھے۔ تیسرا گروہ شخصیت پرستوں کا تھا جو نمرود کو خدا مانتے تھے۔ نمرود تھا تو بت پرست مگر فرعون کی طرح اپنے کو خلق اللہ کا پالنے والا سمجھتا تھا، خدا کا قائل نہ تھا، احمق لوگ اس کی سلطنت کی وسعت اور اس کا جاہ و جلال دیکھ کر اُسے خدا سمجھنے لگے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کو ان تینوں محاذوں پر ان مشرکین سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ خیال غلط ہے کہ وہ آذر کے بیٹے تھے۔ خدا نے کبھی کسی ایسے شخص کو اپنا رسول نہیں بنایا جس کی خلقت شرک کے نجس نطفہ سے ہوئی ہو۔ یہ خدا کی رسالت کی توہین ہے کہ ایک کافر کے بچہ کو یہ عہدہ دیا جائے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ ہر جگہ عرف عام میں چچا کو باپ بھی سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی یہ دستور ہے کہ بچے چچا کو چھوٹے ابا کہتے ہیں۔ حضرتؑ کے والد کا نام "تارخ" تھا جو حضرت ابراہیمؑ کی ولادت سے پہلے مر گئے تھے۔ چونکہ آذر نے بحیثیت چچا ہونے کے آپؑ کی پرورش کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو دیکھا تک نہ تھا لہٰذا اس چچا کو ہی باپ کہتے تھے۔ اسی بنا پر قرآن نے یَاۤ اَبَتِ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

آذر کافر ہی نہ تھا بلکہ کافر گر تھا۔ اس کے یہاں بت سازی کی فیکٹری تھی۔ وہ بت پرستوں کا سردار تھا۔ نمرود کے متعلق نجومیوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ایک بچہ عنقریب ایسا پیدا ہونے والا ہے جو تیری خدائی کو باطل کرنے والا اور تجھے ہلاک کرنے والا ہوگا۔ چنانچہ یہ سن کر اس نے حاملہ عورتوں پر پہرہ بٹھایا اور مردوں کا عورتوں کے پاس جانا جرم قرار دیا مگر حضرت ابراہیمؑ کا حمل بقدرت خدا اس پر ظاہر نہ ہوا۔ جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو آپؑ کی والدہ نمرود کے خوف سے ایک غار میں چلی گئیں۔ وہیں آپؑ کی ولادت ہوئی۔ خدا کی قدرت دیکھو ان کے انگوٹھے سے دودھ کا چشمہ پھوٹ نکلا اس کو چوس چوس کر انہوں نے پرورش پائی۔ جب ذرا سیانے ہوئے تو ان کو گھر لے آئیں اور آذر کی سرپرستی میں آپؑ کی پرورش ہونے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے صغر سنی ہی میں ان کو صاحب عقل و فہم بنا دیا تھا۔ آذر سمجھتا تھا کہ وہ اس کے دین پر ہیں لیکن اس روز اُسے حیرت ہو گئی جب انھوں نے آذر سے کہا آپ اور آپ کی ساری قوم بت پرستی کر کے کھلی گمراہی میں ہے۔ اُس نے پہلے تو آپؑ پر سختی کی لیکن جب دیکھا کہ وہ اپنے عقیدہ سے نہیں ہٹتے تو اُن کو دشمن کی نظر سے دیکھنے لگا۔ ایک دن اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا تم میری مدد اتنی تو کرو کہ ان بتوں کو شہر میں گھوم پھر کر بیچ لایا کرو۔ فرمایا، ہاں یہ کام میں کر سکتا ہوں۔ آپؑ نے چھوٹے چھوٹے بت تو جیب میں رکھے اور اوسط قد والے بت رسی میں باندھ کر ہاتھ میں لٹکا لیے۔ ایک بڑے بت کے پیر میں رسی باندھ کر اسے کھینچتے ہوئے لے چلے اور کہتے جاتے تھے "لے لو ایسے ناکارہ خداؤں کو جو نہ بولتے ہیں نہ چلتے پھرتے ہیں نہ کسی کو رزق کرم کرتے ہیں۔" ان کا یہ کہنا آذر کی قوم کو سخت ناگوار ہوا۔ انھوں نے آذر سے شکایت کی۔ جب ابراہیمؑ آئے تو آذر نے سختی سے باز پرس کی۔ حضرتؑ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے اگر غلط ثابت کر دو تو میں معافی مانگ لوں گا۔ اس نے کہا خیر جو ہو گیا وہ ہو گیا، آئندہ کوئی بت بیچنے کے لیے تمہیں نہیں دیا جائے گا۔ یہ محاذ بہت لمبا ہے جس کا بیان آگے آتا رہے گا۔ دوسرا محاذ ستارہ پرستوں کے مقابل تھا۔

مفسرین کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جس غار میں آپؑ پیدا ہوئے تھے، جب ایک رات اس میں سے نکلے تو اسی رات کو

ستارہ دیکھا اور چاند دیکھا اور پھر سورج دیکھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام رات کھڑے رہے اور جب سورج نکلا تو اس کے رب ہونے سے انکار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک رات کا نہیں بلکہ دو راتوں اور ایک دن کا ہے۔ خدا کہتا ہے جو دلائل ستاروں کی خدائی کے ابطال میں ابراہیمؑ نے پیش کیے وہ ہم نے ان کو بتائے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دلائل ایسے مکمل ہیں کہ ان کی تردید نہ اُس وقت والوں سے ہوئی نہ اس کے بعد کوئی کر سکا۔ حضرت ابراہیمؑ نے صرف ستاروں اور چاند سورج کے طلوع و غروب سے یہ ثابت کیا ہے کہ جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اور حادث وہ ہے جو پہلے نہ ہو اور بعد میں پیدا ہو کر پھر معدوم ہو جائے یعنی قائم بالذات نہ ہو اور حادث کی پہچان یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ ایک حالت پر کبھی نہیں رہتا اور جو تغیر پذیر ہے وہ کسی کے زیر اثر ہوگا۔ یعنی جب تک کوئی فاعل اپنی فاعلی قوت نہ دکھائے دوسرے پر انفعالی حالت طاری نہیں ہو سکتی۔

ستارہ ایک افق سے نکلا تو ضرور کسی قوت نے اس کو نکالا۔ پھر وہ ایک مخصوص رفتار سے فضائے بسیط میں چلنا شروع ہوا۔ معلوم ہوا کوئی طاقت اُسے چلا رہی ہے۔ پھر چلتے چلتے وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ ستارہ کی یہ تمام حرکت اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ وہ کسی کا محکوم ہے اس کو یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی مقام پر ٹھہر کر وہاں جم جائے۔ پس جو کسی دوسری قوت سے مغلوب ہے اور اپنا اختیار کھو بیٹھا ہے ہم اسے قادرِ مطلق خدا نہیں مان سکتے۔ وہ ضرور کسی خالق کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے حکم کا تابع ہے نہ وہ مدار کو بدل سکتا ہے نہ اپنی رفتار کو کم و بیش کر سکتا ہے نہ اپنے مطلع اور مقطع میں کوئی تبدیلی لا سکتا ہے تو پھر خالقِ کائنات کیسے مانا جا سکتا ہے۔ یہی استدلال چاند کے متعلق تھا اور یہی سورج کے متعلق تھا یہ ایک ایسی قوی دلیل تھی کہ ستارہ پرست اُسے توڑ نہ سکے اور بہت سوں کے اعتقادات متزلزل ہو گئے۔ دیکھئے تو صرف ایک ذرا سی دلیل نے کس طرح سب کی خدائی کا ابطال کر دیا۔ کوئی لمبی چوڑی بحث نہیں بہت مختصر سی بات تھی جو سننے والوں کے دل میں گھر کر گئی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں تین جھوٹ بولے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے ستارہ، چاند اور سورج کو هٰذَا رَبِّيْ کہا یعنی یہ میرا رب ہے۔ ایک خدا پرست کے منہ سے ایسی بات نکلنا غلط گوئی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ کہنے والوں کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔ انہوں نے هٰذَا رَبِّيْ بطور استفہامِ انکاری فرمایا تھا یعنی کیا یہ میرا رب ہے؟ جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ میرا رب نہیں ہے جیسا کہ اُن کی بیان کردہ دلیل سے ثابت ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۶/۷۶۔ الانعام)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے آثار اور کائنات کے نظام کو دکھا دیا اور انہوں نے ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ سب حادث ہیں۔

دیکھنے تو ہم بھی روزانہ آثارِ قدرت کو ہیں مگر ہم آنکھیں کھول کر نہیں دیکھتے اس لیے یقین کا درجہ معرفت میں حاصل نہیں ہوتا۔ جناب ابراہیمؑ کو معرفتِ باری تعالیٰ کامل تھی۔ اور خدا کے سوا ہر شے کو حادث جانتے تھے لیکن علم الیقین کے ساتھ عین الیقین بھی چاہتے تھے۔ جب آفتاب و مہتاب اور ستارہ کے نظام پر غور کیا تو عینی ثبوت بھی انہیں دکھایا اور ان کے حدوث پر ایک قوی دلیل ہاتھ آگئی۔ مُردوں کو زندہ کرنے کے متعلق بھی اطمینانِ قلبی کی یہی صورت تھی یعنی یقین کے ساتھ جانتے

تھے کہ خدا مُردوں کو زندہ کرتا ہے لیکن ایک عملی صورت آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ دوسروں سے بیان کر سکیں۔

جناب ابراہیمؑ سلسلۂ انبیاء میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کے نہ ماننے والوں کے مقابل کھڑے ہو کر پرزور دلائل سے اُن کے عقاید باطلہ کا بھانڈا پھوڑا اس کے بعد یہ سلسلۂ دلائل آگے کو بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ نبی آخر الزماںؐ کے زمانہ میں تمام عالم کے ابطال کے لیے دلائل کے ڈھیر لگ گئے۔ یہودی ہوں یا نصرانی، مجوسی ہوں یا دہریے، ہندو ہوں یا بدھ۔ سب کے مقابل قرآن مجید میں ایسے مسکت دلائل بیان کیے گئے کہ کسی سے جواب بن نہ پڑا۔ حضرت علی علیہ السّلام نے بھی قرآن سے اخذ کر کے اپنے خطبات میں اسلام کے مخالفوں کا سر نیچا کرنے کے لیے وہ دلائل بیان فرمائے ہیں کہ جو کسی سے بیان نہ ہو سکے۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

وقف لازم

اور ان کی قوم ان سے جھگڑا کرنے لگی۔ انہوں نے کہا کیا تم مجھ سے خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہو درآنحالیکہ اس نے مجھے ہدایت کی ہے۔ جن لوگوں کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے میں ان سے ذرا نہیں ڈرتا (وہ میرا کچھ نہیں کر سکتے) مگر میرا رب اگر کچھ چاہے تو اور بات ہے۔ میرے رب کا علم تو سب پر حاوی ہے تو کیا تم اس نصیحت کو نہیں مانتے جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے میں ان سے کیوں ڈروں جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کا

شریک ایسوں کو بنالیا ہے جن کے لیے خدا نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی۔ پس اب تم ہی بتاؤ کہ دونوں فریق میں امن قائم رکھنے کا زیادہ حق دار کون ہے۔ اگر تم جانتے ہو (تو مجھے جواب دو)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا انہی لوگوں کے لیے امن و اطمینان ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ وہ دلیلیں ہیں جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم پر غالب آنے کے لیے بتائی ہیں۔ ہم جس کا مرتبہ چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں بے شک تمہارا رب حکمت والا اور علم رکھنے والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے جب ان کی قوم نے کہا کہ تم ہمارے بتوں کو اگر نہیں مانو گے تو ضرور کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس کا جواب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دیا کہ تم کیسی موٹی عقل کے آدمی ہو کہ میں تو تمہارے ان معبودوں سے ڈروں جن کو خدا نے کوئی طاقت اور قوت نہیں دی اور تم اپنے اس رب سے نہیں ڈرتے جو تمام عالموں کا پیدا کرنے والا اور صاحب قدرت ہے۔ پس ذرا مجھے بتاؤ کہ امن کی صورت تمہارے لیے ہے یا میرے لیے۔ یعنی تمہارے رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور میرا رب تمہارے اوپر سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا کہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی قوم منکرِ خدا نہ تھی بلکہ اس نے خدا کی خدائی میں دوسروں کو شریک بنالیا تھا یعنی نقطۂ آخر تو خدا تھا لیکن اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں تھیں جو اس کی خدائی میں شریک ہونے کی وجہ سے لائقِ عبادت و پرستش تھیں یہی عقیدہ ہندوؤں کا ہے کہ بظاہر وہ بھی خدا کے منکر نہیں اس کو نرنکار یعنی ایک الگ تھلگ ذات مانتے ہیں مگر اس کے ساتھ اور مخلوق کو بھی لائقِ پرستش سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ لوگوں کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں اور نظامِ کائنات چلانے میں ان کو بھی دخل ہے۔ اس کے بھی قائل ہیں کہ ان کے دیوی دیوتاؤں کے اندر خدا حلول کیے ہوئے تھا۔ اسی بنا پر وہ رامچندر اور کرشن وغیرہ کو خدا کا اوتار مانتے ہیں اور یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ خدا ان کی صورت میں مجسم ہو کر اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے آیا تھا۔

آگے چل کر خدا نے یہ بھی بتا دیا کہ امن صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا۔ یہاں ظلم کے معنی شرک باللہ ہیں جو سب سے بڑا ظلم ہے، اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان آیت ۱۳) اگر خدا کا شریک کسی صورت میں بھی اس کے غیر کو بنایا جائے گا تو نجات کا راستہ اس پر مسدود ہو جائے گا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵ۙ

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۶ۙ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۸۷ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۸ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ

ہم نے ابراہیم کو اسحاقؑ (جیسا بیٹا) اور یعقوبؑ (جیسا پوتا) عطا کیا اور ہم نے سب کو ہدایت کی اور ان سے پہلے نوحؑ کو ہدایت کی اور انہی ابراہیم کی اولاد میں سے داؤدؑ و سلیمانؑ و ایوبؑ و یوسفؑ و موسیٰؑ و ہارونؑ ہیں۔ (اور) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس (سب کو ہدایت کی) اور یہ سب صالحین میں سے تھے اور اسمٰعیل و الیسع و یونس اور لوطؑ تھے۔ ان سب کو سارے جہان پر فضیلت دی اور صرف انہی کو نہیں بلکہ ان کے آباء و اجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے (بہتیروں کو) فضیلت دی۔ ہم نے انہیں منتخب کیا اور راہِ راست کی طرف ہدایت کی۔ یہ ہے اللہ کی ہدایت اور اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جنہوں نے شرک باللہ کیا ان کا سب کیا کرایا اکارت گیا۔ (جن کا اوپر ذکر ہوا) یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب و حکمت اور نبوّت عطا کی۔ بس اگر یہ لوگ اسے بھی نہ مانیں (تو کچھ پرواہ نہیں) ہم نے تو ان پر ایسے لوگوں کو مقرر کیا ہے جو (ان کی طرح) انکار کرنے والے نہیں۔ یہ پیغمبر وہ لوگ تھے جن کو خدا نے ہدایت کی تھی پس تم بھی اس کی ہدایت کی پیروی کرو۔

خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰؑ کو اولادِ ابراہیمؑ میں شمار کیا ہے حالانکہ اُن کے باپ نہ تھے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ نسبت ماں کی طرف سے ہوتی ہے یعنی نواسے بھی اولاد میں شامل ہوتے ہیں۔ پس کس قدر تعجب ہے ان لوگوں کی عقلوں پر جو حضرات حسنین علیہما السلام کو اولادِ رسولؐ تسلیم نہیں کرتے۔

خدا کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو جو چیزیں دی گئی ہیں وہ مذکورہ آیت میں تین بیان کی گئی ہیں :

- اوّل کتاب جو تمام ہدایتوں کا سرچشمہ ہوتی ہے اور خدائی احکام جس کے اندر ہوتے ہیں۔
- دوسرے حکمت یعنی کتاب میں جو احکام ہوتے ہیں ان کو صحیح طریقہ سے سمجھ کر عمل کرنا۔ اور مسائلِ حیات میں صحیح فیصلہ کرنے کا ملکہ ہونا۔
- تیسرے نبوّت یعنی خدائی ہدایت کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرنا۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ ۹۰ ع وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۹۱

اے رسول ان سے کہو میں تم سے اس رسالت کے متعلق کوئی اُجرت نہیں لینا چاہتا۔ یہ تو سارے جہان کے لیے نصیحت ہے اور بس۔ اور ان لوگوں نے (یہودی) خدا کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی نہ کی کیونکہ ان لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہیں نازل کیا۔ اے رسول تم ان سے پوچھو کہ پھر وہ کتاب جو موسٰی لے کر آئے تھے کس نے نازل کی تھی جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی جسے تم نے الگ الگ کر کے کاغذی اوراق بنا ڈالے۔ اس میں کا کچھ حصہ (جو تمہارے مطلب کا ہے) ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتیں (جو تمہاری خواہشوں کے خلاف ہیں) انہیں چھپائے ہوئے ہو حالانکہ (اسی کتاب کے ذریعہ) تمہیں وہ باتیں سکھائی گئیں جنہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ اے رسول (وہ تو کیا جواب دیں گے) تم ہی کہہ دو کہ خدا نے ہی نازل فرمائی تھی۔ اس کے بعد انہیں چھوڑ دو کہ پڑے جھک مارا کریں۔

مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ رسولؐ نے اپنی رسالت کے اظہار سے کچھ دولت کمانی چاہی ہے۔ بالخصوص یہودی مشرکوں سے

کہا کرتے تھے کہ تمہاری قوم میں جو شخص مدعی رسالت ہے وہ دولت مند بننے کا خواستگار ہے اور مشرکین یہودیوں سے پوچھتے تھے تم اہلِ کتاب ہو کیا اس نبی کے متعلق تمہاری کتابوں میں کوئی ذکر ہے وہ کہتے تھے کہ کسی انسان پر خدا نے کوئی کتاب نہیں نازل کی۔ حالانکہ یہودی توریت کو مانتے تھے مگر ضد بڑی بُری چیز ہے۔ انسان اپنے دشمن کو شکست دینے کے لیے ایک حقیقت سے بھی انکار کر جاتا ہے۔ یہودی ایسا بے بنیاد جواب اس لیے دیتے تھے کہ مشرکوں کی عداوت کو اور زیادہ قوت پہنچے۔ یہودی بڑے چالاک تھے انہوں نے پوری توریت کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے جو باتیں ان کے مقاصد کے خلاف تھیں انہیں نکال ڈالا اور اپنی رائے اور قیاس کے مطابق جو چاہا درج کر دیا۔ رسولؐ سے کہا جا رہا ہے تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو تاکہ یہ اپنی غلط کاریوں کی سزا بھگتیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰي وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۹۲ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۹۳

یہ قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے برکت والا بنا کر نازل کیا اور اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے سامنے موجود ہے اور اس لیے نازل کیا ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے اہلِ مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس (قرآن) پر بے تامل ایمان لاتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی پابندی سے پڑھتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو خدا پر جھوٹا افترا کرے اور کہے میرے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آتی یا جو یہ دعوٰی کرے کہ جیسا

قرآن خدا نے نازل کیا ہے ویسا ہی میں عنقریب نازل کیے دیتا ہوں۔ اے رسول کاش تم دیکھتے کہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں پڑے ہیں اور فرشتے ان کی جان نکالنے کے لیے ہاتھ لپکا رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ اپنی جانیں نکالو آج ہی تو تم کو رسوائی کے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم خدا پر ناحق جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتیں سن کر اکڑا کرتے تھے۔

ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو جھوٹے نبی بنے بیٹھے تھے جیسے مسیلمہ کذاب جو اپنے دل سے جھوٹے فقرے گڑھ کر کہا کرتا تھا کہ میرے اوپر یہ وحی نازل ہوئی ہے۔ یا اسود عنسی کہا کرتا تھا کہ ایک شخص گدھے پر سوار ہو کر روز میرے پاس آیا کرتا ہے اور مجھے تعلیم دیا کرتا ہے۔

دوسرا قصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح جو حضرت عثمانؓ کا دودھ شریک بھائی تھا کاتبانِ وحی میں سے تھا اور کبھی کبھی از رہ شرارت غفور رحیم کی جگہ حکیم علیم لکھ دیا کرتا تھا۔ جب آیہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ (المومنون ٢٣/١٢) نازل ہوئی تو اس کو انسان کی حالت پر سخت تعجب ہوا تو اس کی زبان سے رسولؐ کے فرمانے سے پہلے فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المومنون ٢٣/١٤) نکل گیا آپؐ نے اس سے فرمایا اس کو بھی لکھ لو یہ بھی قرآن و وحی ہے۔ اس نے لکھنے کو تو لکھا مگر شک میں پڑ گیا۔ دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ سچے ہیں کہ ان پر وحی آتی ہے تو مجھ پر بھی آتی ہے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو میں بھی ان کی طرح قرآن بنا سکتا ہوں۔ غرض وہ مردود ہو گیا اور اہلِ کتاب کے پاس جا کر کہنے لگا مجھے محمدؐ کا حال معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اپنے جی سے بنا لیتے ہیں اور وحی کا دعویٰ کرتے ہیں اس ناشائستہ حرکت پر آپؐ نے اسے مدینہ سے نکلوا دیا۔ ہر چند حضرت عثمانؓ نے سفارش کی مگر آپؐ نے مدینہ میں آنے کی اجازت نہ دی۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں یہی شخص مصر کا حاکم ہوا۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾

آخر تم لوگ ہمارے پاس اسی طرح تنہا آؤ گے جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو (مال و اولاد وغیرہ) دیا تھا وہ سب پسِ پشت چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو بھی نہیں دیکھتے ہیں جن کو تم یہ سمجھتے تھے کہ وہ تمہاری پرورش میں ہمارے شریک ہیں۔ تمہارے سب باہمی تعلقات قطع ہو گئے اور جو کچھ تم گمان کیا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ بے شک گٹھلی اور دانہ کو شگافتہ کر کے درخت اگاتا ہے زندہ کو مردے سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ لوگو، یہی تمہارا خدا ہے تم کدھر بہکے جاتے ہو۔

جب حضرت رسولِ خداؐ نے فاطمہ بنت اسد مادر امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی تو آپ نے پوچھا بیٹا فرادیٰ کا کیا مطلب ہے فرمایا، برہنہ۔ حضرت فاطمہؑ نے پوچھا کیا لوگ قیامت میں ننگے محشور ہوں گے۔ فرمایا، ہاں۔ یہ سنتے ہی مارے غیرت کے حضرت فاطمہؑ نے ایک چیخ ماری اور بے اختیار رونے لگیں تو آپؐ نے دعا کی خدا وندا، ان کو قبر سے برہنہ نہ اٹھانا پھر اسی خیال سے حضرتؐ نے ان کو اپنی عبا کا کفن دیا۔

زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالنے کے متعلق مفسرین کے بیان مختلف ہیں:

١۔ کافر سے مومن پیدا کرتا ہے اور مومن سے کافر۔
٢۔ بے جان نطفہ سے جاندار انسان پیدا کرتا ہے اور پھر اس جاندار سے بے جان نطفہ پیدا کرتا ہے۔
٣۔ انڈے سے مرغی کا بچہ پیدا کرتا ہے اور مرغی سے انڈا۔

خدا نے اپنی قدرت کے کمالات جہاں اور بہت سے بتائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی پھل کی سخت گٹھلی یا کسی غلہ کا دانہ زمین میں دبا دیا جاتا ہے تو وہ شگافتہ ہو جاتا ہے اور اس میں سے کونپل پھوٹ نکلتی ہے۔ کیا کیا تصرفات ہونے کے بعد ایسا ہوتا ہے اس کو اہلِ علم سے پوچھیے۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾

پردۂ شب کو چاک کر کے وہی صبح کو نکالتا ہے اُس نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے اور حساب کے لیے چاند اور سورج بنائے ہیں۔ یہ خدائے غالب و دانا کے مقرر کردہ (اصول ہیں) اس نے تمہارے نفع کے لیے ستارے پیدا کیے تاکہ تم جنگلوں اور سمندروں کی تاریکی میں ان سے راستہ معلوم کرو اور واقف کار لوگوں کے لیے ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں نہایت تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔ وہ وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک شخص (آدمؑ) سے پیدا کیا۔ پھر ہر شخص کے قرار کی جگہ (باپ کی پشت) اور سونپنے کی جگہ (رحم مادر) مقرر کی ہے سمجھ دار لوگوں کے لیے ہم نے اپنی نشانیاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے مینہ برسایا پھر ہم نے اُس سے ہر اُگنے والی چیز کے کوے نکالے۔ پھر ہم نے اس سے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں پھر ہم ہی اس سے گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے بور سے نکلتے ہوئے گچھے پیدا کیے اور انگور و زیتون اور انار کے باغات پیدا کیے۔ یہ پھل جو صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مگر مزہ میں جدا جدا ہیں۔ جب یہ درخت پھل لائیں اور پھل پکیں تو ان کی طرف غور کرو، بے شک ان میں ایمانداروں کے لیے قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں (کیسے بدبخت لوگ ہیں) جنہوں نے جنّات کو خدا کا شریک بنایا حالانکہ وہ بھی خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور لوگوں نے بے سوچے سمجھے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گڑھ لیں۔ جو جو باتیں یہ خدا کے لیے بیان کرتے ہیں خدا ان سب سے پاک ہے

یعنی احمق لوگوں نے کائنات کے انتظام میں اور انسان کی بھلی بُری قسمت بنانے میں کچھ اور چیزوں کو بھی شامل کر لیا ہے اور نہ معلوم کتنے دیوی دیوتا خدا کے شریک بنا کھڑے کیے ہیں اور اپنی زندگی ان کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے جاہلیت والے عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور عُزیرؑ اور مسیحؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ یہ سب جہالت کے کرشمے تھے۔ ان توہمات کے طلسم کدوں کو اسلام نے آکر توڑا اور ہزاروں سال کی جہالت کے زنگ کو ان کی مردہ طبیعتوں سے کھُرچا۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۗ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

وہ آسمانوں اور زمین سب کا موجد ہے اس کے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کی بی بی ہی نہیں اور جس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ اللہ ہی تمہارا رب ہے اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہر شے کا وہی پیدا کرنے والا ہے پس اُسی کی عبادت کرو وُہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں (نہ دُنیا میں نہ آخرت میں) وہ ہر ایک نظر کو دیکھنے والا ہے اور وہ بڑا باریک بین اور

خبردار ہے۔ دیکھو تمہارے پاس سوجھانے سمجھانے والی سب چیزیں تمہارے رب کی طرف سے آچکیں پس جو دیکھے اور سمجھے تو اس کا فائدہ اسی کی ذات کو پہنچے گا اور جو آنکھوں پر پٹی باندھ لے تو اس کا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ اور اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں تم پر کوئی نگہبان تو ہوں نہیں (اپنے نفع نقصان کو خود سوچو) اور ہم اپنی آیتیں یوں ہی اُلٹ پھیر کر بیان کیا کرتے ہیں (تاکہ حجت تمام ہو) اور وہ لوگ بھی اقرار کر لیں کہ تم نے قرآن ان کے سامنے پڑھ دیا اور اس لیے بھی کہ جو لوگ جانتے ہیں ان کے لیے خوب واضح کر کے ہم بیان کر دیں۔ جو تم پر وحی کی گئی ہے پس اسی پر چلو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ شرک ہی نہ کرتے ہم نے تم کو ان لوگوں کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو۔

جب خدا نے اس آیت میں صاف طور سے بتا دیا کہ بینائیاں اُسے نہیں دیکھ سکتیں تو پھر دیدارِ خدا کا عقیدہ سراسر باطل ہے۔ دیکھی تو وہی چیز جاتی ہے جو جسم کثیف رکھتی ہو کوئی رنگ رکھتی ہو۔ کسی جگہ پر قائم ہو اور جب خدا ان تمام باتوں سے پاک ہے تو پھر اس کا دیکھنا کیسا؟ آخرت میں بھی یہ دیکھنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ کیا آخرت میں وہ اپنی ہیئت بدل ڈالے گا کیا وہ صاحبِ جسم ہو کر بیٹھے گا، جس کے لیے نہ جسم ہے نہ مکان۔ وہ کسی وقت بھی اس کثافت میں نہیں ہو سکتا۔ وہ جس کا کسی وقت ممکن بن جانا محال ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَاؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

اور یہ مشرکین خدا کو چھوڑ کر جن بُتوں کی عبادت کرتے ہیں انہیں تم بُرا نہ کہو ورنہ یہ لوگ بھی خدا کو بے سمجھے عداوت میں بُرا کہنے لگیں گے۔ یہ لوگ اپنی خواہشاتِ نفسانی کے ایسے پابند ہو گئے ہیں گویا ہم نے خود ہر گروہ کے اعمال بنا سنوار کر اچھے کر دکھائے ہیں اور آخر کار ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے تب جو کچھ دنیا میں کرتے رہے تھے خدا ان کو بتا دے گا۔ ان لوگوں نے خدا کی سخت سے سخت قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئے گا تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے (اے رسول تم کہو) معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم اگر معجزہ آئے گا بھی تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے ہم ان کے دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ دیں گے جس طرح یہ لوگ قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے (اب بھی نہ لائیں گے) اور ہم انہیں سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ سرگرداں رہیں۔

ایک روز کفارِ قریش حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے انبیائے سابقین نے معجزے دکھلائے ہیں۔ موسیٰؑ نے پتھر سے چشمے نکالے، صالحؑ نے پہاڑ سے اونٹنی نکالی۔ عیسیٰؑ نے مُردے زندہ کیے۔ آپؐ بھی کوئی معجزہ دکھائیے۔ حضرتؐ نے فرمایا، تم کیا دیکھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا آپؐ کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیں۔ حضرتؐ نے پوچھا، اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان لے آؤ گے۔ انہوں نے کہا ضرور لے آئیں گے۔ حضرتؐ دُعا کرنا چاہتے تھے کہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور پیغام پہنچایا کہ میں تمہاری دُعا قبول کروں گا اس پہاڑ کو سونا بنا دوں گا مگر یاد رہے کہ یہ لوگ باوجود سخت قسمیں کھانے کے بھی ایمان نہ لائیں گے پھر میں سخت عذاب نازل کر کے ان کو تہس نہس کر دوں گا۔ اب تم جس شق کو چاہو، اختیار کرو۔ آپؐ نے ان کی علت پر غور کر کے درگزر کی۔

خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی ہے کہ اگر مشرکوں سے تمہارا مباحثہ ہو تو جوش میں آکر ان کے معبودوں کو بُرا نہ کہنا کیونکہ اس کے نتائج بہت خراب ہوں گے۔ اوّل یہ کہ وہ عداوت کے جوش میں ترکی بہ ترکی تمہارے رب کو بُرا بھلا کہنے لگیں گے اور اس طرح تم ان کے اس عملِ بد کا باعث قرار پاؤ گے۔ دوسرے جب بات بڑھ جائے گی تو آتشِ عداوت اور تیز ہو جائے گی اور پھر یہ تمہاری بات سننے ہی کے نہیں۔ تیسرے تبلیغ کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں کہ کسی کا کلیجہ نوچ کر یا ڈنڈے مار کر اپنی بات منوائی جائے بلکہ نہایت نرمی۔ بردباری اور خوش خلقی سے بات چیت ہو تو اس کا اثر ہوتا ہے۔

یہ لوگ اپنے اعمالِ بد پر ایسے مگن ہیں کہ یہ سمجھے ہوئے ہیں، خدا ہی اُن سے یہ باتیں کرا رہا ہے اور یہ ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ بدکام کرنے والے یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ خدا ان چیزوں کو پسند کرتا ہے اور گویا وہ خود کرا رہا ہے۔ اگر بُرا جانتے تو ضرور باز آجاتے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اے رسول اگر ہم اُن کے پاس فرشتے نازل کرتے اور اُن سے مُردے بھی کلام کرنے لگتے اور تمام مخفی چیزیں (جیسے جنت ونار وغیرہ) بھی ان کے سامنے موجود کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر جب اللہ چاہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے (اے رسول جس طرح یہ کفار تمہارے دشمن ہیں) گویا ہم نے (خود آزمائش کے لیے) شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے وہ ایک دوسرے کو فریب دینے کے لیے چکنی چپڑی باتوں سے سرگوشی کرتے ہیں اور اگر تمہارا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کر پاتے پس انہیں اور جو افترا پردازی یہ لوگ کرتے ہیں اُسے چھوڑ دو (اور یہ سرگوشیاں اس لیے تھیں کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے دل ان کی شرارت کی طرف مائل ہو جائیں اور انہیں پسند کریں۔ اور جو افترا پردازیاں یہ خود کرتے ہیں وہ بھی کرنے لگیں۔

اس آیت سے کہ "ہم نے انہیں دشمن بنایا" یہ معلوم ہوتا ہے کہ بُرا کام کرانے والا خدا ہے لیکن ایسا نہیں اگر خدا شرارت اور بدی کا پسند کرنے والا ہوتا تو اُسے نہ کوئی کتاب نازل کرنے کی ضرورت تھی نہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ بھیجنے کی۔ بات یہ ہے کہ خدا نے انسان ہوں یا جن یا شیطان سب کو فاعل مختار بنایا ہے وہ کسی بات کے لیے کسی کو مجبور نہیں کرتا لیکن اگر چاہے تو ہر بُرے کام سے روک سکتا ہے لیکن وہ ایسا کرتا نہیں کیونکہ اس سے جبر لازم آتا ہے اور اس کے بندوں کی عقل و فہم کا امتحان نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اُس نے اچھے بُرے دونوں طرح کے کاموں کی قوت خود ہی دی ہے لہٰذا وہ مجازاً بہت سے کاموں کو بحیثیت خالقِ کائنات ہونے کے اپنی طرف نسبت دے لیتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عملِ بد سے راضی بھی ہے۔ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ راضی تو وہ عملِ نیک ہی سے ہوتا ہے۔

خدا کا بڑا نافرمان بندہ جو دوسروں کو بھی نافرمان بنانا چاہتا ہے شیطان ہے خواہ از قسمِ جن ہو یا از قسمِ انس۔ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ میں رکاوٹ ڈالنے والے یہی لوگ ہوتے تھے جو آپس میں مسکوٹ کرتے تھے کہ کس طرح کسی نبی کی تبلیغ کو روکیں۔ خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی کہ ہمارے علم کی بنا پر جو لوگ ایمان لانے والے نہیں اُن کے ایمان لانے کا خیال چھوڑ دو اور اُن کو اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنے دو۔

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۱۷﴾

(اے رسول ان سے کہو کیا تم یہ چاہتے ہو) کہ میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو ثالث تلاش کروں حالانکہ وہ وہی خدا ہے جس نے تمہارے پاس مفصل کتاب نازل کی ہے اور جن لوگوں کو کتاب عطا فرمائی ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق نازل ہوا ہے تو تم کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ سچائی اور انصاف میں تو تمہارے رب کی بات پوری ہو ہی گئی کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور وہی سننے والا واقف کار ہے۔ اے رسول اس دنیا میں تو بہتیرے لوگ ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے کہنے پر چلو تو وہ خدا کی راہ سے تمہیں بھٹکا دیں گے حالانکہ وہ اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ تو صرف اپنے خیالات کی پیروی کرنے والے ہیں۔ خدا ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے ہوئے ہیں۔ اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

خدا نے قرآن مجید میں اپنی ذات و صفات کے متعلق بہت سی تفصیلی آیات بیان کر دیں اور یہ بھی بتا دیا کہ تبلیغ کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے تو اس کے بعد اور کون ایسا تلاش کیا جائے جو اس کے فیصلہ کے سوا کوئی نیا فیصلہ پیش کرے۔ آیت میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اے رسول تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا تو بظاہر مخاطب رسولؐ ہیں لیکن حقیقی مخاطب امت ہے کیونکہ رسولؐ سے تو شک کا تعلق کسی حالت میں ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا نے از رہِ صدق و عدل جو باتیں بیان کی ہیں وہ ایسی حتمی و یقینی ہیں کہ ان کو کوئی بدل ہی نہیں سکتا۔ لوگ جو کچھ قرآن کے متعلق بکواس کرتے ہیں اللہ اُن کی باتوں کو سنتا بھی ہے اور ان کی حالتوں کو جانتا بھی ہے۔ اس دنیا میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی ساری باتیں بے تُک ہیں۔ وہم و گمان نے ان کو چاروں طرف سے چونکہ گھیر لیا ہے اس لیے حقیقت تک ان کی رسائی ہی نہیں۔ ان گمراہوں کو بھی خدا جانتا ہے اور جو ہدایت یافتہ ہیں ان کو بھی۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو جس ذبیحہ پر (وقتِ ذبح) خدا کا نام لیا گیا ہو اُسی کو کھاؤ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جس جانور پر خدا کا نام لیا گیا ہو اُس میں سے نہیں کھاتے حالانکہ جو چیزیں اُس نے تم پر حرام کر دی ہیں وہ تم سے تفصیلاً بیان کر دی ہیں۔ مگر (ہاں) جب مجبور ہوں (تب حرام بھی کھا سکتے ہو)۔ بہت سے لوگوں کا یہ حال ہے کہ بغیر علم کے محض اپنی خواہشوں کی بنا پر گمراہی کی باتیں کرتے ہیں۔ حد سے گزرنے والوں کو تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور ڈھکے چھپے ہوئے گناہوں سے بھی۔ جو لوگ گمراہ کرتے ہیں انہیں

ان کے اعمال کا عنقریب بدلا دیا جائے گا۔ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اُسے نہ کھاؤ کیونکہ ایسا کرنا بدچلنی ہے۔ شیاطین تو اپنے ہوا خواہوں کے دل میں ایسے وسوسے ڈالا ہی کرتے ہیں تاکہ تم سے جھگڑے کیا کریں۔ اگر کہیں تم نے ان کا کہنا مان لیا تو بے شبہ پھر تم بھی مشرک ہو۔

کفارِ مکہ مُردار کھاتے تھے اور جب مسلمان ان کو ٹوکتے تھے تو وہ اُلٹے مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے کہ واہ تم بھی عجیب عقل کے لوگ ہو جسے تم مار ڈالتے ہو اس کو تو کھاتے ہو اور جسے خدا مار ڈالتا ہے اُسے نہیں کھاتے۔ خدا نے اس کی وجہ بیان نہیں کی بس خدا کا حکم ہی کافی ہے۔ لیکن اتنی بات تو ظاہر ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا اس کی دلیل ہے کہ جس مخلوق کا گوشت وہ کھائے گا اس کے پیدا کرنے والے کا نام لینا چاہیئے۔ نیز یہ کہ خدا کا نام لینے سے خدا کی برکت و رحمت اس میں شامل ہو جاتی ہے اور شرک کی نحوست اس سے دُور ہو جاتی ہے۔ چونکہ بُت کسی جانور کے خالق نہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کے نام پر قربانی کی جائے۔ اب رہا اپنی موت مرنے والا جانور تو اس کو اس لیے حرام کر دیا گیا ہے کہ اس کے اندر سے خون جمندہ جو بہت زیادہ گرم ہوتا ہے نہیں نِکل پایا۔ لہٰذا اس گوشت کے کھانے سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اپنی موت مرنے والا عموماً کسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہوتا ہے، فطرتاً طبیعت مردار کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

کیا وہ شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا اور اس کے لیے ایک ایسا نُور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس جیسا ہو سکتا ہے جو ہر طرف سے اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے اور وہاں سے کسی طرح نِکل نہیں سکتا۔ جس طرح مومنوں کے لیے ایمان آراستہ کیا گیا ہے اُسی طرح کافروں کے لیے اُن کے بداعمال آراستہ کر دیئے گئے ہیں کہ ان کو اپنی ہی بات بھلی نظر آتی ہے۔ ہم نے ہر بستی میں ان کے قصور واروں کو سردار بنایا تاکہ ان میں مکّاری کیا کریں اور جو لوگ مکّاری کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں لیکن سمجھتے خاک نہیں۔

یہ آیت حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے بارہ میں ہے نور کی روشنی میں چلنے والے حضرت حمزہؓ ہیں اور تاریکیوں میں چلنے والا ابوجہل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک روز ابوجہل نے حضرت رسولِ خدا کے ساتھ بے ادبی کی۔ حضرت حمزہؓ شکار پر سے لوٹے تو اس کی گستاخی کا حال معلوم ہوا۔ اسی وقت غصہ میں بپھرے ہوئے ابوجہل کے پاس آئے اور اس زور سے اپنی کمان اس کے سر پہ ماری کہ اُس کا سر پھٹ گیا۔ اُسی روز انہوں نے اسلام قبول کیا۔
آنحضورؐ کی تبلیغی سرگرمیوں کا چرچا شہر شہر گاؤں گاؤں تھا قبیلوں کے جو سردار تھے ان کی طرف سے مخالفت کا اظہار ہونے لگا اور وہ غلط بیانیاں کر کے عوام کے جذبات کو آنحضرتؐ کے خلاف بھڑکانے لگے تو اسکا نتیجہ ان ہی کے حق میں بُرا ہوا۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

جب ان کے پاس کوئی آیت آئی تو کہنے لگے ہم تو اُس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ایسی ہی چیز (وحی) جو رسولوں کو دی گئی ہے ہمارے پاس نہ آئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں ان کی مکّاری کی سزا میں خدا کے یہاں اُن کے لیے ذلّت اور سخت عذاب ہے۔ جس کے لیے خدا ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اسلام کے لیے اس کا سینہ کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ وہ گمراہی میں پڑا رہے اس کے سینہ کو تنگ کرتا اور ایسا دباتا ہے کہ اسلام کا تصوّر کرنے میں اُسے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے گویا اس کی رُوح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے خدا اس طرح بُرائی کو اُن پر مسلط کر دیتا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ میں سے بعض نے پوچھا اس کا مطلب کیا ہے۔ فرمایا، جو ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو روشن

منوّر کر دیتا ہے اور کفار کے دل تاریک بنا دیتا ہے۔ کسی نے پُوچھا نورانی قلب کی پہچان کیا ہے۔ فرمایا، ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا، غرور سے کنارہ کش ہونا اور مرنے پر ہر وقت تیار رہنا۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

(اے رسول یا اسلام) تمہارے پروردگار کا بنایا ہوا سیدھا راستہ ہے۔ عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے ہم نے اپنی آیات تفصیل سے بیان کر دی ہیں (ایمان والوں کے لیے) ان کے رب کی طرف سے چین اور آرام کا گھر ہے اور (دُنیا میں) جو نیک عمل انہوں نے کیے ہیں اللہ ان کے بدلہ میں ان کا سرپرست ہوگا۔ (اے رسول، وُہ دن یاد کرو) جب خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا (اور تب ان سے فرمائے گا) اے گروہِ جنّات[1] تم نے تو بہتیرے آدمیوں کو (بہکا بہکا کر) اپنی جماعت بڑی کر لی۔ جو لوگ ان شیاطین کے دوست تھے وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار دنیا میں ہم نے ایک دُوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور اپنے گناہ کی سزا پانے کے لیے جو وقت تُو نے ہمارے لیے معیّن کیا تھا اب ہم اس وقت (قیامت) کو پہنچ گئے۔ خدا جواب میں فرمائے گا تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے مگر جسے خدا چاہے (نجات دے) بے شک تمہارا رب حکمت والا اور واقف کار ہے اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ان کے کرتوتوں کی بدولت سرپرست بنائیں گے۔

---

[1] یہاں جنّات سے مراد شیاطین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی حجت پُوری طرح تمام کی ہے۔ اوّل تو اس نے عقل اور سمجھ دی کہ انسان اپنی بھلائی بُرائی کو سوچے سمجھے پھر اس نے اپنے انبیاءؑ کو بھیجا تاکہ اگر ان کی عقل پر پردہ پڑا ہے تو انبیاءؑ ان کو سمجھائیں مگر جب اُن سے ہدایت حاصل نہ کی اور اپنا شیطانی گروہ بنا کر ایک دُوسرے سے فائدہ حاصل کرنے لگے تو پھر اس کے سوا ان کی سزا اور کیا ہو سکتی تھی کہ اُن سب کو جہنّم میں جھونک دیا جائے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اے گروہِ جنّ و اِنس کیا تم ہی میں سے تمہارے پاس وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سُناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے ہاں آئے تھے ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں۔ دُنیا کی زندگی نے اگرچہ انہیں یہاں دھوکے میں ڈال رکھا ہے مگر (روزِ قیامت) وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ (بے شک) وہ کافر تھے۔ یہ گواہی اس لیے لی جائے گی کہ یہ ثابت ہو جائے کہ تمہارا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کرنے والا نہ تھا اور وہاں کے باشندے غفلت کی زندگی بسر کر رہے تھے (آخرت کے انجام سے بےخبر تھے) ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہے اور جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں تمہارا رب اس سے بے خبر نہیں اور تمہارا رب سب سے بے پرواہ اور رحم والا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو دُنیا سے اُٹھا لے اور تمہارے

بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسے تمہیں اس نے دوسروں کی اولاد سے پیدا کیا۔ جس چیز (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ایک دن ضرور آنے والی ہے اور تم اس کے لانے میں خدا کو عاجز نہیں کر سکتے ۔

اس دنیا کی آسائشوں میں پڑ کر جو لوگ روز قیامت کو بھول گئے ہیں اور اپنی غلط کاریوں میں مبتلا ہیں ان سے پوچھا جائے گا کیا تمہارے پاس ہدایت کے لیے رسول نہیں آئے تھے تاکہ تمہیں آج کے دن کی پرسش سے ڈرائیں۔ وہاں کس کی مجال ہوگی کہ انکار کر دے کہنا پڑے گا کہ آئے تو تھے مگر ہمیں زندگی کے مشاغل نے ان کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا بیشک ہم کافر ہیں۔
جو لوگ خدا پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے بے وجہ قوموں کو ہلاک کیا۔ ان کو اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بستی کے باشندوں کو خدا نے بے جرم و قصور نہیں ہلاک کیا وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ اس لیے ہلاک کیے گئے کہ آخرت سے بالکل بے خبر ہو کر انہوں نے خدا کی نافرمانی پر کمر باندھ لی تھی اور اس کے احکام پر عمل کرنا قطعی چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ خدا ان کی طرف سے غافل ہے لیکن اُن کا خیال غلط تھا وہ کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ وہ تو سب پر رحم کرنے والا ہے لیکن وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق درجہ دینے والا ہے جو جیسا کرے گا ویسا ہی بدلا اس کو دیا جائے گا۔ وہ جس قوم کو تباہ کرتا ہے ان کی جگہ دوسری قوم کو لے آتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اس نے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ تو ایک دن آکر رہے گی اس کے لیے ہر شخص کو تیار رہنا چاہیے۔ وہاں تمام اعمال کا حساب ہوگا اور ضرور ہوگا۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اے رسول تم ان سے کہو کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ پر جو چاہو کرو میں بھی بجائے خود عمل کر رہا ہوں بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ بہشت کس کے لیے ہے تمہارے لیے یا ہمارے لیے، اور (یاد رکھو) ظالم لوگ تو ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ لوگ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی میں اور چوپاؤں میں سے حصّہ قرار دیتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا حصّہ ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے (یعنی جن کو ہم نے خدا بنایا ہے) پھر جو خاص حصّہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا تک نہیں پہنچے گا لیکن جو خدا کا حصّہ ہے وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جائے گا یہ کیا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں اس طرح بہت سے مشرکوں کو اُن کے شریکوں نے اپنے بچّوں کے مار ڈالنے کو اچھا کر دکھایا ہے تاکہ انہیں اَبدی ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے سچّے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ ایسا کام نہ کرتے پس اے رسول تم ان کی افترا پردازیوں کو خدا پر چھوڑ دو۔ (وہ اُن سے بھگت لے گا۔)

ایامِ جاہلیت میں عجیب عجیب رسمیں قوم عرب میں جاری تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ جو حصّہ خیرات کے واسطے نکالتے، اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کھیتوں میں خط کھینچ کر خدا کا اور اپنے بتوں کا حصّہ الگ الگ کر دیتے تھے۔ اس طرح چوپاؤں میں بھی تقسیم کرتے تھے اگر بعد میں معلوم ہوتا کہ خدا کے حصّہ کا جانور موٹا تازہ ہو گیا تو اُسے بدل کر بتوں کے حصّہ کی طرف کر دیتے لیکن بتوں کی پرشاد کی اچھی چیز کو خدا کی طرف نہ بدلتے۔ خدا کے حصّہ سے مہمانوں اور محتاجوں کو کھلاتے تھے اور بتوں کے حصّے خاص بت خانوں کے پجاریوں کے ہوتے تھے۔ اگر اتفاقاً خدا کے حصّہ کی چیز بتوں کے حصّہ میں جا پڑتی تو اُسے نہ اُٹھاتے اور اگر بتوں کے حصّہ کی چیز خدا کے حصّہ میں جا پڑتی تو اسے فوراً اُٹھا لیتے۔ انہی باتوں کی طرف آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔
منجملہ ان اطوارِ بد کے ایک رسم یہ بھی تھی کہ اگر کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تو لوگ اس کو ملامت کرتے اور لڑکی کو نحوست کا نشان بتاتے وہ طعن و طنز کی تاب نہ لا کر یا تو زندہ درگور کر دیتا یا پجاریوں کے بہکانے سے بتوں پر بھینٹ چڑھا دیتا اور اپنے خیال میں اُسے بہت اچھا کام سمجھتا۔
نیاز کے جانور ان لوگوں نے تین قسم کے بنا رکھے تھے ایک تو وہ جنہیں کوئی نہ کھاتا۔ دوسرے وہ جس کی پیٹھ پر نہ تو سواری کرتے اور نہ اس پر بوجھ لادتے۔ تیسرے وہ جنہیں بتوں پر بھینٹ چڑھاتے اور خدا کا نام تک نہ لیتے اور مزہ کی بات یہ ہے کہ ان سب باتوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے یعنی خدا کے بنائے ہوئے احکام جانتے۔
اسلام نے جب ان جاہلانہ رسوم کی مذمت کی تو قبیلوں میں ہیجان پیدا ہوا اور کسی طرح اُن کے انسداد پر راضی نہ ہوئے۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور جنہوں نے ان رسوم کو اپنے حلقوں میں بند کر دیا تھا ان سے ان جاہلوں کو سخت عداوت ہو گئی اور ہر وقت ان کے درپئے آزار رہتے تھے۔ جب ان کی شورش بڑھی تو خدا نے اپنے رسول کو وحی کی کہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر خود ہی ان رسموں سے دست کش ہو جائیں گے ورنہ اپنے

کرتوتوں کی سزا بھگتیں گے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جانور اور کھیت محفوظ ہیں صرف وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں (حالانکہ یہ پابندی اُن کی خود ساختہ ہے) پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور باربرداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں کہ اللہ کا نام لے کر انہیں ذبح نہیں کرتے پھر یہ ڈھکوسلا خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس افترا پردازی کا بدلہ عنقریب ان کو مل جائے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان جانوروں کے پیٹ سے جنہیں ہم نے بُتوں کے نام پر چھوڑا ہے جو بچّہ پیدا ہوگا وہ صرف ہمارے مَردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر مرا ہوا پیدا ہوگا تو اس میں سب شریک ہیں خدا عنقریب ان کو افترا پردازیوں کی سزا دے گا وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے جن لوگوں نے اپنی اولاد کو بے سمجھے بُوجھے بیوقوفی سے مار ڈالا ہے اور جو روزی خدا نے انہیں دی خدا پر بہتان باندھ کر اُسے اپنے اُوپر حرام کر ڈالا ہے وہ سخت گھاٹے میں ہیں وہ یقیناً گمراہ تھے اور ہدایت یافتہ نہ تھے۔

زمانہ جاہلیت کے عرب ملّتِ ابراہیمی سے ہٹتے ہٹتے اِس حد پر آگئے کہ ملّت ابراہیمی کی کوئی چیز ان کے اندر باقی نہ رہی۔ وہ سرتا پا رسومِ بد کے لفافے میں ایسے لپٹے ہوئے تھے کہ ایک قدم اس سے نکلنا اپنے لیے عذاب سمجھتے تھے۔ بُتوں کی محبت ان کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کیے ہوئے تھی کہ وہ خدا سے زیادہ بُتوں کی عزت کرتے تھے چنانچہ جو جانور بُتوں کی

بھینٹ چڑھاتے تھے ان کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام لینا گناہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کا یہی حکم ہے۔ اس طرح جو بچّہ جانور سے پیدا ہوتا اس کا گوشت مَردوں کے لیے تو حلال تھا مگر عورتوں پر حرام اس کو بھی حکم خدا بتاتے تھے۔ اس طرح اولاد کو ذبح کرنا بھی خدا ہی کا حکم جانتے تھے۔ ان کے شیوخ اس من گھڑت شرع کے مفتی تھے۔ انہوں نے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ لڑکیاں چونکہ کمائی نہیں کر سکتیں لہٰذا ان کا پرورش کرنا اپنے لیے تنگ دستی اور محتاجی کو دعوت دینا ہے۔ نیز یہ کہ ان کی جاہلانہ حمیت یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ اپنی لڑکی کسی کے قبضہ میں دے کر اس پر حکومت کروائیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اللہ وہ ہے جس نے بہت سے باغات پیدا کیے جن میں بعض درخت تو ایسے ہیں کہ (انگور کی بیل کی طرح) ٹہنیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ بے چڑھائے رہتے ہیں اور کھجور کے درخت پیدا کیے اور کھیتی (اگائی) جس کے مزے مختلف قسم کے ہیں اور زیتون و انار اگائے جن میں بعض تو (صورت، رنگت اور مزہ میں) ملتے جلتے ہیں اور بعض بے میل ہیں۔ پس جب یہ درخت پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور ان چیزوں کو کاٹنے کے دن خدا کا حق (زکوٰۃ) دے دو اور فضول خرچی نہ کرو اللہ فضول خرچوں کو دوست نہیں رکھتا۔

کھیتی یا پھلوں پر جو زکوٰۃ دی جائے وہ زکوٰۃ واجبی نہیں ہے بلکہ بطور صدقہ و خیرات ہے۔ زکوٰۃ کا وجوب مدینہ میں ہوا ہے اور یہ آیت مکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فصل کاٹتے وقت غریبوں اور محتاجوں کو ضرور کچھ دیا جائے۔

ثابت بن قیسؓ نے ایک سال پانچ سو درخت خرما کے میوے محتاجوں پر تقسیم کر دئے اور اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ رکھا۔ لہٰذا اس سے کہا گیا ہے کہ اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہ کہنا اپنے مقام پر درست ہے کہ لَا اِسْرَافَ فِي الْخَيْرِ۔ (نیکی میں فضول خرچی نہیں ہوتی) لیکن ایک حد کے اندر نہ کہ ایسی صورت میں جیسا کہ ثابت بن قیسؓ نے کیا۔

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا ۚ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٤٢﴾ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ۖ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ
الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ
الْأُنْثَيَيْنِ ۖ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٤٣﴾ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ
الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ
أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾

اللہ نے جو چار پاؤں والے جانور پیدا کیے ہیں ان میں کچھ تو بوجھ اُٹھانے والے چوپائے ہیں۔ کچھ زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قدوالے جانور ہیں۔ خدا نے جو روزی تمہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے خدا نے (نر و مادہ مِلا کر) آٹھ قسم کے جوڑے پیدا کیے ہیں، بھیڑ سے (نر و مادہ) دو، بکری سے (نر و مادہ) دو۔ اے رسول، ان کافروں سے پوچھو کہ خدا نے ان دونوں بھیڑ بکری کے دونوں نروں کو حرام کر دیا ہے یا دونوں مادینوں کو یا ان بچّوں کو جو ان دونوں مادینوں کے پیٹ کے اندر ہیں اگر تم سچے ہو تو ذرا سوچ سمجھ کر بتاؤ اور اونٹ کے (نر و مادہ) دو اور گائے کے (نر و مادہ) دو۔ اے رسول، ان سے پوچھو کہ خدا نے ان دونوں (اونٹ اور گائے کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادینوں کو یا اُن بچّوں کو جو دونوں مادینیں پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ جس وقت خدا نے تم کو اس کا حکم دیا تھا تم اس وقت موجود تھے اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ بہتان باندھے تاکہ لوگوں کو بے سمجھے بُوجھے گمراہ کرے خدا ہرگز ظالم قوم کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

جیساکہ پہلے بیان ہوا، ایّامِ جاہلیت میں عربوں نے حلال جانوروں میں سے جس کو چاہا حلال بنا دیا جس کو چاہا حرام۔ ان کی حماقت ظاہر کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ تو نہایت نامعقول بات ہے کہ ایک ہی جانور کا نر تو حلال ہو اور مادہ حرام۔ یا مادہ حلال ہو اور نر حرام یا جانور خود تو حلال ہو مگر اس کا بچہ حرام ہو، کوئی ذی عقل انسان یہ نہیں مان سکتا کہ خدا نے ایسا حکم دیا ہوگا۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً
أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ
بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِينَ
هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا
إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ
بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ
وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ
اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ

اے رسول تم ان سے کہو میرے پاس جو قرآن وحی کی صورت میں آیا ہے میں اس میں تو کوئی چیز کسی کھانے والے پر جو اس کو کھاتا ہے حرام نہیں پاتا سوائے مردار کے یا خون یا سؤر کا گوشت بے شک یہ ناپاک و حرام ہیں یا وہ جانور جس پر قربانی کے وقت خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی سرکش و نافرمان بندہ نہ ہو۔ اور اضطراری حالت میں (جبکہ بھوک سے مر رہا ہو) کھا لے تو البتہ تیرا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ہم نے یہودیوں پر تمام ناخن دار جانور حرام کر دئے تھے اور گائے اور بکری دونوں کی چربیاں بھی ان پر حرام کر دی تھیں سوائے اس چربی کے جو ان دونوں کی پیٹھ یا آنتوں پر لگی ہو یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو یہ ان کی سرکشی کی سزا تھی تو اس میں شک نہیں ہم ضرور سچے ہیں۔ اے رسول اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں تو تم جواب میں کہو

اگرچہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے مگر اس کا عذاب گنہگار سرکشوں سے ہٹتا نہیں۔ عنقریب مشرکین کہیں گے اگر خدا چاہتا تو نہ ہم لوگ شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اپنے اوپر کوئی چیز حرام کرتے۔

حرام چیزیں اور بھی بہت سی ہیں یہاں خدا نے مردار و خون اور سؤر کے گوشت کا ہی ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے استعمال میں انسانی صحت کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ باقی حرام چیزیں دوسرے مقام پر ذکر کی گئی ہیں۔ ناخن والے جانوروں میں شترمرغ بطخ اور مرغابی پرندوں میں اور اونٹ گھوڑا گدھا چوپاؤں میں داخل ہیں۔ یہودیوں پر جو چیزیں حرام کی گئیں وہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کی سزا تھی، چونکہ وہ کسی چیز کو اپنے اوپر خود ہی حلال کر لیتے تھے اور خود ہی حرام کر لیتے تھے توریت کے احکام کو نظرانداز کر کے اپنی خواہشیں پوری کرتے تھے لہٰذا قدرت نے اس کی سزا میں بہت سی چیزیں جو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں۔ جب وہ مسلمانوں پر اعتراض کرتے کہ تم حرام گوشت کھاتے ہو تو ان سے کہا جاتا توریت کو لاؤ اور ہمارے سامنے پڑھو تب تمہیں معلوم ہوگا کہ تم توریت کے حکم کے خلاف عمل کر رہے ہو۔

مشرکوں کا یہ کہنا ان کی حماقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اپنے اوپر کوئی شے حرام کرتے۔ جب خدا نے سب کچھ بتا دیا سمجھا دیا اپنی کتاب نازل کر کے تمام احکام تفصیل سے بیان کر دیے اپنے انبیاء کو ہدایت کے لیے بھیج دیا پھر یہ کہنا کہ خدا چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے جاہلانہ ہٹ دھرمی ہے۔ ہدایت کا تمام سامان مہیا ہونے کے بعد پھر بھی راہِ راست پر نہ آنا خود اُن کا ہی قصور تھا نہ کہ خدا کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی۔ خدا کسی کو مجبور کر کے مومن بنانا نہیں چاہتا اور نہ ایسے ایمان کی اس کے نزدیک کوئی قدر ہے۔ جب خدا نے تمہیں عقل دی ہے تو اس سے کام کیوں نہیں لیتے۔ اس نے دونوں راستے تم کو دکھا دیے اب تمہیں اختیار ہے چاہے ایمان لاؤ چاہے کفر اختیار کرو۔ لَاۤ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ سے ظاہر ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں کیا جاتا۔ انسان فاعلِ مختار ہے وہ باختیار خود ہر کام کر سکتا ہے۔ ہاں اگر خدا نے وہ چیزیں نہ دی ہوتیں جو ہدایت کرنے والی ہیں تب تو خدا پر الزام عاید ہو سکتا تھا ورنہ ان کا یہ کہنا کہ اگر خدا چاہتا یہ ان کی حماقت کی دلیل ہے۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا

تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٠﴾

جو لوگ اُن سے پہلے تھے وُہ بھی اسی طرح پیغمبروں کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے عذاب کا مزہ چکھ لیا تم اُن سے کہو کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے اگر ہے تو ہمارے لیے اُسے نکالو (تم کیا دلیل پیش کرو گے) تم لوگ تو صرف اپنے وہم و گمان کی پیروی کرتے ہو اور بالکل اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔ اے رسول تم ان سے کہو (تمہارے پاس دلیل کہاں سے آئی) خدا تک پہنچانے والی دلیل تو خدا ہی کے پاس ہے اگر وُہ چاہے تو تم سب کو ہدایت کر دے یہ بھی کہو تم اپنے گواہوں کو یہ گواہی دینے کے لیے بُلاؤ کہ اس چیز کو خدا نے حرام کیا ہے اگر وہ گواہی دے بھی دیں تو اے رسول تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے وہ دوسروں کو خدا کا ہمسر بناتے ہیں۔

مشرکین ہمیشہ سے اس تڑپ میں تھے کہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزیاں کر کے وہ پبلک میں سرخرو رہیں۔ آنحضرتؐ کے اعلانِ رسالت کے بعد جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا اور اُن کے غلط عقیدوں کا بھانڈا پھُوٹا جس سے اُن میں گھبراہٹ پیدا ہوئی تو پوری کوشش کرنے لگے کہ ان کے مَن گھڑت عقاید صحیح ثابت ہوں۔ خدا فرماتا ہے ان سے پہلے ان کے باپ دادا بھی ایسے ہی توہمات میں مبتلا رہے جس کی سزا انہوں نے بھگتی۔ لہٰذا رسُولؐ کو حکم ہوا کہ تم ان سے کہو جو غلط باتیں تم بیان کرتے ہو ذرا توریت میں وہ نکال کر دکھاؤ ایسا کہاں لکھا ہے۔ تمہاری اٹکل پچو باتیں کسی حقیقت کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالٰی نے جو دلائل بیان کیے ہیں وہ حقیقت کو ثابت کرنے والے ہو سکتے ہیں نہ کہ تمہاری خود ساختہ دلیلیں۔ الغرض جب مشرک مسلمانوں پر اپنے دعاوی کے ثبوت اور قرآن پر مہمل اعتراضات میں غالب نہ آسکے تو اب انہوں نے بحث کا رُخ بدل کر یہ کہنا شروع کیا کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم گمراہ ہوتے نہ ہمارے باپ دادا۔ یہ خلافِ عقل بات انہوں نے اس لیے کہی کہ مرضی و مشیت میں جو فرق ہے وہ اس کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ مشیت تو یہ ہے کہ اس نے سب کو فاعل مختار بنا دیا ہے لہٰذا اس کی رُو سے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں وہ ان کو روکتا نہیں کیونکہ اس کی مشیت یہی ہے کہ لوگوں پر جبر ثابت نہ ہو لیکن مرضی اس کی وہی ہے کہ سب راہِ راست پر آجائیں۔ اسی لیے اس نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ اپنے اوامر و نواہی کو ظاہر کر دیا۔ اگر وہ سب کو جبراً مسلمان بنانا چاہتا تو پھر نہ کوئی کتاب نازل کرنے کی ضرورت تھی اور نہ انبیاء و مرسلینؑ کو بھیجنے کی۔ جب اس نے ہدایت کے تمام انتظامات مکمل کر دیے تو پھر جیسا کوئی کرے گا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ مشیت کے معنی ارادہ کے ہیں۔ بے شک اگر وہ ارادہ کرتا کہ سب کے سب راہِ راست پر آجائیں تو اسے کون روک سکتا تھا مگر اس نے ایسا ارادہ کیا ہی نہیں بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اپنے ارادہ و اختیار سے اچھی یا بُری راہ اختیار

کرے یہی اس کی مرضی ہے یعنی اس کے خلاف جو لوگ کوئی عمل کرتے ہیں وہ اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے افعال سے اس کی مشیت متعلق نہیں کیونکہ انسان کو نیک و بد کرنے کا اس نے اختیار دیا ہے۔

مشرکوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم نے بطور خود جو چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی ہیں مثلاً اونٹ وغیرہ کا گوشت، تو یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ خدا کا حکم ہے گواہ لاؤ۔ اور رسولؐ کو ہدایت کی گئی کہ اگر یہ جھوٹے گواہ بنا لائیں تو تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور ان کی گواہی میں شریک نہ ہونا کیونکہ یہ ہماری آیات کو جھٹلانے والے اور اللہ کا شریک دوسروں کو بنانے والے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے رسول تم ان مشرکوں سے کہو آؤ جو چیزیں تم پر خدا نے حرام کی ہیں میں بتاؤں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ بناؤ اور اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو تم کو اور ان کو رزق دینے والے تو ہم ہیں اور ظاہری یا باطنی کسی بدکاری کے قریب نہ جاؤ اور کسی نفس کو جس کا قتل خدا نے حرام کیا

ہے نہ مار ڈالنا مگر کسی حق کے عوض۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم لوگ سمجھو اور مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ بلکہ اس طریقہ سے صرف کرو کہ اُن کے حق میں بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی حد کو پہنچ جائیں اور انصاف کے ساتھ ناپ تول پوری کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب بات کرو تو انصاف سے کرو اگرچہ وہ شخص (جس کے خلاف کہو) تمہارا عزیز ہی کیوں نہ ہو اور جو عہد و پیمان خدا سے کیا ہے اُسے پورا کرو۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کرو یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ، دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں خدا کے راستے سے بھٹکا کر منتفرق کر دیں گے یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ناپ تول میں انصاف سے کام لو تو لوگوں نے رسولؐ سے کہا حضورؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بال برابر فرق نہ ہو کچھ کمی زیادتی ہو ہی جاتی ہے تو اس کے جواب میں خدا فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ ۲۸٦) "اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا حکم نہیں دیتا" یعنی حتی الامکان یہ کوشش کی جائے کہ تولنے اور ناپنے میں کوئی کمی کی صورت نہ ہو اگر وہ نادانستہ ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

خدا کا سیدھا راستہ تو وہی ہے جس کو اپنے رسولؐ برحق کے ذریعہ بتا دیا ہے اور رسولؐ نے ان الفاظ میں اس کا اعلان کیا ہے اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَبَيْتِيْ اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ وَاِنَّهُمَا لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ (لوگو میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب ہے دوسرے میری عترت میرے اہلِ بیت ہیں جب تک تم ان سے تمسک رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں جب تک حوضِ کوثر پر میرے پاس نہ آ جائیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔

ہر مسلمان کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ جب خدا ایک ہے اور اس کا دین (اسلام) ایک ہے تو پھر ایک دین میں تہتر فرقے کیوں بن گئے قرآن تو اختلاف مٹانے کے لیے آیا ہے نہ کہ اختلاف پیدا کرنے کے لیے۔ پھر یہ اختلاف پیدا کس نے کیا۔ کیا رسولؐ اللہ یہ چاہتے تھے کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے ہرگز ایسا نہیں۔ تو یہ ماننا پڑے گا کہ حضورؐ کو اس کا یقین تھا کہ میرے بعد میری اُمت گمراہ ہو جائے گی اور اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے پس اس صورت میں حضورؐ پہ لازم تھا کہ اُمّت کو گمراہی سے بچانے کے لیے کوئی بندوبست کریں۔ چنانچہ حدیث ثقلین کی رُو سے اس کا مکمل بندوبست کر دیا یعنی اُمت کو اس طرف توجہ دلائی کہ تمہیں گمراہی سے بچانے والی دو چیزیں ہیں، اوّل کتاب خدا جس میں تمام احکام الٰہی درج ہیں۔ دوسرے میرے اہلبیت جو کتاب خدا کا صحیح مفہوم سمجھانے والے اور صحیح راہِ عمل بتانے والے ہیں۔ جب اُمت نے اہلبیت کا دامن چھوڑ دیا اور صرف قرآن سے علم و عمل دونوں کو لینا چاہا تو ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ جس فرقہ نے جیسا چاہا آیاتِ قرآنی کا مطلب اپنی عقل کے مطابق سمجھ لیا اور اپنی قیاس و رائے کے مطابق جیسا چاہا عمل اختیار کر لیا، جس سے اعتقاد و عمل دونوں میں بکثرت اختلافات پیدا ہو گئے۔ ہر فرقہ کہتا ہے ہم حق پر ہیں لیکن کسی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ باوجود اختلاف کے جو اصول و فروع

دونوں ہیں ہیں سبھی سب کیسے حق پر ہو سکتے ہیں۔ حق پر تو صرف ایک ہی فرقہ ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا تشخص و تعین کون کرے کہ کون سا فرقہ حق پر ہے تو رسولؐ نے بتا دیا کہ میرے اہلبیتؑ کی پیروی کرنے والا ناجی ہوگا اور عقل بھی یہی بتاتی ہے۔ کہ قابلِ اطمینان پیروی معصوم ہی کی ہو سکتی ہے نہ کہ غیر معصوم کی۔ کیونکہ غیر معصوم سے بہک جانے کا اندیشہ ہر حالت میں باقی رہتا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ نے امت کو یہ حق نہیں دیا کہ تم جسے چاہو ہدایت کا ذمہ دار بنا لو اور اس کے کہنے کے مطابق راہِ عمل درست کرو۔

صرف ایمان باعثِ نجات نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو اور عمل صالح کے لیے ضرورت ہے کہ معصوم کا نمونہ عمل سامنے ہو۔ اور معصوم امت میں سوائے اہلبیتِ رسولؐ اور کوئی نہیں۔ پس صراطِ مستقیم پر وہی سمجھا جائے گا جو عقاید و عمل میں ان کی پیروی کرنے والا ہوگا۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾

ع ۱۹

پھر ہم نے نیکی کرنے والے پر اپنی نعمت پوری کرنے کے واسطے موسیٰ کو کتاب (توریت) عطا فرمائی جس میں ہر شے کو مفصل بیان کر دیا ہے اور جو لوگوں کے لیے سر تا پا ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا یقین کریں اور یہ کتاب (قرآن) جس کو ہم نے اب نازل کیا ہے برکت والی کتاب ہے پس تم لوگ اس کی پیروی کرو اور اس سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (اور اے مشرکو!) ہم نے یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ تم کہیں یہ نہ کہہ بیٹھو ہم سے پہلے تو کتابِ خدا دو ہی گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر نازل ہوئی تھی اگرچہ ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے۔

یہودیوں اور نصرانیوں پر یہ امر شاق تھا کہ قرآن، توریت و انجیل کی طرح بنی اسرائیل پر کیوں نہ نازل ہوا اور ان سے ہٹ کر بنی اسمٰعیل پر یہ رحمت کیوں نازل ہو گئی۔ حالانکہ ایسا کہنے والوں نے توریت و انجیل سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا نہ انہیں پڑھتے تھے نہ پڑھاتے تھے بلکہ ان کے علماء جو کچھ بتا دیتے تھے اس پر عمل کرتے تھے ان کا حال بھی ہندوؤں

کا سا تھا کہ ویدوں سے بے تعلق ہو کر صرف ان برہمنوں کے حکم ہی کو سب کچھ سمجھنے لگے جو ویدوں کو اپنی بغل میں دبائے ہوتے تھے اور کسی کو دکھانا اور تعلیم دینا گوارا نہ کرتے تھے۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

یا یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتابِ خدا نازل ہوتی تو ہم ان لوگوں سے کہیں زیادہ راہِ راست پر ہوتے۔ اب تو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (کتابِ خدا) اور ہدایت و رحمت آ چکی (اب کیا تامل ہے) پس جو شخص آیاتِ خدا کو جھٹلائے اور اس سے منہ پھیرے رہے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو لوگ ہماری آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں اس کے بدلہ میں ہم جلد ان کو بڑے عذاب کی سزا دیں گے۔ (اے رسول) کیا یہ لوگ اس کے منتظر بیٹھے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تمہارا رب خود ان کے پاس آئے یا پروردگار کی کچھ نشانیاں آ جائیں (ان بیوقوفوں کو کیسے سمجھایا جائے) حالانکہ تمہارے پروردگار کی جس دن بعض نشانیاں آئیں گی تو جو شخص پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا یا مومن ہونے کی حالت میں کوئی نیک کام نہ کیا ہوگا تو اس وقت اس کا ایمان اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ جب قیامت کے آنے کے آثار ظاہر ہونے لگیں جیسے آفتاب کا مغرب سے نکلنا اور دابۃ الارض

کا ظاہر ہونا یا زمین کا باتیں کرنا وغیرہ تو اس وقت ایمان لانا کسی کے لیے مفید نہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فریق بن گئے تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا معاملہ صرف خدا ہی کے حوالے ہے پس جو کچھ (دنیا میں) وہ نیک یا بد کام کیا کرتے تھے وہ انہیں بتا دے گا۔ جو کوئی نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا ثواب عطا ہوگا اور جو بدی کرے گا اس کو بس اتنی ہی سزا دی جائے گی، اور اُن پر کسی طرح کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ تم ان سے کہو مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھی راہ یعنی ایک مضبوط دین اور ابراہیم کے مذہب کی ہدایت فرمائی ہے جو باطل سے کترا کر چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ اے رسول کہدو کہ میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت بس ربّ العٰلمین خدا ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہوں۔

پہلی آیت یہ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا ہے رسولؐ سے ان کا کوئی سروکار نہیں۔ حضرت موسٰیؑ کی قوم اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی جن میں ستر ناری تھے اور ایک ناجی۔ اس طرح حضرت عیسٰیؑ کی امت میں بہتر فرقے ہوئے جن میں اکہتر ناری تھے اور ایک ناجی۔ حضرتؐ نے فرمایا، میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں ایک ناجی ہوگا باقی ناری۔ اور ناجی کی

پہچان یہ بتا دی کہ وہ قرآن اور اہلبیتؑ کی پیروی کرنے والا ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے "میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے، جو اس پر سوار ہوگیا اس نے نجات پائی اور جو اس سے الگ رہا وہ ڈوب گیا اور ہلاک ہوگیا۔" اور یہ بھی فرمایا، جس طرح ستارے اہلِ آسمان کے لیے باعثِ امان ہیں اسی طرح میرے اہلبیتؑ اہلِ زمین کے لیے باعثِ امان ہیں۔ (ارجح المطالب۔ فلک النجاۃ)

یہودیوں اور نصرانیوں میں جو تفرقہ پڑا محض اس لیے پڑا کہ انہوں نے توریت و انجیل کا مطلب ان لوگوں سے نہ سمجھا جو اُن کے سمجھانے کے لیے خدا کی طرف سے ذمہ دار بنائے گئے تھے۔ یہودیوں نے اپنی نجات احبار یعنی اپنے علماء کے حوالے کر دی اور انہوں نے امراء و سلاطین کی مرضی پر اپنی زبان اور قلم چلانے شروع کر دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علماء نے اپنا اپنا ایک فرقہ علیحدہ بنا لیا۔ یہی صورت اسلام میں پیش آئی جو ہدایت کا مرکز رسول اللہؐ نے بتایا تھا اُسے چھوڑ دیا گیا نتیجہ وہی ہوا جو پہلی امتوں میں ہوا تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ حالانکہ آپؐ سے پہلے بیشمار مسلمان گزر چکے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ عالمِ ذر میں ربوبیّتِ باری تعالیٰ کا سب سے پہلے اقرار کرنے والے سرکارِ دوعالمؐ تھے۔ جیسا کہ آپؐ نے اس کو ایک حدیث میں ظاہر بھی فرمایا ہے اور آپؐ کی رسالت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت علی علیہ السلام تھے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اے رسول تم پوچھو کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب تلاش کروں حالانکہ ہر شے کا پالنے والا وہی ہے جو شخص کوئی برا کام کرتا ہے اس کا وبال اُسی پر ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر جانا ہے پس جن جن باتوں میں تم جھگڑتے ہو اللہ وہ سب تمہیں بتا دے گا وہ وہی خدا ہے جس نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنایا ہے اور تم میں بعض کے درجے بعض پر بلند کیے ہیں تاکہ جو نعمتیں اس نے تم کو دی ہیں ان میں تمہارا امتحان لے خدا بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور بے شک وہ غفور و رحیم ہے

(۷) سُورَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (۳۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ۟ۚ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَاۤءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَاۤءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَاۤئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَاۤءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَاۤئِبِيْنَ ⑦

اس سورہ میں خدا نے اخلاقی اور تمدنی بہت باتیں تعلیم فرمائی ہیں ان میں چند یہ ہیں:
قرآن کا آسمانی کتاب ہونا۔ اس کی متابعت کا حکم۔ میزان کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کی خلقت اور اس کے اخلاقی نتائج۔ بنی آدم کو نصیحت۔ فضول خرچی کی ممانعت۔ قیامت پل بھر آگے پیچھے نہ ہٹے گی۔ کفار کی غیر حالت۔ خدا کی تکلیف قوت سے باہر نہیں ہوتی۔ اہلِ بہشت کی شکر گزاری۔ اَعراف کا ذکر۔ جہنمی لوگوں کی تمنا۔ دُعا کا حکم۔ حضرت نوحؑ کا قصہ۔ حضرت ہودؑ کا قصہ۔ حضرت صالحؑ کا قصہ۔ حضرت لوطؑ کا قصہ۔ اِغلام کی مذمت۔ حضرت شعیبؑ کا قصہ۔ حضرت موسیٰؑ کا قصہ۔ حضرت ہارونؑ کی خلافت۔ عدم رویت خدا، خدا کا تکلم۔ سامری کا قصہ۔ حضرت رسولِ خدا کی مدح و ثنا۔ ازل میں حضرت علیؑ کی ولایت کا حکم۔ بلعم باعور کا قصہ۔ تہتر فرقوں میں ناجی کون ہے۔ خدا کے سوا کسی کو قیامت کی خبر نہیں۔ انسانی فطرت۔ مشرکینِ عرب کی حالتِ زار۔ جماعت کا حکم۔

ـه اَعراف بہشت و دوزخ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔

(اے رسول) یہ کتاب (قرآن) تم پر اس لیے نازل کی گئی ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈراؤ اور ایمانداروں کے لیے نصیحت ہو پس تمہارے دل میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہ پیدا ہو۔ تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے فرضی سرپرستوں کی (معبودوں کی) پیروی نہ کرو تم لوگ تو بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو (کیا تمہیں خبر نہیں) بہتیری بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا۔ ہمارا عذاب (اُن پر) ایسے وقت میں آ پہنچا جبکہ یا تو رات کو سو رہے تھے یا دن میں قیلولہ (لوٹ پوٹ) کر رہے تھے۔ جب ہمارا عذاب اُن پر آ پڑا تو انہیں اس کے سوا اور کچھ کہتے نہ بن پڑا کہ ہم بیشک ظالم تھے ہم تو ضرور ان لوگوں سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف بھیجے گئے تھے اور اُن پیغمبروں سے ہم سوال کریں گے جنہیں ان کی طرف بھیجا تھا۔ پھر ہم ان سے حقیقتِ حال (اپنے علم کی بنا پر دُہرائیں گے) (کیونکہ) ہم ان سے غائب تو نہ تھے (کہ بے خبر رہتے)۔

المص۔ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہیں اس کی تاویل اللہ جانتا ہے یا راسخون فی العلم۔ عام لوگوں کو اس کا مفہوم معلوم کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ بنی امیّہ میں سے ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ المص سے خدا کی کیا مراد ہے اور لوگوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ فرمایا وائے ہو تجھ پر تو خدا کی مصلحتوں کو کیا جانے معمولی بات یہ ہے کہ ان حروف کا اعداد و شمار کر ا/۱ ل/۳۰ م/۴۰ ص/۹۰ یہ سب مل کر ۱۶۱ ہوتے ہیں یہ اشارہ ہے کہ بنی امیّہ کی حکومت ۱۶۱ سال تک ہوگی۔ چنانچہ یہ پیش گوئی سچی نکلی۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

اس روز (قیامت میں) اعمال کا تولا جانا برحق ہے پس جن کا پلہ بھاری ہوگا وہ مقصد میں کامیاب ہوں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے نفسوں کو خسارہ میں ڈالا ہماری آیات کی نافرمانی کی وجہ سے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

ہم نے تم کو زمین میں قدرت دی اور ہم نے تمہارے لیے اسبابِ زندگی مہیا کیے۔ تم میں بہت ہی کم ہمارے شکر گزار ہیں۔ ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ خدا نے کہا جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ اُس نے کہا میں کیوں سجدہ کروں جبکہ میں اس سے افضل ہوں۔ مجھے تُو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ خدا نے کہا بہشت سے نیچے اُتر، تیری یہ مجال نہیں کہ تُو یہاں تکبّر کرے۔ باہر نکل بے شک تُو ذلیل لوگوں میں سے ہے۔ اُس نے کہا، مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے (کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں) خدا نے فرمایا، جا تجھے مہلت دی گئی۔

ع ۱۰
شیطان کا سجدہ سے انکار

ان آیات میں پہلے خدا نے اپنے اُن احسانات کا ذکر کیا ہے جو نوعِ انسان پر اُس نے کیے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ زمین پر رہنے کی جگہ دی یعنی زمین کو اُس کے لیے ایسا بنایا کہ وہ اس پر رہ سکے نہ زیادہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈی نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم۔ پھر اس کی معاش کے لیے قسم قسم کی چیزیں پیدا کیں طرح طرح کے غلّے اُگائے۔ طرح طرح کے پھل اُگائے پانی بہایا، سبزہ اُگایا۔ غرض بیشمار نعمتیں اسے دیں کہ آرام سے کھائے پیئے۔ لیکن اس پر بھی بہت کم انسان اس کے شکر گزار ہوئے۔ پھر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ مختلف صورتوں کے ساتھ اُسے پیدا کیا۔ پھر اتنا ہی نہیں کیا بلکہ اس کے دادا آدمؑ کو یہ عزت دی کہ ملائکہ کو تعظیمی سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب ملائکہ نے اُسے سجدہ کیا مگر ابلیس ملعون اکڑ گیا۔ اس کی گردن نہ جھکی۔ خدا نے پوچھا، جب میں نے حکم دیا تھا تو تُو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ اس نے اکڑ کر جواب دیا، کیوں کرتا کیا میں اس سے کچھ کم ہوں۔ مجھے تُو نے آگ سے پیدا

کیا ہے اور اسے مٹی سے۔ مٹی کی آگ کے آگے کیا حقیقت ہے۔ سب سے پہلا قیاس کرنے والا یہی ملعون تھا اس کے بعد اس کی تقلید میں تمام دنیا میں حکمِ خدا کے خلاف قیاس کی وبا پھیل گئی۔

بھلا مالک الملک قادرِ مطلق خدا کو اس کی اکڑ تکڑ کیا پسند آتی۔ فرمایا، نکل جا یہاں سے۔ جنت میں رہ کر اور غرور میرے سامنے اور یہ گستاخی۔ ذلیل۔ کمینہ۔ وہ بھی بڑا کائیاں تھا۔ کہنے لگا، میں نے جو ہزاروں سال عبادت کی ہے اس کا صلہ تو مجھے ملنا چاہیے فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے اُس نے کہا، بس یہ مانگتا ہوں کہ قیامت سے پہلے مجھے موت نہ آئے۔ اس وقت تک کی مہلت مجھے دے دے۔ فرمایا، جا میں نے تجھے مہلت دی وقتِ معلوم تک کی۔

شیطان قومِ جنّ سے تھا خلقتِ آدمؑ سے پہلے جب نسناس قوم جو از قسم جنّ تھی روئے زمین پر آباد تھی۔ شیطان کو اُن پر حاکم بنایا گیا تھا۔ اس نے ہزارہا سال خدا کی عبادت کی جب سرکشی و نافرمانی کی بنا پر قومِ نسناس کو ہلاک کر دیا گیا تھا تو یہ شیطان گروہِ ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا۔ جب مسئلہ خلافت سامنے آیا تو اسے یہ خیال آیا کہ میں جیسے پہلے زمین پر حکمرانی کرتا تھا اب پھر خلیفۂ خدا بنایا جاؤں گا۔ لیکن جب آدمؑ کا نام آیا اور اُن کو سجدہ کرنے کا حکم ملا تو شیطان کے اندر عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کی نظر میں آدمؑ خلافت کے مستحق نہیں تھے۔ چنانچہ اس نے ان کی فضیلت سے انکار کر دیا اور دلیل یہ پیش کی کہ میں آگ سے بنا ہوں اور آدمؑ مٹی سے۔ اس نے عداوت کے غلبہ کی بنا پر اس بات پر غور نہیں کیا کہ وجۂ فضیلت آدمؑ کا پیکرِ مادی نہیں بلکہ وہ رُوح ہے جو اس کے اندر داخل کی گئی ہے۔ چونکہ وہ اُس کے کمالات سے ناآشنا تھا اس لیے وجودِ آدمؑ اس کو اپنے سے پست نظر آیا۔ جو قیاس اس نے کیا کہ آگ مٹی سے بہتر ہے یہ بھی غلط تھا۔

مٹی امین ہوتی ہے اور آگ خائن۔ جو چیز زمین میں دبا دی جائے وہ محفوظ رہتی ہے اور آگ میں جو چیز ڈال دی جائے وہ جل کر خاک ہو جاتی ہے۔ مٹی میں تواضع و انکساری ہے اور آگ میں سرکشی و سربلندی۔ مٹی نقوش کو قبول کرتی ہے اور آگ ان کو مٹا دیتی ہے۔

اگرچہ شیطان صحبتِ ملائکہ میں رہ چکا تھا مگر چونکہ عصمت کے درجہ پر فائز نہ تھا اس لیے ملائکہ کی صحبت سے اُسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بلبل اور زاغ ایک قفس میں اگر برسوں رہیں تب بھی بلبل بلبل ہی رہے گی اور زاغ زاغ ہی — جب تک کسی نفس میں اپنے مصاحب کی صحبت کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو صحبت کا اثر نہیں ہوتا یا ہوتا ہے، تو بہت کم۔ ملائکہ کا درجہ بہ حیثیت معصوم ہونے کے ابلیس سے بہت بلند تھا۔ لہٰذا جب انہوں نے سجدہ کیا تھا اس کو بھی کر لینا چاہیئے تھا۔ مگر کوڑھ مغز تہ بات کی تہ کو نہ پہنچ سکا اور دربارِ الٰہی سے نہایت ذلت و حقارت سے نکالا گیا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ

اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

(جب موت کی طرف سے اُسے اطمینان ہوگیا تو اکڑ کر کہنے لگا) تُو نے میری راہ تو ماری ہی ہے میں بھی اب یہ کروں گا کہ تیرا جو سیدھا راستہ ہے میں (بہکانے کے لیے) اس پر جا بیٹھوں گا پھر میں ان کے سامنے سے آؤں گا ان کے پیچھے سے آؤں گا ان کے داہنے سے آؤں گا ان کے بائیں سے آؤں گا اور (بہکا کر) ان میں بہتیروں کو تیرا ناشکرا بندہ بنا دوں گا خدا نے فرمایا یہاں سے ذلیل اور راندۂ درگاہ ہو کر نکل جا جو لوگ تیرا کہنا مانیں گے میں بھی ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اے آدمؑ تم اور تمہاری بی بی جنّت میں رہو سہو اور جہاں سے جو چیز چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم دونوں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اکثر لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے اس مایۂ فتنہ و فساد کو پیدا ہی کیوں کیا جس نے انسانی زندگی کو تباہ کر دیا جواب یہ ہے کہ خدا نے تو اُسے شیطان نہیں بنایا تھا وہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بدولت شیطان بنا۔ اگر خدا نے شیطان بنایا ہوتا تو وہ زمرۂ ملائکہ میں شامل نہ ہو سکتا تھا۔ اور ہزارہا سال عبادت نہ کر سکتا تھا یہ تو جو کچھ اس کا ستیاناس مارا، بادا آدم کی عداوت اور خلافت کی محبت نے مارا۔ جس طرح ہر انسان کو خدا نے فاعل مختار بنایا ہے اس کو بھی اس کے افعال کا مختار بنایا تھا ورنہ جبر لازم آتا اور یہ عدلِ الٰہی کے خلاف ہوتا۔ اگر شیطان اس پر جما ہوا تھا کہ بنی آدمؑ کو ہر گوشہ سے آ کر بہکائے گا تو خدا نے یہ بھی فرما دیا کہ میں تیرے جتنے پیرو ہوں گے ان سب کو جہنم میں جھونک دوں گا۔ بنی آدم کو پہلے سے آگاہ کر دیا گیا۔ کہ اگر اس کے فریب میں آجاؤ گے تو پھر تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ لہٰذا اس کی طرف سے چوکس رہو یہ تمہارے لیے ذریعۂ آزمائش ہے۔ خدا کی فرمانبرداری اس وقت ہے کہ ایک شاطر دشمن ہر طریقہ سے اُسے نافرمانی پر اُکسائے اور وہ اس کے کہنے میں نہ آ کر خدا کا فرمانبردار بندہ بنا رہے ورنہ اس کی عقل کا امتحان ہوتا کیسے اگر نیکی سے کوئی روکنے والا نہ ہو تو پھر وہ نیکی کیا قابلِ تعریف رہے گی اور اس کی جزا کیا ملے گی اور رُوحانی ترقی کی صورتیں کیا پیدا ہوں گی۔ خدا نے دونوں راستے دکھا دیے اپنا بھی اور شیطان کا بھی اور دونوں کی جزا و سزا بھی بتا دی اور انسان کو فاعل مختار بھی بنا دیا۔ اب انسان کو اختیار ہے چاہے خدا کا ہو کر رہے چاہے شیطان کا۔ شیطان کی کارگزاری سب سے بڑی یہ ہے کہ وہ انسان کے بُرے افعال کو اس کی نظر میں اچھا کر کے دکھا دیتا ہے

اگر خدا انسان کو عقل نہ دیتا تو بے شک اس کے عدل و انصاف کے خلاف ہوتا۔ لیکن جب انسان کو بھلے بُرے کی تمیز کرنے کا آلہ (عقل) دیدیا گیا اور تمام نتائج سمجھا دیئے گئے تو پھر خدا کی ذات پاک ہر الزام سے بَری ہو گئی۔ شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کسی سے جبراً ہاتھ پکڑ کر کوئی کام نہیں کراتا۔ اس وسوسہ کو مٹانے کے لیے خدا نے عقل دے دی ہے جو اس سے کام نہیں لیتا وہ اپنے پیر پر آپ کلہاڑی مارتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آدمؑ جس جنّت میں مقیم تھے وہاں ان کا قیام عارضی تھا کیونکہ جب وہ خلیفۂ ارض بنائے گئے تھے تو وہاں سے نقل مکان کرنا ضروری تھا۔ ان کے لیے دوامی بیٹہ نہ تھا ہاں ذراسی چوک نہ ہو جاتی تو ترکِ اولیٰ کے داغ لے کر نہ نکلتے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حیثیت میں ان دونوں کو اور سب کچھ کھانے کی تو اجازت دی مگر ایک درخت ایسا بھی تھا جس کے قریب جانا بھی ان کے لیے ممنوع تھا۔ کیونکہ اس سے ان کے نفس پر ظلم ہو جاتا یعنی ان کی ذات کو نقصان پہنچ جاتا۔ چنانچہ پہنچ گیا کہ جنّت سے نکلنا پڑا۔ ترکِ اولیٰ کا صدور یہ بتاتا ہے کہ انسان کے اندر غلطی کی طرف مائل ہو جانا ایک فطری امر ہے لیکن جن لوگوں کو اپنی خواہشات پر پورا کنٹرول ہے تو وہ فوراً سرِ تسلیم خم کر لیتے ہیں اور اس لغزش کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ یہ ترکِ اولیٰ عنداللہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوتا۔ لیکن ترکِ اولیٰ کرنے والے اس کو بھی گناہ سمجھ کر شرمندہ ہوتے ہیں اور رو رو کر اس سے معافی کے طلبگار ہوتے ہیں یہی ان کے پاکیزگیٔ نفس کی دلیل ہوتی ہے۔

مفسّرین نے لکھا ہے کہ درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا کہ قریب جا کر اس کا پھل کھانے کی خواہش پیدا نہ ہو۔ یہ آدمؑ کے لیے ایک احتیاطی صورت تھی اور فطرتِ انسانی پر گہری نظر۔

جس ظلم کی طرف آدمؑ کو نسبت دی گئی ہے وہ خود ان کے نفس پر تھا نہ کسی غیر پر کیونکہ غیر تو وہاں کوئی تھا ہی نہیں درخت کے پاس جانے کی جو نہی کی گئی وہ تنزیہی تھی یعنی آدمؑ کو اس مصیبت سے بچانے کے لیے جو بعد میں پیش آئی۔

رہا یہ سوال کہ ایسا درخت جس کے پاس جانا ممنوع تھا جنّت میں رکھا ہی کیوں گیا۔ جنّت میں تو کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہیے جو باعثِ تکلیف ہو۔ جواب یہ ہے کہ یہ جنّت اوّل تو جنّتِ خلد نہ تھی جنّتِ ارضی تھی۔ دوسرے یہ کہ عقلِ انسانی کا امتحان لینا تھا اور اس کی رجحانِ طبیعت کا اظہار بھی مقصود تھا۔ بشریت کس طرح جھٹکا کھا کر پستی کی طرف آتی ہے اور کس حد تک اور کیونکر آتی ہے اس کا بتانا بھی مقصود تھا۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ

شیطان نے آدم وحوّا دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ (نافرمانی کی وجہ سے) ان کی شرمگاہیں جو بہشتی لباس کی وجہ سے ان کی نظر سے پوشیدہ تھیں کھول ڈالے۔ اس نے کہا تمہارے پروردگار نے اس درخت کا پھل کھانے سے اس لیے منع کیا ہے کہ مبادا تم دونوں فرشتے بن جاؤ اور ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اس نے اُن دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں غرض اس نے دونوں کو دھوکہ دے کر اس کے کھانے کی طرف مائل کیا۔ جوں ہی ان دونوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا۔ ان کا بہشتی لباس ان کے بدن سے گر گیا اور ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور تب وہ بہشت کے درختوں کے پتے توڑ توڑ کر اپنے بدن کو ڈھانپنے لگے تب ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی کیا میں نے تم کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور کیا یہ نہیں جتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ان دونوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

سب سے پہلا وار انسان پر شیطان کا اُن کی حیا و شرم پر تھا۔ انسان سارا بدن کھول دیتا ہے لیکن شرمگاہیں کھوتے اسے حیا آتی ہے اور اگر کسی وجہ سے کھل جائے تو وہ جلدی سے اُسے ڈھانپ لیتا ہے لہٰذا شیطان نے چاہا کہ ان دونوں کو انہی کی نظر میں ذلیل کرنے کے لیے ان کی شرمگاہیں کھلوا دوں۔ اس کے لیے اس نے یہ حیلہ تراشا کر ہمدردانہ لہجہ میں ان سے کہنے لگا تم دونوں کچھ سمجھتے بھی ہو کہ اس درخت کے پاس جانے سے خدا نے تمہیں کیوں منع کیا ہے صرف اس لیے کہ تم فرشتے بن کر یہاں ہمیشہ کے لیے نہ رہ پڑو اور قسم کھا کر کہا میں تمہاری ہمدردی میں تمہیں یہ نصیحت کر رہا ہوں۔ غرض اس میں پورا پورا دھوکہ یہ تھا کہ وہ آدمؑ کو نیچے درجہ سے اٹھا کر اوپر لے جانا چاہتا ہے اور انسان کی فطرت ہے کہ وہ دل سے اس کا خواہشمند ہوتا ہے کہ کوئی اونچا درجہ اسے ملے۔ شیطان یہ سبق پڑھا رہا تھا کہ اس پھل کو کھاتے ہی تم ایک تو فرشتہ بن جاؤ گے دوسرے یہ کہ تم ایسی جنت میں جگہ پاؤ گے جہاں سے کبھی نکالے ہی نہ جاؤ گے اور ظالم نے اپنی تجویز کو مؤثر بنانے کے لیے خدا کی جھوٹی قسم بھی کھالی۔ اگر آدمؑ اس کو قبول نہ کرتے تو یہ الزام عاید ہوتا کہ انہوں نے خدا کے نام کی توہین کی دوسرے اس وقت تک کسی کی جھوٹی قسم آدمؑ کے کان میں نہ پڑی تھی یقین آ جانا چاہیئے تھا چنانچہ یقین کر لیا۔ دشمن کا سب سے بڑا وار یہ ہوتا ہے کہ وہ دوستی کا لباس پہن کر کسی کے سامنے آئے اور ایسی چکنی چپڑی باتیں کرے کہ اس کا دشمن اُسے اپنا سچا دوست

سمجھے یہی ڈرامہ آدمؑ کو فریب کے جال میں پھانسنے کے لیے شیطان نے کھیلا۔ آدمؑ سے یہ چوک ہو گئی کہ انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اگر خدا یہی چاہتا ہے کہ میں بشکلِ انسان ہی یہاں رہوں تو مجھے یہیں رہنا چاہیئے۔ بہرحال انسان تھے دھوکا کھا گئے اور دونوں میاں بی بی اسی درخت کے پاس جا پہنچے جب اس کے پھل دیکھے تو للچا گئے اور ایک پھل لے کر ابھی چکھا ہی تھا کہ بہشتی لباس جو پہنے ہوئے تھے یکایک بغیر کسی کے اتارے بدن سے اُتر پڑا اور دونوں مادر زاد ننگے ہو گئے۔ اگرچہ کوئی آنکھ ان کو دیکھنے والی فرشتوں کے سوا نہ تھی مگر ایسی حالت شرمانے کے لیے کیا کم تھی۔ گھبرائے اور دوڑ کر درختوں کے بڑے بڑے پتے توڑ کر شرمگاہیں ڈھانپنے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ درخت اُن سے دُور بھاگتے تھے۔ بہرحال بڑی عبرتناک اور پریشان کُن حالت تھی۔ غالباً یہ انسان کو شیطان دشمنی کا شروع ہی میں امتحان کرا دینا تھا تاکہ اس کے فریب خوردہ کو جو ذلت نصیب ہوتی ہے اس سے خبردار ہو جائیں۔

اسی حالت میں تھے کہ خدا کی یہ ندا کان میں پڑی۔ کیوں آدم وحوّا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا۔ اور یہ نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے فریب میں نہ آنا۔

حضرت آدمؑ پر یہ سب سے بڑا تازیانہ تھا اب سوائے پچھتانے اور خدا سے معافی مانگنے کے چارہ کار نہ تھا۔ بہرحال یہ تو ماننا پڑے گا کہ آدمؑ سے جو چوک ہوئی وہ ان کی ذاتی خواہش پر مبنی نہ تھی بلکہ ایک دشمن کے فریب میں آنے کی وجہ سے ہوئی۔ جو آدمی جان بوجھ کر خود گر پڑے یہ اور بات ہے اور کوئی دھکیل کر گرا دے یہ اور بات ہے۔ تاہم گرنا کسی صورت میں ہو اس کا نتیجہ تو بھگتنا ہی پڑے گا۔ چنانچہ جنت سے انہیں نکلنا ہی پڑا۔ انہیں نکلنا تو تھا ہی کیونکہ خلیفۃ الارض بنائے گئے تھے لیکن وقت پر نکلتے تو یہ رسوائی نہ ہوتی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت سے آدمؑ وحوّا کا لباس درختوں کے پتے ہی رہے ممکن ہے درختوں کی چھال سے بھی یہ کام لیا جاتا ہو۔ یا جانوروں کی کھال زمین پر آنے کے بعد استعمال کی ہو۔

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

اگر تُو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں۔ خدا نے فرمایا، (تم دونوں میاں بی بی اور شیطان) سب کے سب بہشت سے نیچے اُترو تم میں سے ایک ایک کا دشمن رہے گا اور ایک وقتِ خاص تک تمہارا زمین پر رہنا سہنا اور زندگی کا سامان رہے گا اور یہ بھی فرمایا کہ تم زمین

ہی میں زندگی بسر کروگے اور اسی میں مروگے اور (قیامت کے دن) اسی سے نکالے جاؤگے۔

ایک سوال یہ ہے کہ حوا کا قصور کیا تھا کہ باہمی دشمنی میں ان کو بھی شامل کر لیا گیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ درخت کا پھل کھانے میں حوا کی ترغیب کو بڑا دخل تھا۔ انہوں نے ہی آدمؑ کو خصوصیت سے توجہ دلائی تھی۔ حدیث میں ہے عورت شیطان کا جال ہے۔ تو اب دشمنی مرد و عورت کی بھی ثابت ہوگئی اور شیطان تو دشمن ہے ہی۔ دنیا میں آکر یہ دشمنی اتنی پھیلی کہ کوئی انسان بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔ شیطان نے کہا تھا کہ میں چاروں طرف سے آکر بہکاؤں گا چنانچہ اسی طرح وہ بہکا رہا ہے۔ جب انسان کسی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال کر یا تو اسے روک دیتا ہے یا کوئی ایسا اڑنگا لگاتا ہے کہ وہ کارِ خیر شر سے بدل جاتا ہے۔

شیطان اور اس کی ذریت کو خدا نے ہماری نظروں سے چھپا دیا ہے وہ کہاں رہتے ہیں اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن جنات جو شیطان کی ذریت ہیں جس بھیس میں چاہتے ہیں انسان کے سامنے آجاتے ہیں۔ صرف شیاطین ہی انسان کو نہیں بہکاتے بلکہ انسان بھی انسان کو بہکاتا ہے۔ اسی لیے خدا نے جن و انس دونوں کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اے بنی آدم ہم نے تمہارے لیے پوشاک نازل کی جو تمہارے ستر کو چھپاتی ہے اور تم کو زینت کے

کپڑے دیئے اور پرہیزگاری کا لباس سب لباسوں سے بہتر ہے یہ (لباس بھی) اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ اے بنی آدم تمہیں شیطان اسی طرح نہ بہکا دے جس طرح اس نے تمہارے باپ اور ماں (آدم و حوا) کو جنت سے نکلوا چھوڑا تھا اسی نے ان دونوں سے بہشتی پوشاک اتروائی تاکہ ان دونوں کی شرمگاہیں دکھا دے۔ وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں اس طرح دیکھتا رہتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ پاتے ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے اور اللہ نے بھی یہی حکم دیا ہے۔ تم ان سے کہو کہ خدا ہرگز برے کام کا حکم نہیں دیتا کیا تم خدا پر جھوٹا بہتان باندھ کر وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

آدم و حوا کا جو لباس حقیقت میں اتر پڑا تھا اس کے بدلے میں خدا نے اولادِ آدم کو طرح طرح کے لباس اونی اور سوتی درختوں اور جانوروں سے عطا کیے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ لباسِ جسمانی کی طرف زیادہ توجہ نہ کرو بلکہ اپنے نفس کو تقوٰی کا لباس پہناؤ کہ یہ سب سے بہتر لباس ہے۔ یہ لباس جسمانی تیار کرنے کے لیے جو سامان خدا نے تم کو دیا ہے وہ خدا کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

پھر اولادِ آدم کو سمجھایا جا رہا ہے کہ شیطان کے کرتوتوں سے ذرا خبردار رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس کے فریب میں آجاؤ جیسے تمہارے بڑے دادا اور بڑی اماں کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان کے بدن سے لباس اتر پڑے تھے۔ اور ان کی شرمگاہیں کھل گئی تھیں۔ تم اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے رہو غلط طریقہ سے ان کو نہ کھولو۔ شرم و حیا کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ دیکھو خبردار رہنا۔ شیطان اور اس کے چیلے چانٹے تمہاری نگاہوں سے چھپ کر تمہاری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ تم ان کو دیکھ نہیں پاتے۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہیں یہ شیاطین ان کے دوست بنے ہوئے ہیں اور دوستی کے پیرایہ میں خوب خوب انہیں بہکاتے ہیں اور ان کے دماغ اتنے ماؤف بنا دیتے ہیں کہ وہ برائی کو برائی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ کریلا اور نیم چڑھا، بلکہ اسے خدا کا حکم بتاتے ہیں۔ تم ان سے کہو بھلا کہیں خدا بدکاریوں کا حکم دیتا ہے۔ تم خدا پر بہتان باندھتے ہو اور جن باتوں کو نہیں جانتے کہ یہ خدا سے متعلق نہیں ہوسکتیں ان کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو۔

ایامِ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ قبائلِ عرب جب طواف کرنے خانۂ کعبہ میں آتے تو مرد مادر زاد برہنہ ہوکر طواف کرتے اور عورتیں ایک چمڑے کی لنگوٹی آگے باندھ کر طواف کرتیں۔ جب غیرت دار لوگ منع کرتے تو کہتے ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح طواف کرتے دیکھا ہے ہم تو ایسا ہی کریں گے۔ آخر جب اسلام آیا تو حکماً رسولؐ خدا نے ایسا کرنے سے لوگوں کو روکا۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

اے رسول تم اُن سے کہو کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنے اپنے منہ ہر نماز کے وقت قبلہ کی طرف کر لیا کرو اور نہایت صدق دل سے اُسے پکارو جس طرح اس نے شروع شروع میں تمہیں پیدا کیا ہے اسی طرح تمہیں اُس کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک فریق نے تو ہدایت پائی اور دوسرے فریق پر گمراہی سوار ہو گئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا سرپرست بنا لیا اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنے کو بنا سنوار لیا کرو۔ اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اے رسول یہ بھی کہو کہ جو زینت کی چیزیں اور صاف ستھرے کھانے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیے ہیں انہیں کس نے حرام کر دیا۔ اور یہ بھی کہو کہ روز قیامت یہ چیزیں ان لوگوں کے لیے خاص ہونگی جو زندگانی دنیا میں ایمان لائے ہیں۔ ہم سمجھ دار لوگوں کے لیے اپنی نشانیاں یوں ہی تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور یہ بھی بتاؤ کہ میرے رب نے تمام بدکاریوں کو خواہ کھلی ہوں یا ڈھکی چھپی اور ہر گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کر دیا ہے اور اس بات کو بھی کہ تم کسی ایسے کو اس کا شریک بناؤ جس کو اُس نے کوئی طاقت نہیں دی۔ ہر گروہ کی موت کا ایک وقت معین ہے جب ان کی موت کا وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی کی تاخیر ہو گی نہ تقدیم۔

خدا نے خاص طور سے نمازیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنے کو بنا سنوار لیا کرو کیونکہ تمہیں مالک الملک کی سرکار میں ایک بندہ کی حیثیت سے حاضر ہونا ہے اپنا لباس درست رکھو بدن صاف ستھرا رکھو۔ کھانے پینے پر کوئی پابندی تو نہیں لیکن فضول خرچی سے بچے رہو کیونکہ یہ انسان پر بہت جلد تباہی لانے والی بن جاتی ہے۔

عہد رسالت میں بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے اچھا لباس پہننا اور لذیذ کھانا کھانا چھوڑ دیا تھا۔ ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ خدا نے اس کی ممانعت نہیں کی۔ اچھا لباس پہنو اچھا کھانا کھاؤ قیامت میں ایمان والوں کے لیے تو یہ چیزیں خاص طور سے فراہم کی جائیں گی۔ اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ بدکاریاں ہیں چاہے ظاہری ہوں یا باطنی۔ اور گناہ سے منع کیا ہے اور کسی پر ناحق زیادتی کرنے سے روکا ہے اور کسی کو خدا کا شریک بنانے سے کیونکہ خدا نے اپنا شریک بننے کی کسی کو کوئی سند نہیں دی ہے

ہر گروہ کے لیے خدا نے موت کا وقت مقرر کیا ہے جو ٹلنے والا نہیں۔ چاہے کتنے ہی حکیم ڈاکٹر دوائیں لیے بیٹھے رہیں۔ چاہے کتنی ہی فوجیں حفاظت کے لیے کھڑی رہیں چاہے مرنے والا مضبوط سے مضبوط برجوں کے اندر پناہ لے چاہے کتنی ہی دعائیں اس کی زندگی کے لیے مانگی جائیں وہ تو ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں رُک سکتی۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اے بنی آدم جب تم ہی میں سے ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آئیں اور تم سے ہمارے احکام بیان کریں تو ان کی اطاعت کرنا کیونکہ جو شخص پرہیزگار ہوگا اور نیک کام کرے گا تو قیامت میں ان کے لیے نہ خوف ہوگا نہ غم اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور سرکشی سے کام لیا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

قادیانیوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ دنیا میں ہمیشہ رسول آتے رہیں گے رسالت آنحضرتؐ پر ختم نہیں ہوئی۔ لیکن یہ ان کا فریب ہے کیونکہ جو کچھ کہا جا رہا ہے تمام اولادِ آدمؑ سے کہا جا رہا ہے، آگے ہوں یا پیچھے یعنی ایک دوامی اور مستقل حکم ہے جو ہر زمانہ والوں کے لیے ہے۔ تقویٰ و اصلاحِ نفس کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں بلکہ اس کا حکم تمام بنی آدمؑ کے لیے ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

اُس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی (تقدیر) کا لکھا حصّہ یعنی رزق ملتا رہے گا یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے ان کے پاس آ کر ان کی رُوح قبض کریں گے تو ان سے پوچھیں گے جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے بتاؤ وہ اب کہاں ہیں وہ جواب دیں گے وہ تو سب ہمیں چھوڑ کر چنپت ہو گئے اور اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر تھے

تب خدا ان سے فرمائے گا جو لوگ تم سے پہلے جنّ اور انسانوں میں سے مر چکے ہیں تم بھی ان سے مِل جُل کر جہنّم میں داخل ہو جاؤ جب ان میں سے ایک گروہ داخل ہوگا تو اپنے ساتھی دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا یہاں تک کہ جب سب کے سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلی جماعت اپنے سے پہلی جماعت کے لیے بددُعا کرے گی کہ پروردگار انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو اُن پر جہنّم کا دوگنا عذاب کر۔ خدا فرمائے گا کہ ہر ایک کے واسطے دُگنا عذاب ہے لیکن (تم پر تُف ہے کہ) تم جانتے نہیں۔

وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾

اور پہلی جماعت پچھلی جماعت سے کہے گی اب تو تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہ رہی بس ہماری طرح تم بھی اپنے کرتوتوں کے مزے چکھو جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے نافرمانی کی نہ تو ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہونے پائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نِکل جائے (اسی طرح ان کا بہشت میں داخل ہونا محال ہے) اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ان کے لیے جہنّم میں آگ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر آگ کا اوڑھنا بھی اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عملِ صالح کرتے ہیں۔ ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ہیں یہی لوگ جنّتی ہیں اور یہی جنّت میں ہمیشہ رہا سہا کریں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۗ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۴۳) وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (۴۴) الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ (۴۵) وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ

اور ان کے دلوں میں جو کچھ (بغض و کینہ) ہوگا ہم وہ سب نکال باہر کریں گے ان کے پیروں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ کہیں گے شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں اس منزل (مقصود) تک پہنچا دیا۔ اگر خدا ہمیں یہاں نہ پہنچاتا تو ہم کسی طرح یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہمارے پروردگار کے پیغمبر دینِ حق لے کر آئے تھے اور ان لوگوں کو پکار کر کہا جائے گا یہ وہ بہشت ہے جس کے مالک و وارث تم اپنی کارگزاریوں کے باعث بنائے گئے ہو اور جنتی لوگ جہنم والوں کو پکار کر کہیں گے ہمارے رب نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا ہم نے اسے ٹھیک ٹھیک پا لیا۔ تم نے بھی جو تمہارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا ٹھیک پایا (یا نہیں)، وہ کہیں گے ہاں پایا۔ تب ایک منادی ان کے درمیان ندا کرے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو، یہی ہیں جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس میں خواہ مخواہ کجی پیدا کرنا چاہتے تھے اور آخرت سے انکار کرتے تھے اور ان کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے۔

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۗ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ (۴۶) وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (۴۷) وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ (۴۸) اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۗ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (۴۹) وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۗ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۵۰)

اور کچھ لوگ اعراف پر ہوں گے جو ہر شخص کو بہشتی ہوں یا جہنمی پیشانیوں کے نشان سے پہچان لیں گے اور وہ جنت والوں سے پکار کر کہیں گے سلامٌ علیکم، اعراف والے ابھی داخلِ جنت نہیں ہوئے ہیں مگر اس کی تمنا رکھتے ہیں۔ جب ان کی نگاہیں ہٹ کر جہنم والوں کی طرف جا پڑیں گی تو ان کی خراب حالتیں دیکھ کر خدا سے دعا کریں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ رکھنا۔ اور اعراف والے جہنمی لوگوں کو دیکھ کر جن کے چہرے دیکھتے ہی پہچان لیں گے کہیں گے نہ تو تمہارا جتھا ہی تمہارے کام آیا اور نہ تمہاری شیخی۔ کیا انہی کے لیے تم دنیا میں قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل نہ کرے گا۔ (ان سے کہا جائے گا) بے خوف و خطر جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور جہنمی جنت والوں سے کہیں گے کچھ تھوڑا سا پانی ہمارے اوپر ڈال دو اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی دے ڈالو۔ وہ جواب دیں گے کہ کافروں پر اللہ نے ان دونوں کو حرام کر دیا ہے۔

اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان ایک مقام ہے اس میں وہ لوگ رہیں گے جن کے نیک و بد اعمال کا پلہ برابر ہوگا۔ ان کے لیے درمیانی حالت قرار دی جائے گی۔ نہ تو زیادہ آرام نہ زیادہ تکلیف۔ وہاں ایک بلند مقام ہوگا جس پر خدا کے کچھ

نیک بندے اس غرض سے جا کھڑے ہوں گے کہ اب بھی اگر کچھ لوگ جہنم میں یا اعراف کے قابلِ سفارش ہوں تو ان کی سفارش کر دی جائے اور ان میں خدا نے یہ قدرت دی ہے کہ جنتی اور جہنمی ہر شخص کی پیشانی دیکھ کر پہچان لیں گے اور جس کو چاہیں گے جہنم یا اعراف سے نکال کر بہشت میں لے آئیں گے۔ ان کے بارہ میں خدا فرماتا ہے وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ (الاعراف ۱۹۱) چنانچہ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں ابنِ عباس سے مروی ہے کہ اعراف پر عباسؓ۔ حمزہؓ اور علیؑ بن ابی طالب کھڑے ہوں گے۔ اور اپنے دوستوں کو ان کے چہروں کی نورانیت سے اور اپنے دشمنوں کے چہروں کو ان کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔
(صواعقِ محرقہ۔ تفسیرِ ثعلبی)۔
ابن مردویہ نے جو اہلسنّت کے زبردست عالم ہیں روایت کی ہے کہ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ سے مراد علیؑ بن ابی طالب ہیں۔ (کشف الغمہ)

اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ج فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا لا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا تھا اور دنیا کی چند روزہ زندگی نے ان کو فریب دیا تھا پس آج ہم ان کو بھول جائیں گے (ان کی طرف سے بے پرواہ ہو جائیں گے) جس طرح یہ لوگ آج کے دن کی ہماری حضوری کو بھولے ہوئے تھے اور ہماری آیات سے انکار کرتے تھے ہم نے ان کے پاس (رسولوں کی معرفت) کتاب بھی بھیج دی تھی جس میں ہر طرح اپنے علم کے مطابق تفصیل وار بیان کر دیا ہے اور جو ایمان دار لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

خداوندِ عالم نے اپنے نافرمان بندوں پر ہر طرح اپنی حجت تمام کر دی ہے سوچنے سمجھنے کے لیے عقل بھی دی۔ اپنی کتاب بھی نازل کی سمجھانے کو اپنے رسول بھی بھیجے لیکن یہ لوگ دنیوی زندگی کے جھگڑوں میں ایسے غرق ہو گئے کہ بھولے سے یہ خیال نہ آیا کہ ایک دن ہمیں خدا کے سامنے جانا ہے۔ پس آج جب وہ ہمارے سامنے حاضر ہیں ہم ان کی طرف کیوں توجہ کریں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ط يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ج فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ط قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ م بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

اب کیا یہ لوگ انجامِ قیامت ہی کے منتظر بیٹھے ہیں حالانکہ جس روز ان کے انجام کا وقت آ جائے گا تو جو لوگ اسے پہلے سے بھولے بیٹھے تھے کہنے لگیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے سب رسول حق لے کر آتے تھے۔ پس کیا اس وقت ہمارے سفارش کرنے والے بھی ہیں کہ ہماری سفارش کریں یا ہم پھر دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تاکہ جو کام ہم کیا کرتے تھے انہیں چھوڑ کر دوسرے کام کریں۔ بے شک ان لوگوں نے اپنے نفسوں کو سخت نقصان پہنچایا اور جو افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئیں۔ بے شک تمہارا رب وہی ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے جو دن کو پیچھے پیچھے تیزی سے ڈھونڈتی پھرتی ہے اور اسی نے آفتاب و مہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا کہ یہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں خلق اور امر اسی کے لیے ہیں وہ خدا جو سارے جہان کا پروردگار ہے برکت والا ہے۔

اس امر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ عرش کیا ہے اور استویٰ علی العرش سے کیا مراد ہے۔
۱ ۔ عرش کو قدیم فلاسفہ فلکِ نہم کہتے ہیں جو تمام کائنات سے بڑا ہے۔
۲ ۔ سات آسمانوں کے علاوہ نظامِ کائنات میں دو نظام اور ہیں جو نظامِ شمسی سے بہت دور ہیں ایک کا نام کرسی ہے دوسرے کا عرش۔ جدید علمِ ہیئت میں ان دونوں کے نام یورینس اور نیپچون ہیں۔ یہ ہم سے اتنی دور ہیں کہ ان کی روشنی سطحِ زمین پر تین سو سال بعد پہنچتی ہے۔
۳ ۔ عرش مرکزِ انوارِ جلالِ ایزدی ہے اس مرکز سے تمام کائنات کو نور ملتا ہے۔

۴ - استویٰ علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ خدا ایسی عظیم الشّان مخلوق پر بھی غالب ہے۔

چھ دن میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے متعلق بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔

جس طرح سولر سسٹم یا نظامِ شمسی ہماری نظر کے سامنے ہے اسی طرح آٹھ نظام قدرت نے اور بنائے ہیں جن میں سے ایک دوسرے نظام سے بڑا ہے۔ سب سے چھوٹا نظامِ شمسی ہے اور سب سے بڑا نظامِ عرشی ہے جو تمام ان وسعتوں کو گھیرے ہوئے ہے جو ماتحت نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔

خیال کیجئے اس نظامِ شمسی میں جو کچھ ہو رہا ہے نہ ہماری عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے اور نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں۔ کیسا قادرِ مطلق ہے وہ خدا جو ان سب نظاموں کا پیدا کرنے والا اور ان سب کا مدبر و منتظم ہے۔ یہ عرشی نظام کائنات کی حدِ آخر ہے اس کے بعد کیا ہے بس خدا لئے وحدہٗ لاشریک ہی جانتا ہے۔

چھ دن میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے متعلق بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔

۱ - یہ چھ دن ہمارے سے دن نہیں جو رات کو ملا کر ۲۴ گھنٹے بنتے ہیں بلکہ خدا کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے، وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج : ۴۷/۲۲) "تمہارے رب کا ایک دن تمہارے شمار کے لحاظ سے ایک ہزار سال کا ہے"۔ تو چھ دن کے یہ معنی ہوئے کہ چھ ہزار سال میں خدا کی یہ مخلوق جن کو آسمان و زمین کہا جاتا ہے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ان کے اندر کیا کیا ہے اور اس کے بننے میں کتنا وقت صرف ہوا ہے، ان کا بنانے والا ہی بہتر جانتا ہے۔ جب انسان کا بچہ جو شکمِ مادر میں ہوتا ہے اپنی خلقت کی تکمیل کے لیے نو ماہ چاہتا ہے تو آسمان و زمین کی تکمیل ضرور چھ ہزار سال میں رفتہ رفتہ مکمل ہوئی ہوگی۔ دیکھنے والی آنکھیں کہاں تھیں کہ اس تدریجی تخلیق کو دیکھتیں۔ اور ہوتیں بھی تو کیا دیکھ سکتیں۔ جس ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے وہی کب اس مخلوق کی تکمیل کو دیکھ سکتی ہے جو اس کے شکم میں بن رہی ہے۔

ہاں اپنی مادی آنکھوں سے دُور اس نوری وجود کی آنکھوں نے دیکھا ہوگا جو خدا کی اوّل مخلوق ہے اور جس کی تخلیق خلقتِ آدم سے چودہ ہزار سال قبل ہوئی جس سال کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے اور جس کی آنکھوں کے سامنے یہ کارخانہ قدرت اپنی تخلیق کی منزلیں طے کر رہا تھا اور جس کے صدقہ میں آسمان بن رہے تھے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں فرمایا: اے ہمارے رسول اگر تم نہ ہوتے تو ہم افلاک کو پیدا ہی نہ کرتا۔

۲ - امام رضا علیہ السّلام سے عیون اخبار الرضا میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ پلک جھپکتے سب چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے لیکن آسمانوں کی پیدائش میں چھ دن لگا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو وہ پیدا کرنا چاہے وہ یکے بعد دیگرے فرشتوں پر ظاہر ہوتی جائیں اور وہ قدیم بالذات جن چیزوں کو حادث کرے ان کے حدوث کا ثبوت ملتا جائے اور جس چیز کی تکمیل کے لیے جتنی مدّت درکار ہے اس کا اظہار ہو جائے۔

لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق دو صورتوں سے ہوئی ہے۔ ایک عالمِ خلق سے تعلق رکھنے والی مخلوق ہے دوسری عالمِ اَمر سے۔ جن کا تعلق عالمِ خلق سے ہے وہ محتاج اسباب و وسائط ہیں۔ یعنی ان میں

تدریجی ترقی ہوتی ہے اور وہ ایک دم ہی وجود میں نہیں آگئیں مثلاً خلقتِ انسانی پر غور کیجئے پہلی منزل نطفہ ہے وہ رحمِ مادر میں جا کر پہلے عَلَقَة (خون کا لوتھڑا) بنتا ہے پھر مُضغہ یعنی گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈی بنتی ہے پھر ہڈی پر گوشت بنتا ہے پھر اس قالب بے حس میں روح ڈالی جاتی ہے تب کہیں وہ مکمل ہو کر بطنِ مادر سے باہر آتا ہے لیکن جو مخلوق عالمِ امری سے ہے اس کا تعلق ان اسباب و وسائط سے نہیں ہوتا۔ عالمِ خلقی کا ہر بچہ جب تک ماں باپ دو نفر نہ ہوں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت آدمؑ کو اس قادرِ مطلق نے بے ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰؑ کو بے باپ کے پیدا کر دیا۔ عالمِ خلقی کے تمام وسائط و اسباب یہاں کام میں نہیں آئے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ کائنات کے ہر ذرّہ کی تخلیق اسباب و وسائط سے ہوئی ہے۔ سوائے کچھ خاص مخلوق کے جن میں سب سے پہلا مرتبہ وجودِ محمّدی کا بحالتِ نوری تھا۔ چونکہ حسبِ فرمودۂ رسولؐ وہ خدا کی اوّل مخلوق ہیں لہٰذا اسباب و وسائط میں سے کوئی چیز خلق ہی نہ ہوئی تھی جو ان کی خلقت میں شریک ہوتی۔ حسبِ قولِ رسولؐ اوّل مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی خلقت لاشئے سے ہے یعنی بغیر کسی ایسے مادہ کے جو ان سے پہلے ہو۔ آپؐ کے نور کے علاوہ باقی تمام مخلوق خواہ فرشتے ہوں خواہ جنّ ہوں یا انسان یا حیوان وغیرہ وغیرہ سب کی خلقت شئے سے ہوئی ہے یعنی کوئی مادہ پہلے سے موجود تھا اُسی سے یہ تمام مخلوق بنائی گئی ہے۔ چونکہ تمام کائنات نورِ محمّدی کے سامنے مخلوق ہوئی ہے اور وجودِ محمّدی کے صدقہ میں عدم سے وجود میں آئی ہے لہٰذا تمام کائنات کا علم حضرتؐ کو ہونا لازمی ہے اور حقِ تصرّف بھی۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع

تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چھپکے چھپکے دُعا کرو، حد سے تجاوز کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو اور عذاب کے خوف سے اور رحمت کی امید میں خدا سے دعائیں مانگو۔

نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت یقیناً قریب ہے اور وہ وہی تو خدا ہے جو اپنی رحمت (ابر) سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے جب ہوائیں پانی سے بھرے بادلوں کو لے اُڑیں تو ہم نے ان کو ایسے کسی شہر کی طرف ہنکا دیا جس کی زمین پانی نہ مل سکنے کی وجہ سے مرچکی تھی پھر ہم نے پانی برسایا اور ہم نے زمین سے ہر طرح کے پھل نکالے۔ اسی طرح ہم (قیامت کے دن قبروں سے) مُردوں کو نکالیں گے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ اور اچھی زمین حکم خدا سے اچھا ہی سبزہ نکالتی ہے اور جو زمین شور یعنی کھاری ہے اس کی پیداوار بھی خراب ہو جاتی ہے ہم یوں اپنی آیتوں کو اُلٹ پھیر کر شکر گزار بندوں سے بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس سے دعا گڑگڑا کر اور چپکے چپکے مانگی جائے تاکہ زور زور سے مانگنے میں ریا نہ پیدا ہو جائے یعنی لوگوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ ہم خدا کے خاص بندے ہیں ایسا نہ کیا جائے۔ نیز یہ کہ حد سے بڑھے نہیں یعنی ایسی دعائیں نہ مانگے جو اس کی شان سے بالاتر ہوں۔ جیسے یہ دعا کرنا کہ مجھے نبی بنادے یا مجھے آسمان پر چڑھادے۔ دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہر وقت خدا کے سامنے اپنے عاجز و محتاج ہونے کو ظاہر کرے۔ دُعا کا قبول کرنا خدا پر چھوڑ دے تاکہ جیسی اس کی مصلحت ہو کرے۔ جو دعا خدا سے کرے وہ اس کے عذاب سے بچنے اور اس کی رحمت کی امید میں اور اسے اپنا معبود سمجھ کر کی جائے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ اے میرے معبود نہ تو میں جنت کی خواہش میں عبادت کرتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ میں نے تجھے مستحق عبادت پایا اس لیے تیری عبادت کرتا ہوں۔

اللہ نے جہاں جابجا قرآن میں اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک نعمت کا ذکر یہاں ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے پانی کو بھاپ بناکر اوپر اٹھاتا اور بادل کی شکل بناتا ہے۔ جب وہ بھاپ پانی کے قطروں کی صورت اختیار کرکے بادل کو بوجھل بنادیتی ہے تو پھر اس بادل کو کسی شہر پہ برسادیتا ہے۔ بارش ہونے سے جو زمین ناقابلِ کاشت ہوتی ہے پھر قابلِ کاشت ہوجاتی ہے یہ تو وہی جانتا ہے کہ پانی کو اوپر لے جاکر ہوا کے دامنوں پر پھیلا دیا اور ادھر ادھر ہلا ڈُلا کر ایسے اجزا ان قطروں میں بھر دیئے کہ مردہ زمین میں ان کو پڑتے ہی روئیدگی کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان ان کا تجزیہ کرنے سے عاجز ہے۔ میرے نواسے ڈاکٹر سید خاقان حسن نیئر پی۔ ایچ۔ ڈی جو پچھلے سال فرانس لیبورٹری میں کام کرتے تھے ایک روز بتاتے تھے کہ پٹرول کی تحقیق کی جارہی ہے، اب تک دو ہزار اجزاء کا اس کے اندر پتہ چل چکا ہے سبحانہٗ ما اعظم شانہٗ! اسی طرح پانی کے اندر کیا کیا اجزا ہیں اور ان کے کیا کیا کام ہیں اس کو خدا کے سوا کون جان سکتا ہے۔ جو لوگ روز قیامت قبروں سے مُردوں کے نکلنے کو نہیں مانتے وہ ذرا اس پہ تو غور کریں کہ جو دانہ زمین میں دبایا جاتا ہے وہ کس طرح پردۂ خاک سے ایک درخت کی صورت میں اُگ آتا ہے اور پھر کس طرح پھل پھول لاتا ہے۔

پھر یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یعنی ہر زمین اپنی قابلیت کے لحاظ سے فیض حاصل کرتی ہے کہیں پوٹے اُگتے ہیں اور کہیں گھاس۔ اس حالت کو کون بتائے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

ایک روز امیر معاویہ نے امام حسن علیہ السلام سے کہا کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں ہر رطب و یابس کا بیان ہے آپؑ نے فرمایا بے شک۔ انہوں نے کہا کیا میری اور آپ کی داڑھی کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا ضرور ہے اور اس کے بعد آپؑ نے یہ آیت پڑھی وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا (الاعراف: ۵۸) امام حسن علیہ السلام کی داڑھی گھنی تھی اور امیر معاویہ کی چھدری۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

ع ۸ / ۱۵

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ میں (تمہاری غلط کاریوں کی وجہ سے) اور قیامت کے خوفناک عذاب سے جو تم پر آئے گا ڈرتا ہوں ان کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تو آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ فرمایا اے میری قوم میرے اندر گمراہی نہیں بلکہ میں تو رب العالمین خدا کا رسول بن کر آیا ہوں تاکہ اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دوں اور تمہیں نصیحت

کروں اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے رب کا ذکر تم ہی میں سے ایک شخص پر اس لیے نازل ہوا ہے کہ تمہیں عذابِ آخرت سے ڈرائے اور اس لیے کہ تم پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ انہوں نے نوح کو جھٹلایا پس ہم نے نوح کو اور جو لوگ کشتی میں ان کے ساتھ تھے ان کو بچا لیا اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا ان کو ڈبو کر رکھ دیا کیونکہ وہ لوگ یقیناً آنکھوں کے اندھے تھے۔

حضرت نوحؑ کا نام عبدالغفار تھا مگر چونکہ پانچ سو برس تک خوفِ خدا سے روتے رہے تھے اس لیے نوح کہلائے گئے۔ (نوحہ کرنے والے)۔ حضرت نوحؑ جناب آدمؑ کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے۔ آپؑ سے پہلے دس انبیاءؑ اور اوصیاءؑ اور ہوئے تھے۔ آپؑ کو آدمِ ثانی اور شیخ الانبیاء بھی کہتے ہیں۔ آپؑ کی عمر بعض مفسرین نے ڈھائی ہزار برس لکھی ہے اور بعض نے دو ہزار برس۔ یہ تمام زمانہ آپؑ نے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین میں گزارا۔ دو سو برس کشتی کے بنانے اور چلانے میں گزارے۔ پانچ سو برس دوبارہ لوگوں کو زمین پر آباد کرنے میں بسر کیے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ اس طویل مدت میں اپنے رہنے کے لیے کوئی گھر نہ بنایا ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتے تھے۔

ساڑھے نو سو برس میں جو آپؑ کا تبلیغی زمانہ تھا اپنی قوم سے وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں کہ خدا کی پناہ۔ وہ لوگ دیوانہ اور مجنون سمجھ کر پتھر مارتے تھے اور آپؑ لہولہان ہو جاتے تھے۔ ہاتھوں اور لاتوں سے مارتے تھے۔ اپنے بچوں کو کندھوں پر بٹھا کر لاتے اور ان سے کہتے، دیکھو یہ شخص دیوانہ ہے اس کی بات کان لگا کر نہ سننا۔ سب سے زیادہ روحانی تکلیف یہ تھی کہ ان کی بی بی کافرہ تھی۔ جب لوگ انہیں مارنے آتے تو طنزاً کہتی ارے اسے نہ مارو یہ تو دیوانہ ہے، دیکھتے نہیں کیسی بڑی کشتی بنا رہا ہے بھلا اسے کون سے سمندر میں چلائے گا۔ الغرض جب مظالم سہتے سہتے اکتا گئے تو خدا سے دعا کی کہ اس ظالم قوم کے ظلم سے مجھے نجات دے۔ خدا نے یہ دعا قبول کی۔ قوم کی عورتیں بانجھ ہو گئیں چوپائے ہلاک ہو گئے۔ باغات جل گئے چالیس برس پانی نہ برسا۔ جب قوم کو بلبلاتا دیکھتے تو فرماتے کہ اللہ سے توبہ کرو اس پر ایمان لاؤ مگر وہ کہاں ایمان لانے والے تھے بلکہ جتنا سمجھاتے اتنا ہی وہ زیادہ ستاتے۔

جب موت کا فرشتہ حضرت نوحؑ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو اس نے پوچھا، اے نوحؑ اس طویل عمر میں آپ نے دنیا کو کیسا پایا۔ فرمایا اس گھر کی طرح جس کے ایک دروازہ سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکلا جا رہا ہوں۔ حضرت نوحؑ وہ پہلے شخص ہیں جن پر قانونِ شریعت کا نزول ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ جیسے پیغمبر آپؑ کے شیعوں میں سے تھے۔ آپؑ کے تین فرزند تھے، سام، حام، یافث۔ انہی کی نسل سے دنیا آباد ہوئی۔ ایک نافرمان بیٹا کنعان نامی تھا جو ماں کے زیرِ اثر کافر بنا رہا اور طوفان میں غرق ہو گیا مگر کشتیٔ نوحؑ پر اس نے بیٹھنا گوارا نہ کیا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ کنعان نوحؑ کا صلبی بیٹا نہ تھا۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جب نوحؑ نے وقتِ طوفان یہ دعا کی تھی کہ اے میرے رب، میرا بیٹا میرے خاندان سے ہے اپنے اس وعدہ کے مطابق کہ میرے خاندان کو غرق ہونے سے بچا لے گا اسے

بچا لے، تو خدا نے فرمایا، یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کے عمل اچھے نہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں۔ بداعمالی کی بنا پر خاندان سے خارج ہو گیا۔ ابنیت سے نہیں۔ کوئی نبی پرائے بدن کی بوٹی کو اپنے بدن سے نہیں چپکا سکتا۔ حضرت رسولِ خداؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو لے پالک کر لیا تھا مگر کبھی اس کو یا بُنَیَّ کہہ کر نہیں پکارا۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہُود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم پرہیزگار نہیں بنو گے۔ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تو تمہیں حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اے قوم میں احمق نہیں ہوں بلکہ میں رب العٰلمین خدا کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں تاکہ اپنے ربّ کا پیغام تم تک پہنچا دوں اور میں تم کو ایک سچے خیر خواہ کی حیثیت سے نصیحت کرتا ہوں۔ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تم ہی میں سے ایک شخص پر تمہارے رب کا ذکر نازل ہوا ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔ اور یہ یاد کرو کہ خدا نے قومِ نوح کے بعد تم کو پیدا کیا اور ان کا جانشین (روئے زمین پر) بنایا اور تمہاری خلقت میں بھی زیادتی کر دی پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تمہارے لیے بہتری ہو۔

حضرت ہودؑ سام بن نوحؑ کی اولاد سے تھے۔ آٹھ پشتوں کے بعد۔ ان کو قوم عاد کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ قوم عاد اس زمانہ میں بڑی اچھی حالت میں تھی۔ ان کے برابر کوئی اور قوم نہ تھی یہ لوگ بہت بلند قد، جسیم اور طویل العمر ہوتے تھے۔ اور ایک مخصوص بت کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ہودؑ نے انہیں ہر چند سمجھایا مگر وہ نہ سمجھے۔ جب اُن کی شرارت حد سے زیادہ ہو گئی تو پہلے پانی بند ہوا اور چار برس تک قطرہ نہ برسا۔ جب اس پر بھی ان کے بل نہ نکلے تو خدا نے ایک سیاہ بادل کو بھیجا جو ان پر چھا گیا۔ پھر ایک آندھی آئی جس میں چنگاریاں بھری ہوئی تھیں اور آٹھ روز برابر چلتی رہی اور وہ بھی اس شدت سے کہ بوجھ سے لدے ہوئے اونٹ اوپر کو اٹھا کر لے جاتی تھی اور پھر زمین پر دے پٹکتی تھی۔ غرض یہ کہ پوری قوم کو ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ہودؑ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر عذاب آنے سے پہلے ہی بستی سے باہر چلے گئے تھے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ قومیں ان حالات کے تحت بھی خدا کے پیغمبروں پر ایمان نہ لائی تھیں۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۚ فَأْتِنَا بِمَا
تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ
غَضَبٌ ۚ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٧١﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ
وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيٰتِنَا
وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾ ع

انہوں نے کہا کیا تم ہمیں یہ بتلانے آئے ہو کہ ہم ایک خدا کی عبادت کرنے لگیں اور اُن بتوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لا کھڑا کرو جس سے تم ڈراتے ہو۔ جناب ھودؑ نے کہا پس سمجھ لو کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے (بتوں کے) ان ناموں کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہو جن کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود ہی تصنیف کیے ہیں۔ خدا نے تو ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ پس آنے والے

عذاب کا تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ پس ہم نے ہود کو اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے بھی نہ تھے ان کی جڑ کاٹ دی۔

وَإِلٰى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ
قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۖ هٰذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ
فِي أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا
إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ
سُهُولِهَا قُصُورًا وَّتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ وَلَا
تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ
لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ
مِّنْ رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٧٥﴾

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ چکی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے خدا کی ایک نشانی ہے اسے آزاد چھوڑ دو تاکہ یہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یہ یاد کرو کہ خدا نے قوم عاد کے بعد تم کو ان کا جانشین بنایا اور تمہیں اس طرح آباد کیا کہ تم نرم زمین میں (بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو) اور پہاڑوں کو کاٹ تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور روئے زمین پر فساد نہ کرتے پھرو۔ ان کی قوم کے سردار لوگوں نے ان غریبوں سے جو ایمان لائے تھے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ صالح خدا کی طرف سے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا، جن

باتوں کا وہ پیغام لائے ہیں ہمارا تو ان پر ایمان ہے ۔

حضرت صالحؑ حضرت ہودؑ کے بعد آئے تھے آپؑ حضرت نوحؑ کی نویں پشت میں ہیں۔ ثمود جن کی طرف یہ قوم منسوب تھی بن عامر بن سام بن نوحؑ تھے۔ قوم عاد کی طرح یہ بھی بڑے مالدار تھے۔ حضرت صالحؑ جب پیغمبر بن کر ان کے پاس آئے تو ان کا سن سولہ برس کا تھا۔ ایک سو بیس برس کی عمر تک ان کو ہدایت کرتے رہے مگر وہ نہ مانے۔ یہ لوگ پہاڑ کے ایک حصّہ کی پرستش کرتے تھے اور ہر سال اس پر قربانی چڑھاتے تھے۔ جب آپؑ نے منع کیا تو کہنے لگے اگر اس پتھر سے ایک اونٹنی مع بچہ کے نکال دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ آپؑ نے دعا کی اور جو اُن کی خواہش تھی وہ پوری ہو گئی مگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ تب خدا کا حکم ہوا کہ اس شہر کا کل پانی ایک روز اونٹنی پیا کرے اور ایک روز یہ سب اپنے صرف میں لائیں۔ غرض یہی قاعدہ مقرر ہوا اور جس روز وہ اُونٹنی یہ پانی پیتی تھی اس روز اتنا دودھ دیتی تھی کہ وہ سب سیراب ہو جاتے تھے اس پر بھی ان لوگوں کو صبر نہ آیا۔ اور مشورہ کر کے ایک روز ایک شقی سے جس کا نام قدار تھا کچھ مال کی طمع دے کر اس کے پاؤں کٹوا دیئے پھر سب نے مل کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور سب نے خوب ڈٹ کر اس کا گوشت کھایا۔ اس کا بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور وہاں جا کر سر بلند کر کے تین بار فریاد کی اور پہاڑ کے اندر چلا گیا۔ حضرت صالحؑ نے کہا اگر تین دن کے اندر تم توبہ کر لو گے تب تو تمہاری نجات ہو جائے گی مگر وہ کہاں توبہ کرنے والے تھے آخر چوتھے دن رات کے وقت شدید چیخ چنگھاڑ کی آواز پیدا ہوئی کہ سب کے کان پھٹ گئے اور زمین میں زلزلہ آ گیا جس سے اُن کے کلیجے پھٹ گئے آخر سب کے سب مر کر رہ گئے پھر آسمان سے آگ نازل ہوئی اور ان سب کو جلا کر خاک کر دیا ۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٧٩﴾

اُن میں جو لوگ گھمنڈی تھے کہنے لگے جس پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اُسے نہیں مانتے۔ پس انہوں نے ناقہ کے پیر کاٹ دیئے اور رب کے حکم کی نافرمانی کی اور کہنے لگے اے صالح اگر تم رسولوں میں سے ہو تو جس

عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لے آؤ۔ پس ان کو ایک چیخ نے لے ڈالا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ اس کے بعد صالح وہاں سے چلے گئے اور یہ کہتے ہوئے گئے اے قوم میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور تم کو نصیحت کر دی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے ۔

مشرکین عرب کو یہ پُرانے قصّے اس لیے سُنائے گئے ہیں کہ وہ عبرت حاصل کریں اور یہ سمجھ لیں کہ جب عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو کافروں میں سے کسی ایک کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ یہ قصّے سُن کر مشرکین کہتے تھے یہ سب ڈرانے کی باتیں ہیں ۔ نہیں کیا معلوم کہ ایسا کبھی ہوا بھی ہے اور اگر ایسا ہوا بھی ہے تو یہ کیا ضرور ہے کہ ہم پر بھی ایسا کوئی عذاب آئے۔ جب ہم تمہیں سچا رسول ہی نہیں سمجھتے تو پھر اس بات سے کیوں ڈریں کہ تمہاری بددُعا سے ہم پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ بہر حال چونکہ ان لوگوں پر شقاوت سوار تھی لہٰذا یہ عبرتناک قصّے ان کے کان کو نہیں لگتے تھے ۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾

اور لُوطؑ نے اپنی قوم سے کہا افسوس تم ایسی بدکاری کرتے ہو (اغلام) جو تم سے پہلے خدا کی مخلوق میں سے کسی نے نہیں کی۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت کو تسکین دینے کے لیے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو۔ تم بیہودہ صرف کرنے والے ہو (نطفہ کو ضائع کرتے ہو) ان کی قوم کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ ان لوگوں کو (جو ہمارے خلاف ہیں) بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں۔ ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو تو نجات دی سوائے ان کی بی بی کے جو (اپنی بداعمالی سے)

پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے ان لوگوں پر پتھر کا مینہ برسایا۔ ذرا غور کرو کہ گنہگاروں کا آخر انجام کیا ہوا۔

حضرت لوطؑ جناب ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی تھے اور انہی کی حقیقی بہن حضرت سارہؑ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بی بی تھیں حضرت لوطؑ اہلِ موتفکات کی ہدایت کو بھیجے گئے تھے۔ ان سے پانچ شہر آباد تھے سب سے بڑا سدوم تھا۔ یہ لوگ مصر و شام کی درمیانی شاہراہ پر آباد تھے۔ یہ لوگ بڑے بخیل تھے اور مسافروں کی آمد و رفت سے گھبرانے لگے تھے۔ شیطان نے ان کو پٹی پڑھائی کہ جو مسافر تمہارے پاس آئے اس سے اغلام کرو تو ان کی آمد و رفت بند ہو جائے گی۔ غرض یہ لوگ اس فعلِ بد کے مرتکب ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ایسے خوگر ہوئے کہ اپنی عورتوں کو بھی چھوڑ بیٹھے اور جو یہاں آتا اُسے رسوا کرتے۔ خدا نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت لوطؑ کو بھیجا۔ آپؑ نے تیس برس تک ان کو ہدایت کی مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ آخر عذابِ خدا ان پر آیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے ان کی بستی کو اٹھا کر اُلٹ دیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں خدا کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ چکی۔ پس پوری ناپ تول کیا کرو

اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔ اگر تم مومن ہو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ اور تم لوگ جو راستوں پر بیٹھ کر خدا پر ایمان لانے والوں کو ڈراتے ہو اور خدا کی راہ سے روکتے ہو اور کجی کو ڈھونڈ نکالتے ہو اب ایسا نہ کرنا اور اس بات کو یاد کرو کہ جب تم شمار میں کم تھے تو خدا ہی نے تم کو تعداد میں زیادہ کر دیا اور تم ذرا اس پر بھی غور کیا کرو کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا۔ اور جن باتوں کا میں پیغام لے کر آیا ہوں ایک گروہ نے تو اس کو مان لیا اور ایک گروہ نے نہیں مانا، تو صبر سے بیٹھے دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیبؑ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کو اہلِ مدین کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ اس بستی میں کُل چالیس گھر تھے۔ ان کے علاوہ ایکہ والوں کی ہدایت بھی آپ ہی سے متعلق تھی۔ مدین والوں میں دو باتیں بہت خراب تھیں جن میں ہر شخص مبتلا تھا، ایک تو رہزنی اور دوسرے ناپ تول میں زیادہ لینا اور کم دینا۔ حضرت شعیبؑ نے ہر چند سمجھایا مگر لوگ نہ مانے۔ خدا نے ان کی نافرمانی کی یہ سزا دی کہ پہلے تو ان میں سخت سے سخت گرمی پیدا کر دی جس سے وہ سردی کے زمانہ میں بھی چین سے نہ رہ سکتے تھے۔ اس کے بعد ایک خشک اور سرد بادل آیا جس کے نیچے وہ سب جمع ہو گئے اس نے سارے شہر کو گھیر لیا پھر ایک چیخ کی آواز آئی زمین کو زلزلہ ہوا، آگ برسنے لگی سب ہلاک ہو گئے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا آپ ہی کا عطیہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے اس عصا سے حضرت شعیبؑ نے بھی بہت سے معجزات کا اظہار کیا تھا۔

حضرت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ کے خسر تھے۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی صاحبزادی صفوراؑ نامی سے آٹھ برس بکریاں چرانے کے مہر پر حضرت موسیٰؑ کا نکاح کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے جب یہ مدت پوری کر دی تو اپنی بی بی کو ساتھ لے کر اپنے قدیم وطن مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت شعیبؑ ایک پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے۔ جب سر پر دھوپ آ جاتی تو آپؑ ایک انجیر یا بادام کے درخت کے نیچے سایہ میں چلے جاتے اور ذکرِ خدا کرتے تھے۔ حضرت شعیبؑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک بھیڑیا ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا۔ حضرت شعیبؑ کو اس پر بڑا غصہ آیا۔ آپ نے اسی درخت کی ایک موٹی شاخ کاٹ کر اپنا عصا بنایا تاکہ پھر کوئی درندہ آئے تو اس سے ماریں۔ وحی نازل ہوئی اے شعیب تم اس عصا کو جہاں بکریاں چرتی ہوں رکھ دیا کرو پھر کوئی درندہ ان کے پاس نہ آئے گا۔ چنانچہ مدت تک شعیبؑ ایسا ہی کرتے رہے۔ یہی وہ عصا تھا جو انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو دیا تھا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿۸۹﴾

ان کی قوم کے متکبر لوگوں نے کہا اے شعیب ہم تمہیں بستی سے نکال باہر کریں گے اور اپنے گاؤں کے ان لوگو کو بھی جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ورنہ ہمارے مذہب میں لوٹ کر آجاؤ۔ انہوں نے کہا چاہے ہم (تمہارے مذہب کو) بُرا ہی سمجھتے ہوں اس کے بعد کہ خدا نے اس سے ہمیں نجات دی ہے اگر ہم تمہاری ملت کی طرف لوٹ جائیں تو ہم نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا، ہمارے لیے کسی طرح جائز نہیں کہ ہم تمہارے مذہب کی طرف لوٹ آئیں ہاں اگر ہمارا رب چاہے تو دوسری بات ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے ہم نے تو اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔ اے ہمارے رب تُو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے اور تُو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

قوم شعیب اگرچہ تعداد میں کم تھی مگر بلحاظ دولت ان کو دوسری قوموں پر فوقیت حاصل تھی۔ اس قوم میں جو زیادہ مالدار تھے وہ نہایت متکبر و مغرور ہو گئے تھے۔ ایک روز سب جمع ہو کر حضرت شعیبؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے شعیب جن کاموں سے تم ہمیں روکنا چاہتے ہو ہم ان سے باز آنے والے نہیں۔ تم چاہتے ہو کہ ہماری اقتصادی حالت کمزور ہو جائے اور ہم دوسری قوموں کے دست نگر بن جائیں۔ ہماری قوم کے کچھ بیوقوف تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں لیکن یہ یاد رکھیے کہ اگر آپ اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بستی سے نکال دیں گے۔ اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو پھر ہمارا مذہب اختیار کیجئے۔ انہوں نے فرمایا جس کو میں پسند نہیں کرتا اُسے کیسے اختیار کرلوں۔ تم خدا پر جھوٹ بولتے ہو تم سراسر غلطی پر ہو کر خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو۔ جب خدا نے ہم کو شرک و بداعمالی سے نجات دی تو ہم

پھر کیسے تمہاری جماعت میں داخل ہو جائیں ۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ ۚ فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

ان کی قوم کے سرداروں نے اپنی قوم سے کہا اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم گھاٹے میں رہو گے الغرض ان لوگوں کو زلزلے نے آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہ ایسے مٹے گویا ان بستیوں میں کبھی آباد ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارے میں رہے۔ شعیب تو ان سے علیحدہ ہو گئے اور (چلتے چلتے) یہ کہہ گئے اے قوم میں نے تو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تم کو نصیحت بھی کر دی تو اب میں کافروں پر کیوں افسوس کروں۔ ہم نے کسی گاؤں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر وہاں کے باشندوں کو سختی اور مصیبت میں مبتلا کیا تاکہ وہ ہمارے سامنے گڑگڑائیں پھر ہم نے تکلیف کی جگہ آرام کو بدل دیا یہاں تک کہ وہ لوگ بڑھ نکلے اور کہنے لگے ایسی تکلیف و آرام ہمارے باپ دادا کو بھی پہنچ چکا ہے۔ آخر ہم نے ان کو یکایک دھر پکڑا اور وہ بالکل بے خبر تھے۔

پہلے تو ان کو اس لیے سختی میں مبتلا کیا کہ یہ پریشان اور خوفزدہ ہو کر ایمان لے آئیں لیکن جب ان پچنے گھڑوں پر

کوئی اثر نہ ہوا تو پھر ہم نے ان کو آرام و آسائش عطا کی تاکہ جو نیکیاں انہوں نے اس دنیا میں کی ہیں ان کا بدلہ انہیں دے دیں اور جب قیامت میں ہمارے سامنے آئیں تو ان کے پلہ میں بدی کے سوا اور کچھ نہ بندھا ہو اور عذاب کا پورا پورا مزہ چکھیں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا کَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَکْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تو جھٹلایا پس ان کے کرتوتوں کی بنا پر ہم نے انہیں دھر پکڑا۔ کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب رات کو ایسی حالت میں آ جائے کہ وہ بے خبر پڑے سوتے ہوں، کیا بستیوں والے اس سے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب انہیں دن میں اس وقت دبا لے جبکہ وہ کھیل کود میں ہوں۔ کیا وہ خدا کے داؤ سے بے پرواہ ہو بیٹھے ہیں۔ خدا کے داؤ سے سوائے خسارہ

پالنے والوں کے اور کوئی بے خبر نہیں رہ سکتا۔ کیا ان لوگوں کو جو سابق اہلِ زمین کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں اس امرِ واقعی نے کوئی سبق نہیں دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کی خطاؤں پر انہیں پکڑ سکتے ہیں۔ مگر یہ لوگ اتنے ناسمجھ ہیں (گویا) ان کے دلوں پر ہم خود مہر کر دیتے ہیں یہ لوگ کچھ سنتے ہی نہیں۔ یہ ہیں چند وہ بستیاں جن کے حالات ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے پیغمبر اُن کے پاس بہت سے روشن معجزے لے کر آئے مگر یہ لوگ چونکہ پہلے جھٹلا چکے تھے لہٰذا اب کیوں ایمان لاتے۔ خدا یوں کافروں کے دلوں پر علامت مقرر کر دیتا ہے اور ہم نے تو ان میں سے اکثر کا عہد ٹھیک نہ پایا۔ ہم نے تو اُن میں سے اکثر کو بدکار ہی پایا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

ان لوگوں کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے معجزات کے ساتھ شرارتیں کیں تو اے رسول دیکھو ان مفسدوں کا انجام کیسا خراب ہوا۔ موسیٰ نے کہا اے فرعون میں تمام عالموں کے پالنے والے خدا کا رسول ہوں میرے لیے یہی سزاوار ہے کہ میں خدا کے متعلق سوائے حق بات کے اور کچھ نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس اپنے رب کی طرف سے ایک معجزہ لے کر آیا ہوں پس تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے اس نے کہا اگر تم سچے ہو اور کوئی نشانی اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہو تو لاؤ دکھاؤ۔ موسیٰ نے (یہ سن کر) عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ ناگاہ وہ ظاہر بظاہر اژدھا بن گیا۔ پھر اپنا ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے چمک دکھانے لگا۔

مصر کے ہر بادشاہ کا لقب فرعون تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا۔ اور حضرت یوسفؑ چونکہ مصر میں خریدے گئے تھے لہٰذا یہ فرعون تمام بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھتا تھا اور ان سے سخت سے سخت محنت لیتا تھا۔ نہ صرف وہ بلکہ اس کی ساری قوم ایسا ہی کرتی تھی۔ اس قید ستم سے چھڑانے کے لیے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا گیا تھا۔ اس نے سات قلعے بنائے تھے جن کے چاروں طرف بانسوں کے جنگل تھے ان میں شیر چھوڑ رکھے تھے تاکہ موسیٰؑ اس تک پہنچ سکیں جب موسیٰؑ اُونی ٹوپی اور اُونی کرتا پہنے اور بالوں کی رسّی کمر میں باندھے مصر میں آئے تو شیر انہیں دیکھ کر بھاگ گئے اور جب شہر کے اندر پہنچے اور دروازہ پر آئے تو وہ خود بخود کھل گیا۔ جب فرعون کے محل کے دروازہ پہ پہنچے تو دربانوں نے ٹوکا۔ پوچھا تم کون ہو؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا ہم اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے ہنس کر کہا، کیا خدا کو کوئی اور رسول بنانے کے لیے نہ ملتا تھا جو تمہیں منتخب کیا۔ جب وہ یہ کج بحثی کر رہے تھے تو حضرت موسیٰؑ نے دروازہ پر عصا مارا وہ فوراً کھل گیا۔ اس کے بعد اور بھی کئی دروازے تھے جس پہ عصا مارتے وہی کھل جاتا یہاں تک کہ آپؑ اس مقام پر جا پہنچے جہاں فرعون تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے گرد اس کے ارکانِ سلطنت تھے۔ انہوں نے جو ایک اجنبی کو آتے دیکھا تو بڑھ کر روکنا چاہا۔ فرعون نے منع کیا اور کہا آنے دو، آخر میں دیکھوں تو یہ کون ہے جو اتنی رکاوٹوں کے باوجود مجھ تک پہنچ گیا۔ اس نے موسیٰؑ سے کہا تم کون ہو۔ انہوں نے فرمایا، میں خدا کا رسول ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ اس نے کہا، کیا ثبوت ہے اس کا کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا اور منہ کھولے فرعون کی طرف بڑھا۔ فرعون نے دیکھا کہ اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ وہ اور اس کے ساتھی خوف زدہ ہو کر بھاگے اور فرعون کا مارے خوف کے پاخانہ نکل گیا۔ غُل مچایا کہ موسیٰؑ اسے روکو۔ جب موسیٰؑ نے اُسے پکڑا تو وہ پھر عصا بن گیا۔

حضرت یوسف کے زمانہ میں جو فرعون ریّان نامے تھا یہ فرعون (ولید) اس کا پوتا تھا۔ فرعون نے اپنی وسعتِ سلطنت کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا اتنی کثیر مخلوق کا روزی دینے والا میں ہوں پس ضرور میرے اندر خدا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ میں اپنی رعایا سے اپنے ربِّ اعلیٰ ہونے کا اقرار نہ لوں۔ چنانچہ اُس نے اپنی خدائی کا اعلان کر کے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کو خدا مانیں۔ یوں سمجھئے جیسے ہندؤوں میں مہا دیو مانا جاتا ہے اسی طرح مصریوں میں فرعون تھا۔

اس زمانہ میں نجومیوں کے اثرات کو بڑا دخل تھا چنانچہ نجومیوں نے فرعون سے بیان کیا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری سلطنت کی تباہی اور تیری موت کا باعث ہوگا۔ فرعون نے اس کے بعد یہ احکامات جاری کیے کہ بنی اسرائیل میں جو عورت حاملہ ہو اس کی نگرانی شروع کر دی جائے۔ اگر لڑکا پیدا ہو تو فوراً قتل کر دیا جائے اور اگر لڑکی ہو تو اُسے زندہ رکھا جائے اور جب سیانی ہو جائے تو اُسے کنیز بنا لیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے پیدا ہونے سے پہلے فرعون نے دس ہزار بچوں کو قتل کرایا تھا۔ بنی اسرائیل کے لیے یہ بڑا سخت وقت تھا۔ نہ پائے رفتن نہ تابِ ماندن۔

قرآن مجید میں اس قصّے سے پہلے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کے قصّے بیان کیے جا چکے ہیں۔ اب یہاں سے حضرت موسیٰؑ کا قصّہ شروع ہوتا ہے جو کئی رکوع تک چلا گیا ہے۔

قرآن مجید کے یہ قصے الف لیلہ یا طلسم ہوشربا کی داستانیں نہیں جو تفریح طبع کے لیے پڑھی جاتی ہیں بلکہ یہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے قصے ہیں جو بیشمار اخلاقی و روحانی، تمدنی و معاشرتی سبق بداماں ہیں۔ ان کو پڑھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور خدا کے نافرمان بندوں پر جو عذاب نازل ہوئے ان سے سبق لینا چاہیئے۔

حضرت موسیٰؑ کا قصہ جو یہاں سے شروع ہو رہا ہے پڑھنے والوں کو خاص طور سے چند امور کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

۱۔ ہر نبی و رسول کے زمانہ میں جب لوگوں کو دعوتِ اسلام دی گئی تو انہوں نے خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کا ثبوت طلب کیا اس لیے ضروری ہوا کہ خدا اپنے رسولوں کو اس زمانہ کے لحاظ سے معجزات عطا کرے چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر اپنی رسالت ظاہر کی تو اُس نے بھی معجزہ طلب کیا۔

۲۔ خداوند عالم اپنے ایک نمائندہ کو صاحبانِ سلطنت اور بڑے بڑے اُمرا اور رؤسا سے مقابلہ کرنے کے لیے بھیج دیتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی لشکر کو نہیں بھیجتا۔ چونکہ خدا کی طاقت اس کی پشت پر ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے دشمنوں پر غالب آتا ہے۔

۳۔ خدا کے یہ نمائندے جو بظاہر نہایت زدہ حالت میں ہوتے ہیں بڑے مستقل مزاج اور قوی نیت والے ہوتے ہیں وہ مصائب و آلام کے ہجوم سے اکتا کر ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتے۔

۴۔ وہ حکمِ خدا کو بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ جان و مال و آبرو کسی چیز کے جانے کی پرواہ نہیں کرتے اور جو بات کہنی ہوتی ہے ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں خوف و ہراس ان میں جگہ نہیں پاتا۔

۵۔ خدا پہلے اپنے نافرمان بندوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی غلط کاریوں کو سمجھیں۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنے رسولوں کو ہدایت کرتا ہے کہ پہلے نرم لہجہ میں اُن کو سمجھائیں اور خدا کی حجت ان پر تمام کریں۔

۶۔ جب نافرمان بندے ہدایت کرنے والوں کی بات کو کان لگا کر نہیں سنتے تو پہلے اُن کو عذاب کے نازل ہونے سے ڈرایا جاتا ہے کوئی عذاب یکایک نہیں نازل کیا جاتا۔ جب کسی طرح نہیں مانتے تو پھر قہرِ الٰہی ان پر اس طرح نازل ہوتا ہے کہ کسی فرد کو اس سے پناہ نہیں ملتی اور وہ سب ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔

۷۔ عذاب کے بعد خدا اپنے مظلوم بندوں کو اُن ظالموں کی جگہ لاتا ہے اور ویران بستیوں کو ان سے آباد کرتا ہے ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔

۸۔ ہمیشہ سے ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب قوموں میں دولت کی بہتات ہوتی ہے اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں تو وہ اپنے قادر و قیوم خدا کو جو درحقیقت ان نعمتوں کا دینے والا ہوتا ہے رفتہ رفتہ بھولنا شروع کر دیتے ہیں اور بجائے اس کی طرف دل لگانے اور اس سے عرضِ حال کرنے کے وہ خدا کی بجائے کسی غیر کو اپنا محسن و مربی سمجھنے لگتے ہیں اور اپنی قسمت کا بناؤ بگاڑ سب کچھ ایسی طاقتوں کے حوالے کر دیتے ہیں جو خود اپنی بقا و ترقی میں خدا کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ اندھی تقلید ہر زمانہ میں ان کی تباہی کا باعث ثابت ہوئی ہے۔

۹۔ جو واقعات اقوامِ عالم کے بیان کیے گئے ہیں ان سے عبرت حاصل کرنا صرف اس زمانہ سے ہی مخصوص نہ تھا بلکہ قیامت تک ہر زمانہ والوں کو ان سے سبق لینا ہوگا اور جو لوگ ایسا نہ کریں گے وہ خدا کی سزا کے ضرور مستوجب ہوں گے۔ بہت سی سزائیں تو

دنیا ہی میں ان کو مل جاتی ہیں اور جو بچ جاتے ہیں ان کے لیے آخرت کی وہ سزائیں ہیں جن کے تصور سے کلیجے لرزتے اور دل کانپتے ہیں

۱۰۔ ظالم لوگوں کے ہاتھوں جو مصیبتیں کمزوروں پر نازل ہوتی ہیں ان پر صبر کرنا پیش خدا بڑا اجر رکھتا ہے۔ ان سے گھبرا کر جو لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں ان کو احمقوں میں شمار کرنا چاہیئے۔ خدا اپنی مصلحت سے ڈھیل ضرور دیتا ہے لیکن ظالموں سے نہ تو وہ غافل ہو جاتا ہے اور نہ مظلوموں کی طرف توجہ کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

۱۱۔ انبیاء پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہ نسبت ایمان نہ لانے والوں کے اگرچہ ہر زمانہ میں کم رہی ہے لیکن بدی پر غلبہ نیکی کرنے والوں کو ہی رہا ہے اور غور کر کے دیکھا جائے تو یہی کامیاب زندگی کے نمایاں پہلو ہیں۔

۱۲۔ انبیاء و مرسلین پر جو غلبہ مشرکین و کفار کا دیکھا جاتا ہے اس سے بظاہر انبیاء کی مغلوبیت کا ثبوت ملتا ہے لیکن یہ سمجھنا غلط ہے مادی فتح، فتح نہیں کہلاتی اور نہ مظلوموں کی شکست کو بکثرت مخالفوں کے مقابلہ میں شکست سمجھا جا سکتا ہے فتح درحقیقت اصول کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے اصولِ زندگی کو عقلِ انسانی قابلِ تقلید سمجھتی ہے فتح اس کی ہوتی ہے۔ مادی فتح کے ڈنکے چند روز بج کر رہ جاتے ہیں لیکن اصولی فتح کی نوبت ہر زمانہ میں بجتی رہتی ہے اور لوگ ایسی زندگی ہی کو انسانی زندگی سمجھ کر اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَاۤئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَاۤءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۤءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

قومِ فرعون کے سرداروں نے (قوم سے) کہا یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے پس اس کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ ان سب نے کہا اے فرعون اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ دن کی مہلت دو اور شہروں میں کچھ ہرکارے بھیجے جائیں تاکہ وہ وہاں سے بڑے کھلنڈری جادوگروں کو

تیرے پاس لے آئیں۔ فرعون کے جادوگر آگئے۔ انہوں نے کہا اگر ہم غلبہ حاصل کرلیں تو ہمیں کوئی بڑا اجر ملنا چاہیئے۔ فرعون نے کہا ہاں (ضرور ملے گا) تم میرے مقرب لوگوں میں سے بن جاؤ گے۔ جادوگروں نے موسٰی سے کہا اے موسٰی پہلے تم (اپنے منتر) پھینکو گے یا ہم پھینکیں۔ حضرت موسٰی نے کہا تم ہی پہلے پھینکو۔ جب انہوں نے (اپنی رسّیاں) ڈالیں تو لوگوں کی نظر بندی کر دی (کہ سب سانپ معلوم ہونے لگیں) اور لوگوں کو ڈرا دیا اور ان لوگوں نے (اپنے خیال میں) بہت بڑا جادو دکھایا۔

تفسیروں میں ہے کہ بارہ ہزار جادوگر جمع ہوئے تھے ان میں چار چوٹی کے کھلاڑی تھے اور سب کا گرو گھنٹال شمعون نامی ایک جادوگر تھا۔ مصر میں آتے ہی ان لوگوں نے سن لیا تھا کہ موسٰیؑ کے سوتے وقت بھی ان کا عصا اژدہا بن کر ان کی حفاظت کرتا ہے اسی وقت سے ان کی ہمت پست ہوگئی کیونکہ جادوگر کے سونے کے بعد جادو کا اثر نہیں رہتا۔ یہ مقابلہ اسکندریہ کی زمین پر ہوا تھا مقابلہ کے وقت تمام خلقت مع لشکرِ فرعون جمع ہوگئی تھی اور فرعون ایک تخت پر بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

اس زمانہ میں جادوگروں کا بڑا زور تھا۔ انسانی زندگی کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ جادو کا تماشہ تھا۔ کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں بکثرت جادوگر نہ ہوں۔ اس ناپاک شغل میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک تھیں۔ ماں باپ اپنی اولاد کو شروع ہی سے جادو سکھانا شروع کر دیتے تھے۔ فرعون اور اس کے سرداروں نے مذاقِ عوام کے مطابق یہی سمجھا کہ موسٰیؑ و ہارونؑ دونو جادوگر ہیں۔ وہ معجزہ کی حقیقت کو سمجھے ہوئے نہ تھے۔ ہم نے سورۂ بقر (جلد اوّل) میں ہاروت و ماروت کے قصّہ میں جادو اور معجزہ کا فرق بیان کر دیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ معجزہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ دوسروں کو ایسا عمل دکھانے سے عاجز کر دیتا ہے۔ رہا جادو تو ایک جادوگر دوسرے پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

جادوگروں نے جو رسیوں کے ٹکڑے ہوا میں اُڑائے تھے اور وہ سانپ بن کر لہرانے لگے تھے حقیقتاً سانپ نہیں تھے بلکہ جادو کے زور سے لوگوں کو سانپ نظر آنے لگے تھے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

(جب جادوگر یہ تماشہ دکھا رہے تھے) ہم نے موسٰی کو وحی کی کہ اب تم اپنا عصا ڈالو۔ (جونہی اسے ڈالا) وہ

اژدہا بن کر ان چھوٹے سانپوں کو ایک ایک کرکے نگلنے لگا۔ الغرض جو حق بات تھی ثابت ہوگئی اور جو عمل جادوگر کر رہے تھے ملیامیٹ ہو کر رہ گیا پس فرعون اور اس کے پیرو سب اس اکھاڑے میں ہار گئے اور ذلیل و رسوا ہو کر پلٹے۔ جادوگروں نے (اپنی ہار مان کر) کہا ہم تو اب تمام عالموں کے پیدا کرنے والے پر جو موسٰی و ہارون کا رب ہے ایمان لے آئے۔

یہ جادوگر بڑے سمجھدار اور خوش نصیب تھے کہ بہت جلد بات کی تہ کو پہنچ گئے۔ اور اپنے ہاتھوں سے جاتی عاقبت کو سنبھال لیا۔ کیا مقابلہ ان کا ان مشرکین عرب سے جنہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے بیشمار آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا مگر ٹس سے مس نہ ہوئے اور نتیجہ میں دُنیا و دین دونوں کھو بیٹھے۔ دُنیا میں مسلمانوں کی تلواروں سے قتل ہوئے اور آخرت میں تو جہنّم کے شعلے ان کے جلانے کے لیے ہیں ہی۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ساحرانِ فرعون نے ہارونؑ و موسٰیؑ دونوں کے ربّ پر ایمان لانے کا اعلان کیا صرف موسٰیؑ پر نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نبی کے ساتھ اس کے خلیفہ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

(جب فرعون نے دیکھا کہ جادوگر ایمان لے آئے تو غضبناک ہو کر ان سے) کہنے لگا تم میری اجازت کے بغیر موسٰی و ہارون کے خدا پر ایمان لے آئے یہ تم لوگوں کی مکّاری ہے جس کو تم نے شہر میں پھیلا رکھا ہے تاکہ اس کے

باشندوں کو شہر سے نکال باہر کرو (اور خود شہر پر قابض ہو جاؤ اچھا تو) تم عنقریب (اس کی سزا) جان لو گے۔ میں تم سب کے ایک طرف سے تمہارے ہاتھ اور دُوسری طرف سے تمہارے پَیر کٹوا دوں گا اور تم کو سُولی پر چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا (پرواہ نہیں) ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ تُو ہم سے اس کے سوا اور کس بات پر عداوت رکھتا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے ربّ کی نشانیاں آئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے (اُنہوں نے دُعا کی) اے ہمارے پالنے والے ہمارے اُوپر صبر کا مینہ برسا اور ہمیں مسلمان مارنا۔ فرعون کے چند سرداروں نے فرعون سے کہا کیا آپ موسیٰ اور اُس کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ وُہ روئے زمین پر فساد برپا کریں اور تجھے بھی چھوڑ دیں اور تیرے معبُودوں کو بھی (یعنی ان میں سے کسی کی عبادت نہ کریں)۔ اُس نے کہا (گھبراؤ نہیں) ہم عنقریب ہی ان کے بیٹوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کی عورتوں کو (لونڈیاں بنانے کے لیے) زندہ رکھتے ہیں۔

ان جادوگروں کی حالت میں کیا عجیب و غریب تغیر ہُوا کہ قدرتِ خدا یاد آتی ہے ان کی دُعائیں کتنی جلد قبول ہوئیں۔ صبح اس حالت میں ہوئی کہ کافر تھے کچھ دن چڑھے اپنا جادو لوگوں کو دکھایا اور فرعون کی عزت کی قسم کھائی اور نمازِ ظہر کے وقت ان پر خدائی فضل ہُوا اور ایمان لائے اور نمازِ عصر کے وقت ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور مغرب کے وقت سُولی دی گئی اور اُسی روز بہشت میں پہنچ گئے۔ جب بگڑی قسمت بنتی ہے تو یوں بنتی ہے۔

جادوگروں کے اس واقعہ نے تمام شہر میں ہل چل مچا دی اور گھر گھر اس کا چرچا ہونے لگا۔ فرعون کی خدائی کی طرف سے لوگوں کے دل ہٹنے لگے۔ فرعون خود سخت پریشان تھا۔ اگرچہ اس نے جادوگروں کو سزا دے کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا مگر حضرت موسیٰؑ کی طرف سے جو خوف اس کے دل میں سمایا تھا اس نے راتوں کی نیند اُڑا دی تھی اور دن کا چین ختم کر دیا تھا وُہ کئی روز محل کے اندر ایک عجیب کرب میں پڑا رہا کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ بنی اسرائیل کو اس واقعہ کے بعد کتنی خوشی ہوئی ہوگی اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۱۲۸) قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۲۹) ع

(جب یہ قصہ ختم ہُوا) تو موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر (و ضبط) سے کام لو۔ زمین سب خدا ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے مالک بنا دے اور انجام بخیر تو بس پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔ وہ کہنے لگے اے موسیٰ آپ کے آنے سے پہلے بھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہمیں تو برابر تکلیف ہی پہنچ رہی ہے (کہاں تک صبر کریں) موسیٰ نے کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور زمین میں ان کی جگہ تمہیں بسائے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیا کام کرتے ہو۔

جنابِ موسیٰؑ کا واسطہ ایک عجیب نالائق قوم سے آپڑا تھا جو مصیبتیں اُن پر اُن کے کرتوتوں کی بدولت آن پڑی تھیں دیکھو کس ڈھٹائی سے ان کا الزام حضرت موسیٰؑ کے سر پر رکھ دیا۔ بجائے اس کے کہ حضرت موسیٰؑ کے آنے سے قوی دل ہوتے ان کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ان کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ اس شکست کے بعد فرعون ان سب کو ہلاک کر ڈالے گا اور اس ہلاکت کا باعث موسیٰؑ ہوں گے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (۱۳۰) فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۳۱) وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (۱۳۲) فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (۱۳۳)

(فرعون کی ذِلّت کا ایک قصّہ تو ختم ہُوا اب آپ اس کی قوم پر عذاب کا قصّہ سنئے) ہم نے فرعون کے لوگوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کی کم پیداوار کے عذاب میں گرفتار کیا تا کہ وہ عبرت حاصل کریں۔ تو جب انہیں راحت ملتی تو کہتے یہ تو ہمارے لیے ہے ہی اور اگر کوئی مصیبت آپڑتی تو اُسے موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی بدشگونی سمجھتے۔ دیکھو ان کی بدشگونی تو خدا کے یہاں لکھی جا چکی تھی مگر بہت سے لوگ اسے جانتے نہیں

(فرعون کے لوگ ایک بار موسیٰ سے) کہنے لگے تم ہم پر جادو کرنے کے لیے چاہے کتنی ہی نشانیاں لاؤ ہم تو تم پر ایمان لانے والے نہیں تب ہم نے ان پر پانی کے طوفان، ٹڈیوں، جوؤں، مینڈکوں اور خون (کا عذاب) بھیجا کہ سب جُدا جُدا ہماری نشانیاں تھیں اس پر بھی وہ لوگ تکبّر ہی کرتے رہے اور وُہ لوگ گنہگار تھے ہی۔

جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے تھے فرعون نے اپنے وزیر کے بہکانے پر انہیں قید کر دیا اور جب حضرت موسیٰؑ کی سفارش پر بھی نہ چھوڑا تو حضرت موسیٰؑ اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کے باہر جا کر خیموں میں رہے۔ اُدھر خدا نے ان پر طوفان بھیجا جس سے ان کے سارے مکانات منہدم ہو گئے اور شہر چھوڑ کر جنگل میں جا بسے۔ اس وقت فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم دعا کرو اگر اس بلا سے نجات مل گئی تو میں سب قیدیوں کو چھوڑ دوں گا۔ جب طوفان ہٹ گیا تو اُس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اس کے بعد ٹڈیوں کا عذاب آیا جو ان کی تمام کھیتیاں چاٹ گئیں اس کے بعد چچڑیاں آئیں اور اس بُری طرح بدن اور سروں میں پڑیں کہ کوئی جگہ خالی نہ رہی پھر مینڈکوں کا عذاب آیا جو ان کے کان اور ناک سے نکلتے تھے۔ کھانوں میں آ کر گرتے تھے پھر دریائے نیل کا پانی ان کے لیے خون بنا دیا مگر وہی پانی بنی اسرائیل کے لیے اصلی پانی تھا۔ یہاں تک کہ قبطی سبطیوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے منہ میں پانی لے کر ہمارے منہ میں کُلی کر دو۔ لیکن جب ان کے منہ میں جاتا تو خون ہو جاتا۔ اس کے بعد ان پر برف کا عذاب آیا جس میں دب کر بہت سے مر گئے۔ الغرض جب کوئی عذاب آتا تو فرعون حضرت موسیٰؑ کی خوشامد کرتا اور وعدہ کرتا کہ میں تمہارے خدا پر ایمان لے آؤں گا مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ لیکن جب بلا ہٹ جاتی تو پھر کچھ نہیں۔ اسی طرح چالیس برس گزر گئے آخر خدا نے ایک وبا بھیجی جس سے نصف شب کو ہر شخص کا بڑا بیٹا مر گیا جب اس طرح تمام قومِ فرعون پریشانی میں مبتلا تھی تو حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو قید سے چھڑا کر چلتے ہوئے۔ جب کئی روز بعد فرعون کو ان کے جانے کا حال معلوم ہوا تو ان کا پیچھا کیا۔

غور کیجئے جس قوم پر بار بار اتنے عذاب آئے اس کی نافرمانی کس حد تک تھی اور کیسے ہٹی لوگ تھے۔ ایک ہی عذاب ان کو کفر سے توبہ کرنے کے لیے کافی تھا مگر جب کسی کی شامت آتی ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے۔ بہت سے لوگ جو درپردہ ایمان لائے تھے وہ فرعون کے خوف سے اظہار نہ کر سکتے تھے اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے جا رہے تھے۔ فرعون خود گھبرایا ہوا تھا۔ ایک روز اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ موسیٰؑ کے معاملہ نے زندگی تلخ کر دی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اب ان کے خدا پر ایمان لے آؤں۔ ہامان نے کہا آپ کیا غضب کرتے ہیں سالہا سال خدائی کا دعویٰ کرنے کے بعد یکایک اس سے باز آ جانا ساری قوم کی نظر میں آپ کو ذلیل کر دے گا اور خدائی کے ساتھ اس سلطنت سے بھی دست بردار ہونا پڑیگا ہامان بڑا چالاک آدمی تھا وہ فرعون کو احمق بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتا تھا اور اس کے نام پر خود سلطنت کا مالک بنا بیٹھا تھا وہ سمجھتا تھا کہ اگر فرعون ایمان لے آیا تو اس کے حلوے مانڈے ختم ہو جائیں گے۔

اس میں قابلِ غور لفظ اٰلِ فِرْعَوْنَ ہے۔ فرعون کے جب اولاد نہ تھی تو خدا نے اس کے لیے 'آل' کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ جواب یہ ہے کہ آل کا لفظ خاندان کے خاص خاص افراد پر بولا جاتا ہے چونکہ فرعون کے خاندان والے ارکان حکومت

تھے اور فرعونی قلمرو پر ان کا حکم چلتا تھا۔ لہٰذا فرعون کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا۔ دوسرے فرعون چونکہ اپنے کو ربِّ اعلیٰ کہتا تھا اور ساری رعایا کو اس حیثیت سے اپنی اولاد سمجھتا تھا کہ وہ اپنے زعمِ ناقص میں ان سب کی پرورش کر رہا تھا۔ تیسری وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ فرعون کا ایک بھائی اسلون نامی تھا جس کی کثیر اولاد تھی فرعون ان کو از راہِ شفقت اپنی اولاد سمجھتا تھا اور چونکہ ملکی معاملات میں ان کو بہت بڑا دخل تھا لہٰذا ان کو آلِ فرعون کہا گیا۔ دُنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کسی شکست خوردہ کے مقابل اپنی فتح کا ذکر کرتے ہیں عوام کا ذکر ان کے تحت میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسلمانوں نے کیانی خاندان کو شکست فاش دے کر سارے ملک پر قبضہ کر لیا۔ حالانکہ شکست میں ساری رعایا شریک نہیں تھی مگر کہا یہی گیا کہ کیانیوں نے شکست کھائی۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

جب ان پر عذاب آتا تو کہنے لگتے اے موسیٰ خدا نے تم سے قبولِ دُعا کا عہد کر رکھا ہے لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دُعا کرو اگر ہم سے تم نے عذاب ہٹوا دیا تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو ضرور آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ لیکن جب ہم ان سے اس وقت کے لیے جس تک وہ ضرور پہنچتے عذاب ہٹا لیتے تو وُہ فوراً بدعہدی کرنے لگتے آخر ہم نے ان کی شرارتوں کا بدلہ لیا اور ان کو دریا میں ڈبو دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے غافل پڑے ہوئے تھے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ بِمَا

صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور جس قوم کو یہ کمزور سمجھتے تھے ہم نے اسے (ملک شام کے) پورب پچھم کی ان زمینوں کا مالک بنا دیا جن کو ہم نے زرخیز بنا دیا تھا اور تمہارے رب نے جو نیک وعدہ بنی اسرائیل سے صبر کرنے کی وجہ سے کیا تھا وُہ پورا ہو گیا اور فرعون اور اس کی قوم نے جو بلند عمارتیں بنا کھڑی کی تھیں ان سب کو ہم نے برباد کر دیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے اس پار اُتار دیا تو وُہ کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے گزرے جو اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بُتوں کو گھیرے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے اے موسٰی ہمارے لیے بھی ایسے معبُود بناؤ جیسے ان لوگوں کے معبُود ہیں۔ حضرت موسٰی نے کہا بے شک تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ یہ سب جس مذہب پر ہیں وہ برباد ہو کر رہے گا اور جو کچھ وُہ کر رہے ہیں (پُوجا پاٹ) یہ سب باطل ہے اور یہ بھی کہا کیا تم خدا کے سوا کسی اور کو معبُود بنا لو گے؟ حالانکہ خدا نے تم کو تمام عالموں پر فضیلت دی ہے اور (بیوقوفو) ذرا اس وقت کو تو یاد کرو جب فرعون کے لوگوں سے ہم نے تمہیں نجات دی جبکہ وُہ تمہیں سخت سے سخت تکلیفیں پہنچا رہے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (لونڈیاں بنانے کے لیے) زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے (صبر کی) سخت آزمائش تھی۔

یہاں سے بنی اسرائیل کی شرارتوں کی داستان شروع ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو کر بنی اسرائیل کو دریا سے پار اُتار دیا تو وہاں یمن کا ایک قبیلہ بڑے خوبصُورت بُت سامنے رکھے ان کی پُوجا پاٹ کر رہا تھا۔ جوں ہی بنی اسرائیل کی نظر ان گورے گورے چکنے چاندنے بُتوں پر پڑی تو للچا گئے اور حضرت موسٰیؑ سے کہنے لگے بس ہمیں تو ایسے خدا بنوا دیجئے تاکہ اس قوم کی نیازمندی کی طرح ہم بھی انہیں اپنے دل و جان صدقے واری کر کے دکھائیں۔ حضرت موسٰیؑ کو غصہ آ گیا اور فرمانے لگے یہ بُت ہیں کیا اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے یہ سب ڈھونگ ہے اور باطل پرستی بے وقوفو، خدا کو چھوڑ کر اب کس کو خدا بنانے لگے۔ خدا کے انعامات بھول گئے اس نے بعض دنیا والوں کے مقابل کیسی عزت دے رکھی ہے کہ اولادِ انبیاء کہلاتے ہو پھر اس نے تم کو فرعون کے رُوح فرسا اور جاں گُسل مصائب سے نجات دی۔ اس پر بھی اے احمقو تم اس معبودِ برحق کی جگہ ان ناکارہ پتھروں کی پُوجا کرنا چاہتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام ہی کا کلیجہ تھا کہ ایسے ہٹی اور سرکش، بے عقل و کج فہموں میں رہ کر ان کو ہدایت کرتے تھے اور ان باتوں کو برداشت کرتے تھے جن پر عام لوگ غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰي ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰي لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰي لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰي صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

ہم نے موسٰی سے (توریت دینے کے لیے) تیس رات کا وعدہ کیا اور ہم نے اس میں دس دن اور بڑھا کر پورا کر دیا غرض ان کے رب کا وعدہ چالیس راتوں میں پُورا ہو گیا اور موسٰی نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم میں تم میرے جانشین بنو اور ان کی اصلاح کرو اور مفسدوں کے راستہ کی پیروی نہ کرنا۔ جب موسٰی ہمارا وعدہ پورا کرنے طُور پر آئے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو انہوں نے کہا خداوندا تُو مجھے اپنی ایک جھلک دکھا

دے کر میں تجھے دیکھ لوں۔ خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو (ہم) اس پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہ گیا تو پھر تم عنقریب مجھے بھی دیکھ لو گے (ورنہ نہیں) پس جب اُن کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے تیری ذات رویت سے پاک ہے میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

ان آیات میں بہت سی باتیں قابلِ توضیح ہیں :

(۱) خدا نے پہلے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا کہ موسیٰؑ طور پر آ کر تیس دن روزہ رکھیں اور اپنے نفس کا تزکیہ اس لیے کریں کہ وہ توریت لینے کے اہل قرار پائیں پھر خدا نے دس روز اور بڑھا دیئے۔ دس دن کیوں بڑھائے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے

۱ - حضرت موسیٰؑ روزے سے تھے جبکہ کلام کرنے کے لیے جانے لگے تو اس خیال سے کہ روزہ دار کے منہ سے بُو آتی ہے ایک درخت کی پتی اپنے منہ میں رکھ لی جو خوشبودار تھی۔ خدا نے فرمایا اے موسیٰ تم نے یہ کیا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزہ دار کی بوئے دہن ہمیں بہت بھاتی ہے۔ لہٰذا اب دس روزے اور رکھو تب توریت ملے گی۔

۲ - حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے تیس دن غائب رہنے کا وعدہ کر کے گئے تھے خدا نے دس دن بڑھا کر ان کی قوم کا امتحان لیا۔ چنانچہ تیس دن گزرنے کے بعد جب موسیٰؑ واپس نہ ہوئے تو ان کی قوم میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ مفسدوں نے کہنا شروع کیا کہ خدا ان سے ہمکلام ہؤا ہی نہیں لہٰذا شرم کی وجہ سے نہیں آ رہے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ قوم سامری کے دامِ فریب میں آ کر گمراہ ہو گئی۔ تھوڑے لوگ ایمان والے رہ گئے جو حضرت ہارونؑ کے ساتھ رہے۔

(۲) جب حضرت موسیٰؑ طُور پر جانے لگے تو اس خیال سے کہ قوم گمراہ نہ ہو جائے اپنا جانشین جناب ہارونؑ کو بنایا اور انہیں سمجھا دیا کہ ان کی اصلاح کی طرف متوجہ رہنا اور مفسدوں کی راہ اختیار نہ کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کو ان کے گمراہ ہونے کا خدشہ تھا۔ ایک نبی نے صرف چالیس روز غائب رہنے کی صورت میں بھی اپنی قوم کو بغیر اپنا جانشین مقرر کیے نہ چھوڑا تو کیسے ممکن تھا کہ حضرت رسولِ خدا جبکہ دُنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہے تھے بغیر اپنا جانشین مقرر کیے چلے جاتے اور امت پر چھوڑ دیتے کہ تم جسے چاہو بنا لینا۔ قوم نے حضرت ہارونؑ کی ہدایت پر عمل نہ کیا، ان کو اپنا ہادی نہ سمجھا اور سامری کے فریب میں آ گئے نتیجہ اس کا انہی کے حق میں بُرا ہؤا یعنی صراطِ حق سے ان کے قدم ہٹ گئے اور بجائے خدا پرست ہونے کے گوسالہ پرست بن گئے۔

(۳) خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ یہ سب سے پہلے نبی ہیں جو کلیم اللہ کہلائے اور خدا نے ان سے باتیں کیں لیکن خدا کا کلام کرنا ہماری طرح نہ تھا یعنی جس طرح ہم منہ سے بولتے ہیں وہ اس طرح کلام نہیں کرتا کیونکہ وہ اعضا و جوارح سے منزّہ و مُبرّا ہے بلکہ اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے چنانچہ حضرت موسیٰؑ بوقتِ مکالمہ ایک درخت زیتون کے پاس جاتے تھے اور اس درخت سے ایک آواز آتی تھی جس کو حضرت موسیٰؑ کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا

تھا۔ وہ کس طرح کی آواز ہوتی تھی اس کو موسیٰؑ ہی جانتے تھے انہوں نے قوم کے سامنے اس کی کوئی توضیح نہیں کی۔

(۴) ایک بار جب جناب موسیٰؑ طور پر جانے لگے تو قوم نے اصرار کیا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے ہر چند منع کیا مگر وہ نہ مانے اور اس ہٹ پر جمے رہے کہ وہ خدا سے یہ درخواست کریں ورنہ ہم ان کو قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ مجبوراً جناب موسیٰؑ نے ان کی طرف سے ان کے الفاظ میں یہ دعا کی ورنہ ایک نبی و رسول ایسی غلط درخواست کیسے کر سکتا تھا خدا نے جواب دیا تم مجھے ہرگز نہ دیکھو گے لن ترانی میں حرف لَن داخل ہے جو مستقبل کی نفی کو ظاہر کرتا ہے یعنی کبھی نہ دیکھو گے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ پس جو آخرت میں دیدارِ الٰہی کی امید دل میں لیے ہوئے ہیں ان کو اپنے عقیدہ کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ خدا نے ایک بجلی چمکائی جو خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق تھی۔ اس کے چمکتے ہی طور کے ٹکڑے ہو گئے اور موسیٰؑ غش کھا گئے۔ جیسا کہ جس کا ظرف تھا ویسا ہی اثر ہؤا۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ تم جب ایک صاعقہ کی چمک دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتے تو اس کے خالق کو دیکھنے کی درخواست کرنا ایک غلط سوال ہے۔

الغرض جب موسیٰؑ ہوش میں آئے تو خدا سے توبہ کی اور کہا میں سب سے پہلا ایمان لانے والا مومن ہوں۔

اسلام میں ایک فرقہ جو مشبّہ و مجسّمہ کہلاتا ہے خدا کو صاحبِ جسم مانتا ہے۔ اُس کا عقیدہ ہے کہ روزِ قیامت خدا اپنی مخلوق کے سامنے آئے گا اور وہ ایک تختِ زرنگار پر بیٹھا ہوگا بڑا موٹا تازہ گبھرو جوان ہوگا وہی خود سب سے سوال کرے گا۔ ایک فرقہ خدا کے حلول کرنے کا قائل ہے یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ پاک باطن اور روشن ضمیر ہوتے ہیں خدا ان کے اندر حلول کر جاتا ہے یہ ایسا ہی عقیدہ ہے جیسے ہندوؤں کا کہ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے اندر خدا کو حلول کیا ہؤا سمجھتے ہیں۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَىِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

خدا نے فرمایا اے موسٰی میں نے تم کو تمام لوگوں پر اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے لیے منتخب کیا پس جو میں دے رہا ہوں اُسے لو اور میرے شکر گزار بندوں میں بنے رہو۔ اور ہم نے توریت کی تختیوں پر موسٰی کے لیے ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کو تفصیل وار لکھ دیا تھا پس اے موسٰی اُسے پُوری قوت سے لو (یعنی پوری طرح اس پر عمل کرو) اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کی اچھی باتوں پر عمل کریں اور میں بہت جلد تمہیں بدکرداروں کا گھر دکھا دوں گا (کہ انہیں کیسے اُجاڑتا ہوں)۔ جو لوگ زمین پر ناحق اکڑ رہے ہیں میں ان کو اپنی آیتوں کی طرف سے بہت جلد پھیر دوں گا (اور میں کیا پھیر دوں گا خود ان کا دل ایسا سخت ہے کہ) اگر دُنیا جہاں کے سارے معجزے بھی دیکھ لیں گے تو بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر سیدھا راستہ دیکھ بھی لیں تو بھی اس راستہ پر نہ چلیں گے اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں گے تو اس پر فوراً چل پڑیں گے یہ اس لیے ہے اُنہوں نے ہماری آیتوں کو جُھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔

الواحِ توریت کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان تختیوں کی تعداد چالیس تھی۔ کچھ کہتے ہیں تیس تھی بعض کہتے ہیں دو ہی تھیں۔ لیکن اگر دو ہوتیں تو الواح جمع کا صیغہ نہ ہوتا۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان کی نوعیت کیا تھی۔ بعض نے لکھا ہے پہاڑ کے پتھروں پر موسٰیؑ نے پتھر کی نوک سے خود کھودا تھا۔ لیکن اس صورت میں ایسی سپاٹ سلیں کہاں تھیں جن پر پوری توریت لکھ لی گئی۔ موسٰیؑ کا قیام طُور پر توریت ملنے کے بعد ثابت نہیں پھر ان کو کہاں کھودا۔ بعض کے نزدیک پوری توریت لکھی لکھائی الواح پر خدا کے یہاں سے آئی تھی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ وہ پتھروں کی تختیوں پر تھی یا کسی دھات پر۔ البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تختیاں اتنی ہلکی تھیں کہ موسٰیؑ طور پر سے بغل میں دبا کر لے آتے تھے۔

آسمانی کتابوں میں صرف یہی ایک کتاب ہے جو ایک بار لکھی ہوئی بصورتِ کتاب نازل ہوئی۔ توریت بلحاظ احکامِ الٰہی ایک نہایت مفصّل کتاب تھی جس میں روحانی۔ اخلاقی۔ حیاتی۔ سیاسی۔ تمدّنی اور معاشرتی مسائل کو واضح طور پر بیان کیا گیا تھا۔ ان آیات میں قوم موسٰیؑ کی افتادِ طبیعت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ جو راستہ نیکی کا ہے اس پر نہیں چلتے ہاں جو بدی کے راستے ہیں ان کو فوراً اختیار کر لیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آیات کی طرف یہ توجہ ہی نہیں کرتے پھر ایسی صورت میں ان لوگوں کا گمراہ ہونا یقینی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور روز قیامت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے تمام اعمال اکارت گئے جیسا انہوں نے کیا ہے ویسا ہی بدلہ اُن کو ملے گا۔ طُور پر جانے کے بعد قوم موسٰی نے اپنے زیوروں کو گلا کر ایک بچھڑے کی مُورتی بنالی جس میں گائے کی سی آواز تھی (افسوس ہے) انہوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہ نہ تو ان سے بات ہی کر سکتا ہے نہ انہیں ہدایت ہی کر سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اُسے اپنا معبُود بنا ہی لیا اور اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب ان کی فریب زدگی کا طلسم ٹُوٹا (پچھتائے) اور انہوں نے اپنے کو گمراہ دیکھ لیا تو کہنے لگے اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہمارا قصُور معاف نہ کرے گا تو ہم گھاٹا اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اس موقع پر ہم چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی مذہبی اور اخلاقی حالات پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈالیں۔ باوجودیکہ اس قوم میں انبیاء کے آنے کا سلسلہ برابر جاری رہا لیکن ان کی اخلاقی اور مذہبی حالت کسی وقت بھی قابلِ اطمینان نہ ہوئی۔ شرارت اور سرکشی تو ان کی گُھٹی میں پڑی تھی۔ ہمیشہ انبیاء کو جھٹلاتے رہے اور آیاتِ الٰہی کا مضحکہ اڑاتے رہے اور یہ وبا اتنی عام تھی کہ تمام لوگوں سے گزر کر ان کے علماءؑ اور فضلاءؑ تک جا پہنچی تھی۔ حضرت موسٰیؑ کے آنے سے پہلے ہی کفر و شرک کی لپیٹ میں پوری طرح آچکے تھے۔ مصریوں میں قدیم الایّام سے گائے کی پُوجا ہوتی چلی آرہی تھی چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ ان کے دلوں میں گائے کی محبت پُوری طرح سرایت کر گئی تھی۔ وہ خدا پرستی سے دُور ہو کر بُت پرستی کے دلدادہ بنے ہوئے تھے۔ ابھی مصر سے نکلے تین مہینے ہی گزرے تھے کہ وہ خدا کے تمام احسانات بھول گئے۔

خدا نے ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دی، مصر کی سرزمین کا ان کو مالک بنایا۔ قوم فرعون کے تمام مال و متاع پر ان کا قبضہ ہُوا۔ لیکن اس پر بھی وہ کفر کی محبت سے باز نہ آئے۔ دریائے نیل سے پار ہوتے ہی انہوں نے جب ایک قوم کو بتوں کی پُوجا کرتے دیکھا تھا تو حضرت موسٰیؑ سے ہٹ ماری تھی کہ ہمارے لیے بھی ایسے ہی بُت بنا دیجیے۔ اس کے بعد جب موسٰیؑ کوہ طور پر گئے تو ہٹ ماری کہ ہمیں خدا کو کُھلم کُھلا دکھا دیجئے۔ پھر ان کے جانے کے بعد بجائے حضرت ہارونؑ

کی ہدایت پر عمل کرنے کے سامری کے دامِ فریب میں جا پھنسے اور گائے کے بچھڑے کی پوجا کرنے لگے۔ گائے کی محبت پہلے سے ہی دل میں تھی اب جو سامری نے ذرا سا اکسایا تو ان کی جبینِ نیاز اس کے سامنے جھک گئی۔ غور کیجئے ایسی بدبخت قوم پر خدا نے بار بار جو عذاب کیے ضرور یہ لوگ اس کے سزاوار تھے۔ ان کی عقلوں پر ایسے پتھر پڑے تھے کہ سیدھا راستہ انہیں سجھائی دیتا ہی نہ تھا۔ ہاں اگر کوئی گمراہ کرنے والا کسی راستہ کو دکھاتا تو فوراً اس پر چل پڑتے۔

یہودی جو انہی بنی اسرائیل کی اولاد ہیں یا ان کے ماننے والے ہیں آج تک اسی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور جن غلط راستوں پر وہ ان کو چلا گئے ہیں انہی پر بغیر آگا پیچھے دیکھے چلے جا رہے ہیں۔ محرّف توریت ان کے ہاتھوں میں ہے اسی کے مطابق ان کا عمل درآمد ہے۔ قرآن نے بار بار ان کو ٹوکا اور ان کی غلطیوں کی طرف توجہ دلائی مگر جو رام برسوں سے ان کے دلوں میں سمایا ہوا تھا اس کو دل سے نکال کر خدا پر کیسے ایمان لا سکتے تھے۔ یہودی مذہبی معاملات میں سب سے زیادہ ہٹ دھرم واقع ہوئے ہیں اور ہر قوم سے زیادہ اسلام کی دشمنی ان کے دلوں میں جگہ پائے ہوئے ہے جیسا کہ قرآن نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰۤى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ وَاَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِيۡهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِىۡ وَكَادُوۡا يَقۡتُلُوۡنَنِىۡ ۖ فَلَا تُشۡمِتۡ بِىَ الۡاَعۡدَآءَ وَلَا تَجۡعَلۡنِىۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِاَخِىۡ وَاَدۡخِلۡنَا فِىۡ رَحۡمَتِكَ ۖ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۸ اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَيَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَذِلَّةٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُفۡتَرِيۡنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهَا وَاٰمَنُوۡۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۵۳﴾

جب موسیٰ پلٹ کر اپنی قوم کی طرف آئے (اور یہ دیکھا کہ گوسالہ پرستی ہو رہی ہے) تو رنج و غصہ میں اپنی قوم

سے کہنے لگے تم لوگوں نے میرے جانے کے بعد بہت ہی بری حرکت کی تم لوگ میرے پروردگار کے حکم میں کتنی جلدی کر بیٹھے (میرے آنے کا انتظار بھی نہ کیا) توریت کی تختیوں کو زمین پر ڈال دیا اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ (ہارون نے) کہا لے میرے ماں جائے میں کیا کرتا اس قوم نے مجھے حقیر سمجھا اور میرا کہنا نہ مانا، قریب تھا کہ یہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسوائیے اور مجھے ان ظالم لوگوں میں سے نہ قرار دیجئے تب موسیٰ نے کہا میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنایا ہے عنقریب ہی اُن کے پروردگار کی طرف سے عذاب نازل ہوگا اور دنیوی زندگی میں ذلیل ہوں گے اور ہم بہتان باندھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے ہیں اس کے بعد توبہ کر لی ہے اور ایمان لے آئے ہیں تو بے شک تمہارا رب اس کے بعد بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات میں بہت سی باتیں قابلِ توضیح ہیں :

(۱) موسیٰؑ نے غصہ میں الواح کو پھینک دیا۔ بظاہر اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ معاذ اللہ انہوں نے کتابِ خدا کی توہین کی نفسیاتی مضمرات پر غور کیا جائے تو حضرت موسیٰؑ کا یہ فعل داخلِ گستاخی نہ تھا بلکہ اس موقع پر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ایک نبی جب یہ دیکھتا ہے کہ قوم نے اس کی کوششوں پر پانی پھیر دیا اور خدا کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کرنے لگے تو غصہ میں اپنے پر قابو رکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ غصہ اپنی توہین پر نہ تھا بلکہ خدا کی توہین پر تھا۔ چونکہ حضرت ہارونؑ سے مؤاخذہ کرنا تھا لہٰذا ساری تختیاں زمین پر گرا دیں اور بھائی سے جا لپٹے۔

(۲) ہارونؑ کا کیا قصور تھا جس پر انہیں اتنا غصہ آیا۔ غصہ صرف اس بات پر تھا کہ جب قوم کو اس گمراہی میں مبتلا دیکھا تھا تو تم ان سے علیحدہ کیوں نہ ہو گئے تاکہ تمہارے جدا ہونے کے بعد ان پر عذابِ خدا نازل ہو جاتا۔ اپنے بھائی کے بال کھینچ کر اپنی طرف کھینچنا اور ان سے مؤاخذہ کرنا یہ بتاتا ہے کہ دین کے معاملہ میں بھائی ہو یا باپ کسی کی پچ نہیں کی جاتی۔ جناب ہارونؑ نے اپنے اوپر سے الزام ہٹانے کے لیے کہا میرے ماں جائے میں کیا کرتا، میں نہ ان سے لڑ سکتا تھا نہ ان سے الگ ہو کر کہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ ان کی کثرت تھی اور میرے ساتھی بہت تھوڑے تھے اس لیے ان کے مقابل میں کمزور تھا۔ یہ لوگ تو میرے قتل پہ آمادہ ہو گئے تھے۔ میں نے ان کی کفر پرستی میں ان کا ساتھ نہیں دیا لہٰذا مجھے ان میں شامل نہ کیجئے۔

یہی صورت بعد رسولِ خدا جنابِ امیر علیہ السّلام کو پیش آئی تھی کہ امتِ رسولؐ نے ان کو حد درجہ کمزور بنا دیا تھا اور انکارِ بیعت پر ان کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ لہٰذا ناصروں کی کمی دیکھ کر حضرت علیؑ نے صبر سے کام لیا اور قوم سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ جانتے تھے کہ حضرت ہارونؑ معصوم ہیں ان سے کوئی عمل خلافِ مرضیٔ الٰہی نہیں ہو سکتا مگر یہ مؤاخذہ

ان سے صرف اس لیے ہوا کہ قوم پر ان کی بیگناہی ثابت ہو جائے اور حضرت موسیٰؑ کے پیچھے قوم نے جیسا برتاؤ اُن کے ساتھ کیا تھا اس کا اظہار ہو جائے۔

(۳) جب موسیٰؑ و ہارونؑ بے قصور تھے تو پھر معافی کیوں مانگی۔ بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حالات کا ہم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ "جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے"۔ وہ اس بات کو بھی اپنا قصور ہی سمجھتے تھے کہ ان کی موجودگی میں قوم مبتلائے ضلالت ہوئی اور خدا کی ناراضی کا سبب بنی۔ نیز خدا کی بارگاہ میں یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ اگر تیرے نزدیک اس واقعہ میں مجھ سے یا میرے بھائی سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس کو معاف کر دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ مقربانِ بارگاہِ ایزدی بہت ڈرے ہوئے رہتے ہیں اور اس لیے وہ ہر وقت خدا سے استغفار کیا کرتے ہیں۔ باوجود کوئی گناہ نہ کرنے کے بھی وہ طالبِ مغفرت و رحمت رہتے ہیں۔ یہ بڑی اونچی منزلیں ہیں ان کی نزاکتوں کو مقربانِ الٰہی کے سوا دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

جب حضرت موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو توریت کی تختیوں کو زمین سے اُٹھایا۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں ان کے لیے توریت میں ہدایت اور رحمت تھی۔ حضرت موسیٰ نے ہمارا وعدہ (طور پر لے جانے کا) پورا کرنے کے لیے اپنی قوم سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا۔ پس جب زلزلہ نے انہیں دھر پکڑا (اور وہ سب مر گئے) تو حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب، اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک کر دیتا کیا تو ہم میں سے چند بیوقوفوں کے فعل پر ہم کو ہلاک کرتا ہے یہ تو تیری صرف آزمائش تھی تو جسے چاہے

گمراہی میں چھوڑ دے جسے چاہے منزلِ مقصود پر پہنچا دے تو ہی ہمارا سرپرست ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بڑا بخشنے والا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں قومِ موسیٰؑ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح ہم خدا کو دیکھ لیں۔ چنانچہ توریت آنے کے بعد پھر حضرت موسیٰؑ پر یہ خواہش دُہرائی گئی اور حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا ہمیں طور پر اپنے ساتھ لے کر چلیے تاکہ ہم آپؑ کا اور خدا کا مکالمہ سُنیں اور اس پر آپؑ کے گواہ بنیں۔ چنانچہ جب زیادہ اصرار ہوا تو حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر آدمیوں کو جنہیں وہ کامل الایمان سمجھتے تھے انتخاب کیا اور انہیں لے کر طور پر پہنچے۔ جب باتیں سنیں تو کہنے لگے ہم یوں نہیں مانتے ہمیں تو خدا کو متکلم کھلا دکھلائیے۔ اُن کی اس گستاخی پر حضرت موسیٰؑ کو بہت غصہ آیا۔ سب کچھ سمجھایا مگر وُہ نہ مانے۔ آخر اس لغو درخواست کی یہ سزا ملی کہ پہلے زلزلہ آیا پھر بجلی چمکی اور وُہ سب مر گئے۔ تب حضرت موسیٰؑ نے خدا سے ان کے زندہ کرنے کے لیے دُعا کی اور سب زندہ ہو گئے۔

حضرت موسیٰؑ کو یہ خوف تھا کہ اگر میں تنہا جاؤں گا تو قوم ان ستر آدمیوں کو ساتھ نہ لانے پر مجھ سے مؤاخذہ کرے گی اور پھر میرے قتل پر آمادہ ہو جائے گی لہٰذا ان کے زندہ کرنے کی درخواست کرنا ضروری ہوا۔

حضرت موسیٰؑ کے اس عرض کرنے سے کہ ہم میں سے کچھ بیوقوفوں کی بات پر جا کر تو ہلاک کر رہا ہے یہ ثابت ہوا کہ رویت کی درخواست جو جناب موسیٰؑ نے کی تھی وہ اپنی طرف سے نہیں کی تھی بلکہ کچھ احمقوں نے انہیں مجبور کیا تھا۔ اس سورہ کی آیت ۱۴۲ اور ۱۴۳ میں جو حضرت موسیٰؑ کی دعائے رویت کرنے کا ذکر ہے وہاں بنی اسرائیل کا ان کے ساتھ جانا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو بجلی چمکی تھی اس کے صرف دو اثر ہوئے تھے طور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا اور موسیٰؑ غش کھا گئے تھے قوم کے مرنے کا وہاں کوئی ذکر نہیں۔ نیز یہ کہ پہلا واقعہ اس وقت کا معلوم ہوتا ہے جبکہ حضرت ہارونؑ کو خلیفہ بنا کر توریت لینے کوہ طور پر گئے تھے اور دوسرا واقعہ جیسا کہ ہے کہ قوم کے ستر آدمی ساتھ گئے تھے۔ یہ توریت ملنے کے بعد کا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو حضرت موسیٰؑ نے رَبِّ اَرِنِيْ کی درخواست کی تھی وہ قوم کی خواہش پر کی تھی مگر انہیں ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ توریت کے بعد جب قوم نے یہ کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ خدا آپ سے باتیں کرتا ہے لہٰذا ہمیں ساتھ لے جا کر خدا کی باتیں سنوائیے۔ پہلی بار ستر آدمیوں کا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جانا ثابت نہیں پس معلوم ہوا کہ بجلی گرنے کا واقعہ غالباً دو بار پیش آیا۔ ایک بار صرف موسیٰؑ اور طور پر اثر ہوا دوسری بار قوم پر۔ دوسری بار بجلی کا ذکر نہیں بلکہ صرف رجفہ یعنی زلزلہ کا ذکر ہے۔ مفسرین نے وہاں بھی بجلی گرنے سے ستر آدمیوں کی ہلاکت دکھائی ہے حالانکہ آیت سے یہ ثابت نہیں۔ اکثر مفسرین نے دونوں واقعوں کو ایک ساتھ ہی ملا کر دکھایا ہے یعنی پہلی بار ہی کی بجلی گرنے سے طور ٹکڑے ٹکڑے ہوا، موسیٰؑ بیہوش ہوئے اور قوم ہلاک ہو گئی۔ یہ قرآن کے بیان کے خلاف ہے۔ دونوں مقام کے سیاق و سباق پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں واقعات میں تقدم و تاخر ہے نیز یہ کہ پہلے واقعہ میں حضرت موسیٰؑ کا رویت کی درخواست کرنا ثابت ہے لیکن دوسرے واقعہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

درایتاً بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے جب پہلے حضرت موسیٰؑ طوُر پر جانے لگے تھے تو قوم نے کہا تھا کہ جب خدا سے باتیں کرو تو اس سے درخواست کرنا کہ وہ اپنے کو دکھا بھی دے۔ جب توریت لے کر آئے تو قوم نے کہا کہ جب آپ نے خدا کو دیکھا نہیں تو ہم کیسے سمجھ لیں کہ جس سے آپ نے باتیں کیں اور جس نے توریت دی وہ خدا ہی تھا ہمیں طوُر پر ساتھ لے کر چلیے ہم اس کی باتیں سنیں گے اور خود اس کو دیکھنے کی خواہش کریں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ انہیں لے کر گئے اور کلام سنوایا جو ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ تب انہوں نے خود ہی درخواست پیش کی، اس درخواست میں موسیٰؑ کی شرکت نہ تھی ورنہ یہ نہ فرماتے کہ اے پروردگار تُو نے چند احمقوں کی گستاخی پر ہمیں کیوں ہلاک کیا۔

اب ایک اور بات قابلِ غور ہے حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا یہاں ہلاکت میں حضرت موسیٰؑ نے اپنے کو کیوں شامل کیا وہ تو ہلاک ہونے والوں میں نہ تھے۔ جواب یہ ہے کہ اپنے کو افرادِ قوم میں شامل سمجھتے ہوئے ایسا فرمایا۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِىْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اس دُنیا میں ہمارے لیے نیکی کو لکھ لے اور آخرت میں بھی ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں خدا نے فرمایا جس کو میں چاہتا ہوں (مستحق سمجھ کر) اپنا عذاب پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے میں اُسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِىَّ الْاُمِّىَّ الَّذِىْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ

وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع

جو لوگ ہمارے اُس نبی اُمّی پیغمبر کے قدم بقدم چلتے ہیں جس کی بشارت توریت و انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے بُرے کام سے روکتا ہے جو پاک چیزیں اُن پر حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور سخت احکام کا بوجھ جو ان کی گردن پر تھا اور جو پھندے ان پر پڑے ہوئے تھے ان کو ہٹا دیتا ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی عزت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو یہ سب لوگ اپنی دلی مرادیں پانے والے ہیں۔

لفظ اُمّی کے معنی اَن پڑھ اور جاہل کے ہیں رسول کے لیے یہ لفظ اس معنی میں نہیں استعمال کیا گیا بلکہ یہ معنی ہیں کہ انہوں نے دنیا میں کسی اُستاد سے کچھ پڑھا لکھا نہیں بلکہ وہ خدا کے یہاں سے پڑھے پڑھائے اور سیکھے سکھائے آئے ہیں یا یہ کہ اُمُّ القُریٰ مکّہ کے رہنے والے ہیں۔

توریت اور انجیل میں حضورؐ کے صفات درج تھے مثلاً توریت میں یہ تھا (ترجمہ) "احمد تقسیم کرنے والا جہاد کرنے والا اونٹ پر سوار ہوگا اور شملہ کو لٹکائے گا اور اس سے بارہ بزرگ پیدا ہوں گے اور میں اس کو ایک عظیم الشان اُمّت کے لیے ناخبر کروں گا" کیسی کھُلی ہوئی بشارت ہے۔ اور انجیل میں تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا "اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول بن کر تمہارے پاس آیا ہوں اور جو کتاب میرے سامنے ہے (توریت) اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا"

یہود و نصاریٰ کے علما نے ازراہِ تعصب تمام بشارتوں کو نکال دیا اور اپنی طرف سے حضرتؐ کی شان میں نامناسب الفاظ لکھ دئیے۔ جو صفات حضرتؐ کی ان آیات میں بیان کی گئی ہیں وہ سب توریت و انجیل میں تھیں۔ اس آیت کے آخری حصّہ میں ایمان والوں کی ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ (جنہوں نے اس نُور کی پیروی کی جو اس رسول کے ساتھ ساتھ نازل ہُوا ہے)۔ مفسّرین نے نور سے مراد قرآن لیا ہے لیکن قرآن حضرتؐ کے ساتھ نازل نہیں ہوا بلکہ چالیس سال بعد نازل ہُوا تھا۔ دوسرے اتّباع کے معنی قدم بقدم چلنے کے ہیں۔ یہ اطاعت کی ایک عملی صورت ہے۔ قرآن کوئی جاندار چیز نہیں جو قدم بقدم چلے۔ اُس سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے نہ کہ عملی صورت۔ مثلاً قرآن سے نماز پڑھنے کا حکم تو حاصل ہوتا ہے لیکن عملی صورت وہ نہیں دکھاتا۔ علمائے شیعہ نے اس نور سے مراد حضرت علی علیہ السّلام کو لیا ہے جن کا نُور، نُورِ رسالتؐ کے ساتھ نازل ہُوا اور رسولؐ نے اُمّت کو

رسول کی صفات

ع ۱۹ ۹

ان کی پیروی کا حکم بھی دیا۔

مسلمان مفسرین نے جابجا اُمّی کے معنی جاہل اور اَن پڑھ لیے ہیں۔ ان کے عقیدہ پر اس خیال سے ذرا بوجھ نہیں پڑا کہ ایک ایسے رسول کو جو سرتاج انبیاء و مرسلین ہے جاہل کہہ لیں (نعوذ باللہ) ایک رسول کے لیے کیا خوبی کی بات ہے کہ وہ چالیس سال تک جاہل رہے پھر یکایک نبی بنتے ہی عالم ہو جائے۔ ان آیات کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پہلے رسول سے کی گئی ہے پھر نبی سے پھر اُمّی سے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جو رسول و نبی پہلے ہو پھر اس کی صفت اُمّی (جاہل) ذکر کرنا کون سی خوبی ہے۔ رسول اور نبی جاہل کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ وہ رسول ہیں نبی ہیں اور مکّہ والوں میں سے ہیں۔ رسول کا مرتبہ نبی سے افضل ہے پس اس کے بعد نبی کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ رسول فرشتہ بھی ہوتا ہے۔ حضورؐ وہ رسول تھے جن کا تعلق نبوت سے ہے۔ چونکہ ہر نبی کو اس کی قوم ہی میں سے بھیجا جاتا ہے لہٰذا رسول اور نبی کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ وہ مکّہ والوں میں سے ہیں تا کہ ان کی قوم کا پتہ چل جائے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٨﴾

اے رسول تم لوگوں سے کہو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے پس اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نبی اُمّی ہے جو خود بھی اللہ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو تا کہ ہدایت یافتہ بن جاؤ۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٠﴾

اور قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔ ہم نے (بنی اسرائیل میں) ایک دادا کی اولاد کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور جب قوم موسیٰ نے پانی کی خواہش کی تو ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو (اس کا مارنا تھا کہ) اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر ایک قبیلہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ہم نے ان پر مَن و سلویٰ نازل کیا اور کہہ دیا کہ لوگو جو پاک رزق ہم نے دیا ہے اُسے کھاؤ۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ تین احسان گنائے ہیں جو بنی اسرائیل پر خصوصیت سے کیے گئے۔

جب بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا میں جو ایک وسیع بیابان تھا پہنچے تو ان کی تعداد کئی لاکھ تھی اس کثیر جماعت کے لیے زیادہ پانی ملنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا دوسرے اس لق و دق میدان میں کھانے پینے کا سامان کہاں سے آتا تیسرے سایہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اگر پروردگار عالم اپنے فضل و کرم سے ان کو ان تکلیفوں سے نہ بچاتا تو سب وہیں ڈھیر ہو کر رہ جاتے سب سے پہلے پانی کا بندوبست کرنا تھا۔ قوم نے حضرت موسیٰؑ سے کہا بتایئے یہاں پانی کہاں سے آئے جو اِدھر اُدھر سے بڑی کاوش سے لاتے ہیں وہ ہماری ضروریات کو کیسے پورا کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے دُعا کی، وحی ہوئی پتھر پر عصا مارو۔ چنانچہ ایک چٹان پر عصا مارا تو اس سے ایک چشمہ بڑی تیز دھار کے ساتھ پھوٹ نکلا لیکن ایک چشمہ پر جب لاکھوں آدمی ٹوٹ پڑیں تو جھگڑا ہونا یقینی تھا۔ خدا نے اپنی رحمت سے اس چشمہ سے بارہ دھاریں نکال دیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ ہر ایک قبیلہ نے ایک دھار کو اپنا گھاٹ بنا لیا۔ چلو یہ قصہ تو یوں ختم ہوا۔ اب رہا دھوپ کا معاملہ، وہ تھا آفتاب کی تپش سے بچنے کا۔ خدا نے اس سے بچانے کے لیے ان کے سروں پر بادل کا سایہ کر دیا۔ اب پیٹ کی پوجا کا معاملہ باقی رہا۔ خدا نے اپنی رحمت سے من و سلویٰ نازل کر کے یہ تکلیف بھی دُور کی۔

ان سب احسانات کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنی غلط کاریوں سے باز آجاتے مگر ان کے سروں پر تو شیطان سوار تھا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ روز صبح کو روٹی پر ایک بھنی ہوئی بٹیر رکھی مل جاتی تھی جو ایک آدمی کی شکم سیری کے لیے کافی ہوتی تھی۔

حکم خدا یہ تھا کہ صبح کو جا کر ایک ایک روٹی اٹھا لاؤ زیادہ کی ہوس نہ کرو۔ مگر وہ کہاں ماننے والے تھے جو پہلے جاتا وہ اس خیال سے زیادہ اٹھالاتا اسباد اکل بند ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ من وسلویٰ کا نزول ختم ہو گیا۔ جو لوگ خدا کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے ان کا یہی حشر ہوتا ہے۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

جب ان سے کہا گیا اس گاؤں (ایلہ) میں جا کر رہو اور اس کے پھل پھلاری جہاں سے تمہارا جی چاہے کھاؤ اور منہ سے حطۃ (بخشا دے) کہتے ہوئے اور دروازہ پر سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے۔ تو اُن ظالموں نے جو اُن سے کہا گیا تھا اُسے بدل کر کچھ اور کہنا شروع کر دیا۔ پس ہم نے ان کی شرارتوں کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔ (یہ واقعات سورہ بقر، جلد اوّل میں بیان ہو چکے ہیں۔)

وَسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

(اور اے رسول ان سے) ذرا اس گاؤں کا حال تو پوچھو جو دریا کے کنارے واقع تھا جب یہ لوگ شنبہ کے دن زیادتی کرنے لگے یعنی جب شنبہ کا (عبادت والا) دن ہوتا تو مچھلیاں سمٹ کر آجاتیں اور جب شنبہ کا دن نہ ہوتا تو پاس نہ پھٹکتیں چونکہ یہ لوگ بدچلن تھے لہٰذا ہم بھی یوں ہی ان کی آزمائش کیا کرتے ہیں۔

(یہ واقعہ بھی سورہ بقر، جلد اوّل میں گزر چکا ہے۔)

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

ان لوگوں کی ایک جماعت نے (جو شکار کو منع کرتے تھے) کہا انہیں کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں خدا ہلاک کرنا یا سخت عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ فقط تمہارے پروردگار کی بارگاہ میں اپنے کو الزام سے بچانے کے لیے (کہ میری طرف سے کیوں نہ منع کیا) ہم ایسا کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ پرہیزگار بن جائیں پس جو نصیحت انہیں کی گئی تھی اُسے انہوں نے بھلا دیا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو بُرائی سے منع کرتے تھے اور جو لوگ بدچلن تھے ان کو ان کی بدکاری کی وجہ سے سخت عذاب میں گرفتار کر لیا جس امر میں انہیں روکا گیا تھا جب اس میں سرکشی سے کام لیا تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر بن جاؤ۔ اور خدا نے (بنی اسرائیل کو) تاکید کے ساتھ آگاہ کر دیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے حاکم کو مسلط رکھے گا جو ان کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتا رہیگا لہٰذا تمہارا پروردگار بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور (اس کے ساتھ) وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی ہے

(یہ واقعہ بھی سورہ بقر، جلد اوّل میں لکھا جا چکا ہے۔)

وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِن

بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

پھر ہم نے ان کو روئے زمین پر منتشر کر دیا ان میں سے کچھ لوگ تو نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح کے ہیں یعنی بدکار ہیں۔ ہم نے اُن کو رنج و راحت دونوں میں آزمایا تاکہ وہ شرارت سے باز آئیں۔ ان کے بعد ان کے کچھ ناخلف جانشین ہوئے جو کتابِ خدا (توریت) کے وارث بنے مگر انہوں نے احکام خدا کو بدل کر اس کمینی دنیا کے سامان کو لے لیا اور کہتے ہیں ہم تو عنقریب بخش دئیے جائیں گے (جو لوگ ان پر طعن کرتے ہیں) اگر ان کے پاس بھی ایسا ہی مال آجائے تو لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتابِ خدا نے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ خدا کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہیں گے اور جو کچھ کتاب میں تھا وہ انہوں نے پڑھ بھی لیا تھا اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیزگاری کرتے ہیں تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ جو لوگ کتابِ خدا سے تمسک کرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی تو ہم یقیناً اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ ناخلف لوگوں سے مراد وہ یہودی ہیں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھے۔ هٰذَا الْاَدْنٰى سے مراد یہ ہے کہ جو مقدمہ ان کے سامنے آتا اس میں رشوت لے کر احکامِ خدا کے خلاف فیصلہ کر دیتے اور جس عمل سے روکتے خود اسی کو کرنے لگتے ان کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ مالِ دُنیا کو جمع کر کے عیش و آرام کی زندگی بسر کریں۔ توریت کو پڑھتے تو تھے مگر اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق انہیں نہ ہوتی تھی۔ جب بداعمالیوں پر انہیں ٹوکا جاتا تھا تو بظاہر شرمندہ ہو کر کہتے تھے کہ اللہ ہمارے گناہ بخش دے اب ایسا نہ کریں گے لیکن جب کبھی پھر کچھ ہاتھ لگتا تو اپنا عہد و پیمان بھول کر جھٹ اُسے لے لیتے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

جب ہم نے ان کے سروں پر کوہِ طور کو اس طرح لٹکا دیا تھا گویا سائبان تھا اور وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ ان کے سر پر آ گرا۔ ہم نے انہیں حکم دیا تھا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (یہ واقعہ سورۂ بقرہ جلد اوّل میں بیان کیا جا چکا ہے۔)

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۤؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

جب (یوم الست) اے رسول تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو نکالا اور ہر ایک کو اپنے اپنے نفس پر گواہ بنا کر کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا بیشک تُو ہمارا رب ہے ہم گواہی دیتے ہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ روزِ قیامت تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے (یعنی نہیں جانتے تھے کہ ہمارا رب کون ہے) یا یہ کہنے لگو کہ ہمارے آباؤ اجداد ہی نے پہلے شرک کیا تھا ہم تو ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد آئے تو کیا تُو ہمیں ان کے جُرم کی سزا میں ہلاک کرے گا۔ ہم اپنی آیتوں کو یوں ہی تفصیل کے ساتھ بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ اپنی غلطی سے باز آئیں۔

یہ واقعہ عہدِ الست کا ہے اللہ نے جتنی مخلوق قیامت تک پیدا ہونے والی تھی ان کے اجزائے اصلیہ کو جو ذرّوں کی صورت میں حقیقتِ انسانیہ تھے اپنے سامنے حاضر کیا تاکہ عالمِ ظہور میں لانے سے پہلے ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لے لے۔ تاکہ عالمِ وجود میں جا کر کفر اگر اختیار کریں اور روزِ قیامت اس کی باز پرس ہو تو یہ نہ کہیں کہ ہم کو کیا معلوم تھا کہ ہمارا رب کون ہے یا یہ کہیں کہ ہمارے باپ دادا مشرک تھے ہم انہی کے قدم بقدم چلتے رہے لہٰذا یہ باز پرس اُنہی سے کی جائے ہم نے تو

جیسا انہیں کرتے دیکھا ویسا ہی کیا۔ اس لیے تمام مخلوق کو حاضر کر کے سب کے سامنے اقرارِ ربوبیت کرا لیا گیا اب کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے اپنے رب کا علم نہ تھا۔

یہ بھی واضح ہو گیا کہ انسان کے اجزائے اصلیہ صاحبِ شعور تھے جب ہی تو انہوں نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ دوسرے یہ کہ عالمِ ذر میں ان کی پرورش ہو رہی تھی۔ یہ پرورش کس شان سے کی جا رہی تھی اس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ خدا نے اس مخلوق کو کہاں رکھا ہے یہ بھی کسی کے علم میں نہیں۔ اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے بعد پھر دُنیا میں آ کر کسی کا کافر ہو جانا معاہدہ الست کے خلاف ہو گا۔

وہ اجزائے اصلیہ جن سے اقرار لیا گیا فطرتِ انسانی کا سنگِ بنیاد تھے جن سے معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت فطرتِ انسانی کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے پس جو بچہ پیدا ہو گا وہ یقیناً فطرتِ اسلام پر پیدا ہو گا۔ بعد میں اس کے ماں باپ چاہے یہودی بنا لیں، نصرانی بنا لیں یا مجوسی بنا لیں۔

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ عالمِ ذر میں سب سے پہلے جس نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا وہ میں تھا۔ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ خدا نے لوگوں سے صرف اپنی ربوبیت کا اقرار ہی نہیں لیا بلکہ میری رسالت اور علیؑ کی ولایت کا بھی اقرار لیا۔

خدا نے سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا خالقیت کا نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی خلقت کی گواہی نہیں دے سکتا کیونکہ اسے کیا معلوم کس نے پیدا کیا ہے اور کیسے پیدا کیا ہے لیکن ہاں خلقت کے بعد جس طریقہ سے اس کی پرورش ہوتی ہے اس کو جان سکتا ہے اور گواہی دے سکتا ہے۔ دوسرے ربوبیت خدا کا انسان پر سب سے بڑا احسان ہے کیونکہ انسان کے پرورش کرنے میں خدا کی بے شمار مخلوق اس کی رزق رسانی کے لیے اپنی اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔ خدا نے جو اٹھارہ ہزار عالم بنائے ہیں یہ سب بقائے نوعِ انسان کے لیے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ سورۃ الحمد میں سب سے پہلے اپنی جو صفت خدا نے ذکر فرمائی ہے وہ ربّ العالمین ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَاۗءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

ان لوگوں کو اس شخص (بلعم باعور) کا قصہ سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں عطا کی تھیں لیکن وہ ان سے نکل بھاگا شیطان نے اس کا پیچھا کیا پس وُہ گمراہوں میں سے ہو گیا اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی وجہ سے اُسے بُلند مرتبہ بنا دیتے لیکن وہ تو زمین کی طرف جھک پڑا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگا۔ اس کی مثال اُس کتے کی ہے کہ اُسے دھتکارو تو بھی زبان نکالے رہے یا چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے یہ اُن لوگوں کی مثل ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ اے رسول ان سے قصّوں کو بیان کرو تاکہ یہ فکر و غور سے کام لیں کیا بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اپنی ہی جانوں پر ستم ڈھاتے رہے۔ جس کو اللہ ہدایت کرے پس وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو وُہ گھاٹے میں ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ایک شخص بلعم باعور تھا جس کو کتابِ خدا کا کافی علم تھا اور وہ اُن پر عمل بھی کرتا تھا عبادت بھی بہت کرتا تھا جس کے صِلہ میں اس کی دعائیں قبول ہو جاتی تھیں۔ فرعون نے ایک دن اس سے کہا کہ تو یہ دُعا کر کہ میں موسیٰؑ پر غالب آ جاؤں اور بہت سی دولت دینے کا وعدہ کیا۔ مالِ دُنیا کی طمع اس پر غالب آئی اور اُس سے وعدہ کر لیا۔ جب اپنے گدھے پر سوار ہو کر دُعا کرنے کے لیے اپنی خانقاہ کی طرف چلا تو گدھے نے چلنے سے انکار کر دیا۔ بلعم نے ہر چند اُسے مارا پیٹا لیکن اُس نے قدم نہ اُٹھایا۔ آخر اس بدبخت نے اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ خدا کی طرف سے بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی دُعا کا اثر جاتا رہا۔

اگر وہ حرص میں مبتلا ہو کر شیطان کے فریب میں نہ آ گیا ہوتا تو خدا اس کے رُوحانی مرتبہ کو اور بلند کرتا۔ خدا نے اس کی مثال کُتے سے دی ہے جو بہت زیادہ حریص ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص دُنیا کا کتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنا منہ کھولے اور زبان نکالے رہتا ہے اگر تم پتھر مارو تو وہ فوراً بھاگ کر منہ میں بھر لے گا کہ شاید یہ کوئی کھانے کی چیز ہو۔ یا ڈُو تو اس لیے دوڑ اچلا آئے گا کہ شاید مجھے کچھ کھانے کو دے۔ اُسے مارو تب بھی اس خیال سے منہ کھولے رہے گا کہ کاش یہ شخص مہرباں ہو کر کچھ کھلا دے۔

بلعم کا قومِ موسیٰؑ میں بڑا اعزاز تھا۔ لوگ اُسے اپنی قوم کا ایک پاک نفس انسان مانتے تھے۔ کم بخت نے ذرا سی حرص کے پیچھے اپنا سارا وقار خاک میں ملا دیا۔ حریصوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ بلعم کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اُسے اسمِ اعظم دیا گیا تھا لیکن یہ غلط ہے اسمِ اعظم معصوم کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٧٩﴾ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾

ہم نے جہنّم کے لیے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے ان کے دل تو ہیں لیکن (حق بات کو) سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان سے دیکھتے ہی نہیں ان کے کان تو ہیں لیکن ان سے سُنتے ہی نہیں یہ تو بالکل جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ یہی لوگ (امر و نہی میں) غفلت کرنے والے ہیں۔ تمام اچھے نام تو خدا ہی کے لیے ہیں انہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں عنقریب اس کا بدلہ پالیں گے اور ہماری مخلوق میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔

خدا کے ناموں میں کفر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جن ناموں سے شرع نے خدا کے یاد کرنے کی اجازت دی ہے ان سے اُسے یاد نہیں کرتے جیسے عرب کے لوگ خدا کو ابو المکارم کہہ کر دعا مانگتے تھے اور نصاریٰ ابو المسیح یا حکما علت اول کہتے تھے یا یہ کہ اللہ کے نام سے مشتق کر کے اس کا نام رکھنا۔ جیسے اللہ سے لات بنایا اور عزیز سے عُزّیٰ۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے خدا کا کوئی نام تجویز نہ کرے خواہ وہ اسم ذاتی ہو یا صفاتی۔ مثلاً ہم کو سخی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ جواد کہنا چاہیئے یا حبیب کی جگہ معشوق یا عاشق نہیں کہہ سکتے۔

حدیث رسولؐ ہے میں تیری تعریف کما حقہ نہیں کرسکتا میں تیری ثنا ان ہی اسماء سے کرتا ہوں جن سے تُو نے خود اپنی ثنا کی ہے۔ اس کی ممانعت اس لیئے ہے کہ انسان اپنی طرف سے جو نام تجویز کرے گا وہ اپنے تصوّر کے لحاظ سے کرے گا اور انسان کے تصوّر میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔

اسماءِ حُسنیٰ یا اچھے ناموں سے مراد وہ نام ہیں جن سے خدا کی عظمت۔ اس کی برتری اور تقدس و پاکیزگی کا اظہار ہوتا ہو۔ الحاد کے معنی ہیں سیدھی راہ سے ہٹ جانے کے، پس جو لوگ ہٹ دھرمی سے خدا کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں اور سمجھانے سے مانتے نہیں تو اُن کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

خدا نے اپنی مخلوق کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جو دینِ حق کی ہدایت کرتے ہیں اور معاملات میں انصاف سے کام لیتے ہیں یہی لوگ ناجی ہیں۔ دوسرے گروہ میں وہ سب داخل ہیں جو ہدایت اور انصاف کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا، اے علیؑ میرے بعد میری اُمت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان میں بہتّر جہنمی ہوں گے اور ایک فرقہ ناجی ہوگا اور یہ وہی ہوگا جس کے متعلق خدا نے فرمایا ہے وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ الخ

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾

جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو بہت جلد آہستہ آہستہ جہنّم کی طرف لے جائیں گے اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی میں انہیں (دُنیا میں) ڈھیل دوں گا۔ بے شک میری تدبیر بڑی پختہ اور مضبوط ہے۔ (افسوس ہے) ان لوگوں نے اتنا بھی تو خیال نہ کیا کہ ان کے رفیق (محمدؐ) کو کچھ جنون تو ہے نہیں وہ تو کھُلّم کھُلّا عذاب سے ڈرانے والے ہیں کیا انہوں نے آسمان و زمین کی حکومت اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر بھی غور نہیں کیا اور نہ اس پر کہ شاید ان کی موت قریب آگئی ہو تو بھلا اتنا سمجھانے کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

یعنی یہ کفار و مشرکین جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں نہایت بے عقلی کی باتیں کرتے ہیں ان کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ کیا کوئی مجنون آدمی ایسی عقل و حکمت کی باتیں بتا سکتا ہے جیسی ہمارا رسول بیان کرتا ہے۔ یہ ہماری آیات کو

کہاں تک جھٹلائیں گے آسمان و زمین میں ہماری حکومت کی بیشمار نشانیاں ہیں ہر چیز سے ہماری قدرت کا اظہار ہو رہا ہے پھر بھی یہ ہماری خدائی کے قائل نہیں ہوتے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ بھلا اب اس سے زیادہ اور کون سی نشانی ایمان لانے کے لیے یہ لوگ چاہتے ہیں۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اور جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے تو پھر اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں (وہ ایسے لوگوں کو) ان کی گمراہی میں چھوڑ دے گا کہ سرگرداں و پریشاں رہیں لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا کہیں ٹھل بیڑا بھی ہے کہدو اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے وہی اس کے وقت پر اس کو ظاہر کر دے گا وہ آسمانوں اور زمین میں ایک بڑا کٹھن وقت ہوگا وہ تمہارے پاس اچانک آجائے گی۔ لوگ تم سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا تم اس سے خوب واقف ہو تم کہدو اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

گمراہی میں چھوڑ دینے کے یہ معنی ہیں کہ جب خدا کے علم میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کا فلاں بندہ ایمان لانے والا نہیں تو اس سے اپنی توفیقات سلب کر لیتا ہے۔ قیامت کے متعلق بار بار لوگ حضورؐ سے آکر پوچھتے تھے کہ آخر وہ کب آئے گی۔ آپؐ خدا کے رسول ہیں آپ کو اس کا علم ہونا چاہیئے۔ اس کے جواب میں خدا نے رسولؐ کو یہ وحی کی کہ تم کہہ دو کہ اس کا علم خدا کے پاس ہے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔

قیامت کا وقت پوشیدہ رکھنے میں خدا کی یہ مصلحت ہے کہ لوگ ہر زمانہ میں اس کی آمد کے خوف سے اعمالِ نیک کرتے رہیں اور ان برائیوں سے بچتے رہیں۔ یادِ خدا سے غافل نہ ہوں۔ اگر بالفرض وہ رسولؐ کو بتا دیتا کہ دو ہزار برس بعد آئے گی تو لوگ بےجنت ہو جاتے کہ ابھی تو بہت دور ہے۔ ہمارے بعد معلوم کتنی مخلوق اور پیدا ہوگی ہمیں کیا ڈر۔ جن کے زمانہ

میں آئے گی وہ جانیں اور ان کا کام۔ اور جو لوگ اس زمانہ سے قریب ہو جاتے وہ اس کے خوف و دہشت میں تمام کاموں کو چھوڑ بیٹھتے ہر وقت اس کا ذکر کرتے اس سے تمام معاشرتی و تمدنی نظام گڑبڑ ہو جاتا۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

اے رسول جو لوگ قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں (ان سے) کہدو کہ میں خود اپنے معاملہ میں نفع یا ضرر کا اختیار نہیں رکھتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے۔ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف چھو بھی نہ جاتی میں تو صرف ایمانداروں کو عذاب سے ڈرانے والا اور بہشت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

اس مسئلہ میں کہ آیا رسولؐ غیب داں تھے یا نہیں۔ اس آیت سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بالذات حضرت کو غیب کا علم نہ تھا لیکن جب خدا کی طرف سے ان کو غیب کی خبریں دے دی جاتی تھیں تو ان کو بیان فرما دیتے تھے۔ جہاں اور تمام علوم ان کو خدا کی طرف سے دیئے گئے غیب کا علم بھی دیا جاتا تھا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ کا یہی مطلب ہے۔ بالذات غیب داں تو خدا کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اپنے منتخب بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کا حال بتا دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ ۖ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا

وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

وہ وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک شخص (آدم) سے پیدا کیا پھر اس کی (بچی ہوئی مٹی سے) بی بی کو پیدا کیا تاکہ اس کے ساتھ رہے۔ پھر جب انسان اپنی بی بی سے ہم بستری کرتا ہے تو بی بی ایک ہلکے سے حمل سے حاملہ ہو جاتی ہے اور اسے لیے چلتی پھرتی ہے جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بی بی نے اپنے پروردگار سے دعا کی اگر تو ہمیں نیک فرزند عطا فرمائے گا تو ہم تیرے شکر گزار رہیں گے جب ہم نے فرزند صالح عطا فرما دیا تو لگے اس میں خدا کا شریک بنانے۔ خدا کی شان شرک سے بہت بلند ہے کیا یہ لوگ ایسوں کو خدا کا شریک بتاتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں، نہ وہ ان کی مدد کی قدرت رکھتے ہیں نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اگر تم انہیں ہدایت کے لیے بلاؤ گے بھی تو تمہاری پیروی نہیں کرنے کے۔ تمہارے لیے برابر ہے چاہے تم ان کو بلاؤ یا چپ چاپ بیٹھے رہو۔

اس قصہ کی ابتداء اگرچہ آدمؑ سے ہوئی ہے لیکن بعد میں ان کی اولاد کا ذکر شروع کر دیا ہے اس لیے فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ـ میں يُشْرِكُوْنَ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے تاکہ سب اولاد شامل ہو۔ اس سے پہلے تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں عام میاں بی بی کی حالت بیان کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اپنے لڑکوں کا نام پیر بخش، سالار بخش، مدار بخش وغیرہ رکھتے ہیں یعنی خدا نے نہیں دیا بلکہ پیر، سالار یا مدار نے دیا ہے۔ ہاں اگر یہ مقصد نہیں بلکہ صرف نام رکھنا مقصود ہو یا صرف حصول برکت کے لیے ایسا کر لیا ہو تو شاید اس میں مضائقہ نہ ہو۔ جیسے لوگ حسین بخش یا علی بخش نام رکھ لیتے ہیں محض برکت کے لیے ورنہ ان کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ حسینؑ نے بخشا ہے یا علیؑ نے بخشا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے نام نہ رکھے جائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا
لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ
يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ

يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

خدا کو چھوڑ کر تم لوگ جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے خدا کے بندے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو ان کو پکارو تو کیا وہ تمہاری بات سن کر جواب دیں گے۔ کیا ان کے ایسے پیر ہیں جن سے چلتے ہوں یا ایسے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو پکڑ سکتے ہوں کیا ان کی ایسی آنکھیں ہیں جن سے کسی چیز کو دیکھتے ہوں یا ایسے کان ہیں جن سے کوئی بات سنتے ہوں (ان میں سے کوئی طاقت ان کے پاس نہیں) کہہ دو تم اپنے سب شریکوں کو بلاؤ پھر مل کر مجھ پر اپنا داؤ چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو۔ یعنی وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

بت پرستوں سے کہا جا رہا ہے کہ جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو یہ سب ناکارہ ہیں۔ تم نے ان کو صاحب اعضا بنا تو دیا ہے لیکن ان کے اندر خدا کی پیدا کردہ قوتیں کہاں سے پیدا کرو گے۔ تمہاری سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ یہ تمہارے ہی ہاتھوں کے بنائے ہوئے بے حس بے جان بے عقل مجسمے ہیں یہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں اور ہمارے رسول کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔
جب حضورؐ نے مشرکین عرب کے ان بتوں کی مذمت کی جن کو وہ خدا مانتے تھے تو انہوں نے کہا آپؐ ان کی مذمت نہ کریں ایسا نہ ہو کہ آپؐ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اِنَّ وَلِیِّ َۦ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾
وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

بیشک میرا ولی وہ خدا ہے جس نے کتاب (قرآن) کو نازل کیا اور وہی اپنے نیک بندوں کا مددگار ہے۔ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں وہ نہ تو تمہاری مدد پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد آپ کر سکتے ہیں۔ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ گے بھی تو یہ سنتے ہی کے نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری

طرف آنکھیں کھولے دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے ہی نہیں (اے رسول) تم ان سے درگزر کرو۔ اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو اور اگر شیطان کی طرف سے تمہاری (امت کے) دل میں کسی طرح کا دغدغہ پیدا ہو تو تم خدا سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ بڑا سننے والا واقف کار ہے۔

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ ۔ میں بظاہر دغدغہ کی نسبت رسولؐ کی طرف ہے لیکن مراد امتِ رسولؐ ہے کیونکہ رسولؐ پر شیطانی دغدغہ اور وسوسہ کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کفار و مشرکین کی گستاخانہ باتوں سے نبی کے دل میں کسی وقت اشتعال پیدا ہو تو وہ اس کو شیطانی کارروائی سمجھ کر اسی وقت خدا سے پناہ مانگ لیں تاکہ جوش میں کوئی امر ایسا سرزد نہ ہو جس سے کارِ تبلیغ میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے اور یہ کام ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخۡوَانُہُمۡ یَمُدُّوۡنَہُمۡ فِی الۡغَیِّ ثُمَّ لَا یُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِہِمۡ بِاٰیَۃٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَیۡتَہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ مِنۡ رَّبِّیۡ ۚ ہٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ وَہُدًی وَّرَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب انہیں شیطان کا خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ چونکتے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (کہ ان کے لیے صحیح طریقۂ کار کیا ہے)۔ رہے ان کے بھائی بند (یعنی شیاطین کے) تو وہ انہیں کجروی کی طرف کھینچے لیے جاتے ہیں اور انہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ (اے رسول) جب تم ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں تم نے (خود) کیوں نہیں بنا لیا (اے رسول) ان سے کہدو میں تو بس اس وحی کا پابند ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس آتی ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے (حقیقت کی) دلیلیں ہیں اور ایماندار لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحبانِ تقویٰ کی حالت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت ہر قسم کی برائی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اگر کبھی ہلکا سا خیال بھی ان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو انہیں اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے پس وہ یکایک چونک پڑتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں وہ اس خیالِ فاسد کو دل سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ پرِ مگس کے برابر بھی ان کے دل میں غبار کا نشان پایا جائے۔ یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ وہ عذابِ خدا سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی برا خیال چاہے کتنا ہی کم ہو بڑھتے بڑھتے ایک دن عملی صورت میں آ سکتا ہے اور انسان گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اسی لیے شریعت نے حکم دیا ہے کہ اگر ایک چھینٹ پیشاب کی پڑ جائے تو ایسے کپڑے میں نماز نہ پڑھو اگرچہ بظاہر وہ کوئی بڑی نجاست نہیں لیکن بڑی نجاست کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اگر کسی نے ایک چھینٹ برداشت کر لی تو پھر رفتہ رفتہ وہ ہر نجاست کو برداشت کرے گا۔ مشرکین کا یہ کہنا کہ اگر خدا کی طرف سے آیت نہیں نازل ہوتی تو اپنی طرف سے بنا لو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حقیقتِ نبوت کو سمجھے ہی نہ تھے وہ یہ جانتے ہی نہ تھے کہ نبی کا ہر قول و فعل وحی کے مطابق ہوتا ہے۔

وَاِذَا قُرِیَٔ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَہٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیۡفَۃً وَّدُوۡنَ الۡجَہۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ وَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَیُسَبِّحُوۡنَہٗ وَلَہٗ یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۰۶﴾ ع السجدۃ

جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنا جائے اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے پروردگار کو گڑگڑا کے اور ڈر ڈر کے اور بہت چیخ کر نہیں دھیمی آواز سے صبح و شام یاد کیا کرو (اس کی یاد سے) غافل نہ ہو جاؤ۔ بے شک جو لوگ (فرشتے وغیرہ) تمہارے پروردگار کے مقرب ہیں وہ عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

کفار و مشرکین جب کسی کو قرآن پڑھتے سنتے تھے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے، یہ کلامِ خدا کی توہین تھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہو تو کان لگا کر سنو

اور چپ چاپ رہو اسی لیے مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب نماز جماعت میں امام قرأت کر رہا ہو تو کان لگا کر سنتے رہیں اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر چیخ چیخ کر نہ کریں بلکہ اُس سے ڈر کر نہایت توجہ قلب کے ساتھ رو رو کر دُعا مانگیں اور اس کا ذکر کریں۔ چیخ چیخ کر ایسا کرنا دوسروں کی ناپسندیدگی کا باعث ہوگا۔

---

(۸) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ (۸۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

اے رسول لوگ تم سے انفال (مالِ غنیمت) کے بارہ میں پوچھا کرتے ہیں تم ان سے کہدو کہ مالِ غنیمت اللہ و رسول کا حق ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اگر مؤمن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو سچے مؤمن تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب خدائی آیات ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں وہ وہی ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

اس سورۃ میں خدا نے سب معاشرتی اور تمدّنی امور ذکر فرمائے ہیں۔ جنگِ بدر کا قصہ، ابولبابہ کی توبہ، ہجرت کا واقعہ، قرآن کا مقابلہ اور نافرمانی، غنیمت کا حکم، نزاع کے نقصانات، خدا بغیر زیادتی کے کن سے نعمتیں روک لیتا ہے

کفار کی مذمت، بزدلی کی بُرائی، صلح چاہنے والوں سے صلح کرنے کا حکم۔

انفال نفل کی جمع ہے جس کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں اور عُرفاً مالِ غنیمت کو کہتے ہیں۔ شرعاً انفال چند چیزوں پر بولا جاتا ہے۔ (۱) جو مال دار الحرب سے بغیر لڑائی کے مل جائے۔ (۲) زمین جس کے باشندے بغیر لڑے جلا وطن ہو گئے ہوں۔ (۳) وہ زمین جو کفار خوشی سے مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ (۴) نیستاں صحرا۔ رُود خانہ جو کسی کی ملک نہ ہوں۔ (۵) جس بستی کے تمام باشندے مر جائیں۔ (۶) پہاڑوں کے نیچے کی زمین۔ (۷) گھاس وغیرہ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ⑤ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ⑥

یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے خدا کے یہاں درجات ہیں بخشش ہے اور عزّت و آبرو کے ساتھ روزی ہے۔ (بس مالِ غنیمت کے معاملہ میں بھی وہی صورت پیش آرہی ہے جیسی اس وقت پیش آئی تھی) جب (اے رسول) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ (جنگِ بدر کے لیے) تیرے گھر سے نکال لایا تھا۔ مومنوں کا ایک گروہ اس (جنگ) سے ناخوش تھا۔ حق بات ظاہر ہونے کے بعد بھی وہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے تھے (اور یہ سمجھتے تھے) گویا موت کی طرف کھینچے جارہے ہیں اور وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

یہ واقعہ جنگِ بدر کا ہے۔ جب مسلمانوں کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوئی اور مالِ غنیمت اور قیدیوں پر قبضہ ہوا تو ایک نئی مشکل پیدا ہوگئی۔ اس جنگ میں مسلمان تین ٹکڑیوں میں تقسیم تھے۔

۱۔ جو لوگ حضرتؐ کی حفاظت پر متعین تھے بطور باڈی گارڈ کے ان کے سردار سعدؓ بن معاذ تھے۔

۲۔ جو کفار سے میدان میں جاکر لڑتے تھے جیسے حضرت علیؑ و حمزہؓ وغیرہ۔

۳۔ کچھ لوگ میدانِ جنگ میں مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔

ان میں سے ہر گروہ مالِ غنیمت کا مستحق اپنے کو سمجھتا تھا۔ پہلا گروہ کہتا تھا اگر ہم نہ ہوتے اور کفار حضرتؐ پر حملہ کر دیتے تو اسلام کا قصہ ہی ختم تھا۔ دوسرا گروہ کہتا تھا فتح ہمارے بازوئے شمشیر زن سے ہوئی ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو مسلمان

کو شکست ہو جاتی۔ تیسرا گروہ کہتا تھا مالِ غنیمت جمع کرنے میں ہم کو بڑی تکلیف ہوئی ہے خدا نے اس کا فیصلہ یہ کیا کہ مالِ غنیمت خدا و رسولؐ کا حق ہے وہ جس کو جتنا چاہیں دے دیں اس میں کسی کو جھگڑا کرنے کا حق نہیں۔

بدر کی لڑائی ۲ھ میں ہوئی۔ مدینہ میں آکر ابھی مسلمان اپنی حالت درست کرنے بھی نہ پائے تھے کہ خبریں آنے لگیں کہ کفارِ قریش یلغار کرنے والے ہیں۔ یہ امر حضرتؐ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے باعثِ تشویش تھا۔ اوّل تو مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ دوسرے مسلمانوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو لڑائی کے خلاف تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ سے باہر جاکر دشمن سے مقابلہ کریں بلکہ ان کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں رہیں اور جب دشمن لڑنے کو آئے تو یہیں لڑیں۔ یہ تو بہانہ تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بزدلی ان پر غالب آگئی تھی۔ چونکہ جنگ کا یہ پہلا موقع تھا اور سامانِ جنگ بہت ہی کم تھا لہٰذا دشمنوں کا خوف ان پر غالب آچکا تھا۔ وہ مدینہ سے نکلنا ایسا سمجھتے تھے گویا موت کے منہ میں کھینچے جا رہے ہیں لیکن خدا و رسولؐ کی رائے مسلمانوں کے خلاف تھی۔ چند لوگ ایسے تھے جن کی شجاعت پر حضرتؐ کو پورا پورا اعتماد تھا۔ ان میں سب سے آگے حضرت علیؑ تھے۔ جو اسلام کے بازوئے شمشیر زن تھے۔ ان ہی چند بہادروں کے سہارے رسولؐ کو کفار پر غالب آنے کا یقین تھا۔ چنانچہ حضرتؐ کا خیال پورا ہوا۔ جنگِ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے ان میں سے آدھے یعنی ۳۵ اور بعض کے نزدیک ۳۶ صرف حضرت علیؑ کی تلوار سے قتل ہوئے۔ اگر حضرت علیؑ اس جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی۔ کیونکہ اوّل تو مسلمانوں کی تعداد کل ۳۱۳ تھی اور کفار ایک ہزار سے زائد تھے۔ دوسرے مشرکین میں بہت سے جوان بڑے جنگجو اور نبرد آزما تھے۔ پھر ان کے ساتھ راحت و آرام کے سارے سامان موجود تھے۔ جنگی سامان بھی ان کے پاس خاصہ تھا۔

مسلمانوں پر جب بزدلی کا غلبہ دیکھا تو ان کو قوی دل بنانے کے لیے ملائکہ کی فوج بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اس جنگ میں سب سے پہلے جو اسلام کے نامور سپاہی میدانِ جنگ میں لشکرِ اسلام سے نکل کر آئے وہ بنی ہاشم کے مایۂ ناز مبارز تھے۔ ان میں ایک حضرت علی تھے۔ دوسرے حمزہؓ بن عبدالمطلب تیسرے عبیدہؓ بن الحارث بن عبدالمطلب۔ حضرت عبیدہؓ اس جنگ میں شہید ہوئے۔ قریش کا نامور سردار اور بانیٔ فساد اور اسلام کا پکا دشمن ابوجہل بھی اس جنگ میں مارا گیا۔

الغرض ان آیتوں میں مسلمانوں سے کہا جا رہا تھا کہ جس طرح جنگ کرنے کے بارہ میں تمہارا اختلاف تھا اسی طرح اب تم مالِ غنیمت کے بارہ میں اختلاف کر رہے ہو۔ بس یہ سمجھو کہ جنگ کے متعلق جس طرح تم نے رسولؐ کا حکم مان کر جنگ کی اور تم کو کامیابی ہوئی اسی طرح تم مالِ غنیمت کے سلسلہ میں بھی رسول کے کہنے پر عمل کرو گے تو تمہارے لیے بہتری کا باعث ہوگا۔ رسولؐ ہر ایک کی کارگزاری سے خوب واقف ہیں جس نے اسلام کی جیسی خدمت کی ہوگی رسولؐ اسی کے لحاظ سے مالِ غنیمت سے اس کو حصہ دیں گے۔ تمہاری مرضی کے مطابق تقسیم نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں تم آپس میں لڑ پڑو گے۔

جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کی جائے وہ غلطی پر تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو مدینہ تباہ ہو جاتا اور بہت سی عورتیں اور بچے قتل ہو جاتے۔ دشمن یکایک شہر کے اندر گھس پڑتا اور دھاوا بول دیتا اس وقت مسلمان جو اپنے اپنے گھروں کی حفاظت میں ہوتے اجتماعی قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

مخالفینِ اسلام کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ حضورؐ نے مالِ غنیمت کی طمع میں کفار پر حملہ کیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے کفار کی فوج حرکت میں آئی اور مکہ سے چل کر مقامِ بدر میں پڑاؤ ڈالا۔ اگر وہاں جاکر ان کی روک تھام نہ ہوتی تو وہاں سے وہ مدینہ پر چڑھائی کرتے جیسا کہ وہ ارادہ کر کے مکہ سے چلے تھے۔ لہٰذا حضرتؐ کی جنگ مدافعانہ تھی نہ کہ جارحانہ۔

هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی صفات پہلے بیان ہوئیں۔ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضعیف الاعتقاد تھے مگر خدا نے ان کی ہمت افزائی کے لیے انہیں زمرۂ مومنین میں رکھا ہے۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

(وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل، چاہے مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو (وہ موقع بھی یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اور اس نے جواب میں فرمایا تھا (گھبراؤ نہیں) کہ میں تمہاری مدد کے لیے لگاتار ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں یہ بات اللہ نے تم سے اس لیے کہی تھی کہ تمہارے لیے بشارت ہو اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ سب پر غالب اور دانا ہے۔

ان آیات کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ کفارِ قریش کا ایک قافلہ جس کے سردار ابوسفیان و عمرو عاص تھے شام سے

مال تجارت لیے ہوئے آرہے تھے یہ خبر حضرت رسولؐ کو ہوگئی۔ آپؐ نے جہاد کا حکم دیا اور آپؐ تین سو سترہ مسلمانوں کا چھوٹا سا لشکر لے کر اُن کی طرف چلے۔ ابوسفیان کو پتہ چلا تو اس نے مکہ سے قریش کو اپنی مدد کے لیے بُلا بھیجا وہاں یہ خبر پہنچتے ہی اچھا خاصہ ہنگامہ ہوگیا۔ ابوجہل نے منادی کرادی کہ قریش پر ایسی مصیبت کبھی نہیں پڑی کیونکہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا مال اس قافلہ میں نہ ہو۔ لہٰذا سب کا فرض ہے کہ ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں الغرض ایک بڑا لشکر فوراً تیار ہو کر روانہ ہوگیا۔ ابھی یہ لوگ پہنچنے نہ پائے تھے کہ ابوسفیان بڑی چالاکی سے مشہور راستہ چھوڑ کر کسی اور راستہ سے مکہ کو چل دیا۔ اور ان دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوگئی۔ حضرتؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کیونکہ مسلمان کمی تعداد کی وجہ سے گھبرائے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ جنگ کے خلاف تھے کچھ موافق تھے۔ الغرض حکم رسولؐ کے مطابق جنگ کی گئی۔ کیونکہ خدا مدد کا وعدہ کر چکا تھا قریش کے کچھ غلام نہر سے پانی لینے آئے تو مسلمانوں نے ان کو گرفتار کر لیا۔ ان سے پتہ چلا کہ کفار کی تعداد ایک ہزار ہے اور اونٹوں کے علاوہ ان کے ساتھ چار سو گھوڑے ہیں مسلمانوں کے پاس کُل دو گھوڑے تھے۔ عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو بطور جاسوس سراغ لگانے کے لیے بھیجا گیا۔ انہوں نے آکر بتایا کہ باوجود اپنی کثرت کے وہ فوجِ اسلام سے حد درجہ خائف ہیں۔ عتبہ ہر وہ کی رائے مکہ کو لوٹ جانے کی تھی مگر ابوجہل نے غیرت دلائی اور سب کو جنگ پر آمادہ کیا۔ باقی حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کا ارادہ کیا اور یہ شانِ رسالت کے خلاف تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب سے حضورؐ مدینہ میں تشریف لائے کفارِ قریش کے چڑھائی کرنے کی خبریں برابر آرہی تھیں اور یہ شکایتیں بھی برابر سُنی جا رہی تھیں کہ مشرکین مسلمانوں پر چھوٹے چھوٹے حملے کر رہے ہیں۔ جہاں موقع ملتا ہے چراگاہوں سے ان کے اونٹ بھگا کر لے جاتے ہیں دو چار مسلمانوں کے قتل کی خبریں بھی ملیں مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے جانے کی شکائتیں بھی سُنی گئیں ایسی حالت میں اپنی حفاظت کرنے اور دشمن کی قوت کو توڑنے کا بندوبست کرنا ضروری تھا۔

یہ بات بھی نظر میں رکھیے کہ عرب میں دو متضاد خیال و مذہب کے لوگ پائے جاتے تھے ایک گروہ کفار مشرکین کا تھا اور دوسرا مسلمانوں کا۔ یہ دونوں قوتیں برسرِ پیکار تھیں۔ اور ایک دوسرے کو فنا کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ لہٰذا یہ مسئلہ دونوں کے سامنے تھا کہ آیا عرب میں نظامِ جاہلیت کو باقی رکھنے میں عوام کے لیے بہتری ہے یا نظامِ اسلام کے برقرار رہنے میں۔ ان میں سے کس کو زندہ رہنا ہے اور کس کو مرنا۔ اگر اس نازک وقت میں مسلمان مردانہ وار مقابلہ نہ کرتے تو اسلام کا سرزمینِ عرب میں باقی رہنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا کہ کفار کی طاقت کو توڑنے کے لیے پوری ہمت و جوانمردی سے کام لیں تاکہ ان کو اپنے قدم جمانے کا موقع نہ ملے۔ اسلام تو آیا ہی تھا کفر و شرک کا قلع قمع کرنے کے لیے لہٰذا جو موقع آسے اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بدر کی جنگ پہلی جنگ تھی خدا نے اس میں فتح دے کر کفار کے دل پر دھاک بٹھا دی۔

یہ واقعہ آگے تک چل رہا ہے۔ درحقیقت مسلمانوں کی آئندہ فتوحات کی داغ بیل یہیں سے پڑی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو قوی دل بنانے کے لیے بہت سے واقعات پر توجہ دلائی ہے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ⑪ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑬ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ⑭

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب اپنی طرف سے اطمینان دینے کے لیے تم پر نیند کو غالب کر دیا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک و پاکیزہ کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دُور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدموں کو جمائے رہے (یہ وہ وقت تھا) جب تمہارا پروردگار فرشتوں سے فرما رہا تھا میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو میں بھی کافروں کے دل پر (تمہارا) رُعب ڈال دوں گا پس تم ان کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کی پور پور کو چٹیال کر دو اس لیے کہ انہوں نے خدا اور رسول کی مخالفت کی ہے اور جو کوئی خدا و رسول کی مخالفت کرے گا تو خدا اُسے بڑا سخت عذاب دینے والا ہے (کافرو دنیا میں تو) اس سزا کا مزہ چکھو اور آخرت میں عذاب تو ہے ہی۔

ابوجہل نے یہ چالاکی کی تھی کہ بدر میں پہنچ کر پہلے ہی سے تالاب کے کنارے اپنے خیمے نصب کر دیئے تھے۔ اور مسلمانوں کو ریتلے میدان میں جگہ ملی تھی جہاں اس قدر ریت تھی کہ چلتے وقت ان کے پیر اس میں دھنس جاتے تھے مسلمان سخت پریشان تھے کہ ایسی حالت میں کیسے لڑیں گے تو خدا نے رفعِ تردد کے لیے ان پر نیند غالب کر دی شیطان نے ان میں سے اکثر کو محتلم کر دیا۔ ان کی نجاست دُور کرنے کے واسطے خدا نے خوب پانی برسایا جس سے ریت بھی جم گئی اور ان لوگوں کے لیے پانی کا بھی بندوبست ہوگیا۔ کفار جہاں خیمہ زن تھے وہ سب زمین کیچڑ بن گئی۔ پھر خدا نے مسلمانوں کی

مدد کو فرشتے بھیجے۔ پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار۔ اگرچہ خدا کا حکم ہی کفار کی تباہی کے لیے کافی تھا مگر مسلمانوں کا دل بڑھانے کے لیے یہ ایک ظاہری تدبیر تھی۔ ابنِ عباسؓ کا بیان ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مشرک کے مقابل ہوتا تو کوڑے کی آواز سنتا اور پھر اسی مشرک کو زمین پر پڑا ہوا پاتا اور کوڑے کا نشان اس کے سر پر موجود ہوتا۔ خود مشرکین کا بیان تھا کہ جب ہم سے مقابلہ ہوا تو ہم پر رُعب غالب تھا اور ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ہاتھوں میں تلوار اور کوڑے لیے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہیں اور جس کو کوڑا مارتے ہیں فوراً مر جاتا ہے ان کے خوف سے ہم بھاگ کھڑے ہوئے۔

ملائکہ کی مدد کے متعلق ہم سورۂ آل عمران کی آیت ۱۲۴ میں لکھ آئے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو جو لڑائی کے لیے آمادہ نہ تھے یہ بتایا ہے کہ جو فتح تم کو حاصل ہوئی، اس میں تمہاری کارکردگی سے زیادہ ہماری امداد کو دخل تھا۔ ہم نے فرشتوں کی امداد کا وعدہ کر کے تمہارے دلوں کو قوی کیا ہم نے مینہ برسا کر ریت کو چلنے کے قابل بنایا اور تمہارے لیے پانی پینے کا اچھا خاصہ بندوبست کیا۔ پس اس معاملہ میں تم کو ہمارا شکرگزار ہونا چاہیئے۔ اگر اس وقت خدائی امداد شاملِ حال نہ ہوتی تو مسلمانوں کے لیے کفار پر غلبہ حاصل کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ کفار کی گردن پر کوڑے مارنا اور ان کی پور پور کو چٹیال کرنا جس کی وجہ سے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اگر غیبی امداد نہ تھی تو کیا تھا۔ مسلمان مجاہد تلواروں سے لڑ رہے تھے ان کے پاس کوڑے نہ تھے معلوم ہوا یہ کوڑے مارنے والے کچھ اور ہی لوگ تھے۔ جو بقیۃ السیف میدان میں چھوڑ کر بھاگے تھے ان کے جسموں پر ہر طرف کوڑوں کے نشان تھے تلواروں کے زخم نہیں تھے۔

اگر بدر میں جو پہلی لڑائی تھی مسلمانوں کو فتح حاصل نہ ہوتی تو اگلے سالوں میں جو غزوات و سرایا ہوئے مسلمان ان میں پوری پامردی سے نہ لڑ سکتے لہٰذا خدا نے اس پہلی ہی جنگ میں ان کے قلوب کو مضبوط کرنے اور فتح دے کر آئندہ لڑائیوں میں فتح کی امید دلانے کا بندوبست کرنا ضروری سمجھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ

وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

اے ایمان والو جب میدانِ جنگ میں تمہارا مقابلہ کفار سے ہو تو خبردار ان کی طرف پیٹھ نہ پھیرنا۔ اس شخص کے سوا جو لڑائی کے واسطے کترائے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے ایسا کرے جو کوئی پیٹھ پھیرے گا وہ خدا کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا اور وہ کیسا بُرا ٹھکانہ ہے۔ اے مسلمانو، ان کفار کو کچھ تم نے تو قتل کیا نہیں بلکہ ان کو تو خود خدا نے قتل کیا ہے اور (اے رسول) جب تم نے تیر مارا تو کچھ تم نے نہیں مارا بلکہ خود اللہ نے مارا تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مؤمنین کی اچھی آزمائش کرے بے شک خدا سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے اور یہ کہ خدا تو کافروں کی مکّاری کو کمزور کر دینے والا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ لڑتے وقت دشمن کی طرف پیٹھ کر لینا ایمان سے خارج ہو جانا اور غضبِ الٰہی میں آ جانا ہے جب صرف پیٹھ پھیر لینا غضبِ خدا کا مستحق بنا دیتا اور ایمان سے خارج کر دیتا ہے تو میدانِ جنگ سے فرار کر جانے کی سزا کا تو ٹھکانہ ہی کیا ہے۔ ذرا سوچنے کی بات ہے روزِ اُحد جب حضرت رسولؐ نے امیر المؤمنینؑ سے فرمایا تھا کہ جب سب بھاگ گئے تو تم کیوں نہ بھاگے۔ تو آپؑ نے عرض کی کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ جہاد سے بھاگنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح قولِ رسولؐ قولِ خدا ہے اسی طرح فعلِ رسولؐ فعلِ خدا ہے۔ جبھی تو یہ فرمایا کہ جو تیر تم نے پھینکا تھا وہ تم نے نہیں بلکہ خدا نے پھینکا تھا۔

خدا فرماتا ہے کہ یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ پیٹھ نہ پھیریں اس لیے ہے کہ اللہ مؤمنین کا امتحان لے لے۔ تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ لڑنے والوں میں کون کیسا ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اگر تم چاہتے ہو کہ جو (حق پر ہو اس کی) فتح ہو تو (مسلمانوں کی فتح تمہارے سامنے) موجود ہو گی اب کیا عذر باقی ہے) اگر اب بھی (مخالفتِ اسلام سے) باز رہو تو یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اور اگر تم پلٹ پڑے تو ہم بھی پلٹ پڑیں گے تمہاری جماعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو ہرگز کام نہ آئے گی خدا تو یقیناً مومنین کے ساتھ ہے۔ اے ایمان والو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو۔ در آں حالیکہ تم سن رہے ہو اور ان لوگوں میں سے نہ بن جاؤ جو کہتے ہیں ہم نے سن لیا در آنحالیکہ وہ سنتے سناتے خاک نہیں اس میں شک نہیں کہ زمین پر چلنے والے تمام حیوانات میں وہ بہرے گونگے (کفّار) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ اگر اللہ ان میں سننے کی اہلیت دیکھتا تو انہیں سننے کی قابلیت عطا کرتا (اور یہ تو ایسے نادان ہیں) اگر سننے کی قابلیت عطا بھی کرتا تو بھی یہ منہ پھیر کر بھاگتے۔

جنگِ بدر کے لیے جب مشرکین مکہ سے چلنے لگے تو انہوں نے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی تھی، الٰہی ان دونوں لشکروں میں جو سیدھی راہ پر ہو اور زیادہ سچا دین رکھتا ہو تو اس کی مدد کرنا اور دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنا۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے اس دعا کا کرنے والا سب سے زیادہ جاہل تھا جو عمرو بن الجموح کے وار سے اپنے خون میں لوٹ رہا تھا۔ اسی زخمی حالت میں اس نے عمرو بن الجموح پر وار کیا جس سے ان کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس اثنا میں حضرت ابن مسعود موقع پر پہنچ گئے اور ابو جہل کے سینہ پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا اور اسے لے کر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کا دل ٹھنڈا ہوا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی طرف سے نو آدمی کام آئے اور کفّار کی طرف سے ستر۔

جب کفّار بھاگ گئے تو حضورؐ مع اصحاب رات کو وہیں میدانِ بدر میں رہے۔ اس جنگ میں کفّار کے ستر آدمی قید ہوئے جن میں عباس اور عقیل بھی تھے۔ عباس کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کہ وہ برابر کراہے جاتے تھے۔ جب ان کے کراہنے کی آواز حضورؐ کے کان میں آئی تو بے چین ہو گئے اور مسلمانوں سے کہا ان کی مشکیں ڈھیلی کر دو۔ عباس بڑے قد آور بلند آواز آدمی تھے لیکن ان کو قید کرنے والا ایک شخص ابو الیسر نامی تھا جو بہت پست قد تھا۔ جب اسیرانِ بدر سے فدیہ لینا قرار پایا تو عباس نے کہا میرے پاس کیا رکھا ہے جو اپنا اور عقیل دونوں کا فدیہ دوں۔ دوسرے میں تو مسلمان ہوں کافروں کے ساتھ بمجبوری چلا آیا ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا، دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن بظاہر تو آپ کفّار کے ساتھ تھے۔ فدیہ ضرور لیا جائے گا۔ چلتے وقت جو رقم آپ نے اپنی بی بی ام الفضل کو دی تھی اس میں سے منگا کر دیجئے۔ عباس نے کہا

یہ خبر آپؐ کو کس نے دی، میں نے تو بہت پوشیدہ طور سے یہ کارروائی کی تھی میرے اور ام الفضل کے سوا اور کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا، یہ خبر میرے خدا نے مجھے دی ہے۔

تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیسے چچا جان تھے کہ کفّار کے ساتھ بھتیجے سے لڑنے آئے۔ اور اگر مجبوری سے آ بھی گئے تھے تو پھر جھوٹ نہ بولتے اور اگر جھوٹ کا راز کھل گیا تھا تو پھر مکہ جانے کا نام نہ لیتے حضورؐ کے پاس ہی رہتے اور اگر کسی وجہ سے رک نہ سکتے تھے تو بعد میں ہجرت کر کے آ جاتے۔ مکہ میں جا کر بھی ابو سفیان سے ان کا گٹھ جوڑ رہا وہی ابو سفیان ہے جس کی بی بی ہندہ نے عباس کے حقیقی بھائی حمزہؓ کا کلیجہ سینہ سے نکال کر چبانا چاہا تھا۔ ایسے لوگوں سے خلط ملط رہنا کیسے گوارا ہوا۔ فتح مکہ کے وقت یہی عباس تھے جنہوں نے ابو سفیان کی جاں بخشی کی سفارش حضورؐ سے کی تھی۔

ان اسیروں میں ابو العاص شوہر زینبؓ ربیبۂ رسولؐ بھی تھا۔ اس نے فدیہ میں زینبؓ کا وہ ہار منگا کر دیا جو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر حضورؐ کو خدیجہؓ یاد آ گئیں۔ چشم پُر آب ہو کر اُسے زینبؓ کے لیے واپس کر دیا۔ بعد میں ابو العاص مسلمان ہو گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اے ایمان والو جب تمہیں ہمارا رسول (محمدؐ) ایسے کام کے لیے پکارے جو تمہاری روحانی زندگی کا باعث ہو تو خدا و رسول کا حکم دل سے قبول کر لو اور یہ سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے (ارادہ) اندر آ جاتا ہے (اور یہ بھی سمجھ لو) تم اسی کے سامنے ایک دن حاضر کیے جاؤ گے۔ اور اس فتنہ سے ڈرو جو خصوصیت سے ان ہی پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہے (بلکہ تم سب اس کی لپیٹ میں آ جاؤ گے) اور یہ بھی سمجھ لو کہ

اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور وُہ وقت بھی یاد کرو جب تم تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور روئے زمین پر کمزور لوگ تھے ہر وقت تمہیں لوگوں کے اُچک لے جانے کا خوف رہتا تھا پس خدا نے (اپنی رحمت سے) تمہیں (مدینہ میں) پناہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں قوت پہنچائی اور پاک چیزوں کا تمہیں رزق دیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔

انسان اور اس کے دل میں خدا کے آجانے سے یہ مراد ہے کہ انسان جو ارادہ کرتا ہے خدا کے اختیار میں ہے کہ اگر چاہے تو اُس کو پلٹ دے یعنی آدمی چاہتا کچھ ہو اور ہو جائے کچھ۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اسی بنا پر فرمایا، عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ۔ (میں نے اپنے رب کو ارادہ کے ٹوٹ جانے سے پہچانا ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جو لوگ خدا و رسولؐ کی مرضی کے خلاف کوئی عمل کرنا چاہتے ہیں اس میں کامیابی حاصل کرنا اُن کے بس کی بات نہیں اللہ جب چاہے گا ان کے ارادہ کو توڑ کر رکھ دے گا اور انسان چاہے کتنی ہی کوشش کرے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اہلِ ایمان کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فتنہ سے بچنے کے لیے کوشش کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ جب فتنہ برپا ہوگا تو صرف ظالم ہی اس کی لپیٹ میں نہیں آئیں گے بلکہ بے گناہ بھی آجاتے ہیں۔

آخری آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اس اللہ کی ذات پر توکل کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو جس نے تمہیں مکہ والوں کے مظالم سے بچایا وہاں تمہاری تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اور تمہیں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مشرکین تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے اور سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں گے۔ اللہ نے تمہاری مدد کی اور تم کو ان ظالموں کے پنجہ سے نجات دلائی اور تم کو صاحبِ قوت بنا کر دشمنوں پر غلبہ دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾

اے ایمان والو، اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔ حالانکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو (کہ خیانت کرنا کیسی بُری چیز ہے) اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں (کہ جو ان کی محبت میں خدا کو نہ بھُولے وہ دیندار ہے) اور خدا کے یہاں بے شک بڑا اجر ہے۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وُہ تمہارے لیے امتیازی شان پیدا کر دے گا۔ اور تمہارے لیے گناہوں کا کفّارہ قرار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا صاحبِ فضل و کرم ہے (اے رسول وُہ وقت یاد کرو) جب کفّار تم سے فریب کر رہے تھے تاکہ تمہیں قید کر لیں یا تمہیں مار ڈالیں یا تمہیں گھر سے نکال باہر کریں۔ وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور خدا بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا تھا اور خدا تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اس آیت کے پہلے حصہ میں ابو لبابہ کی توبہ کا ذکر ہے۔ واقعہ یہ ہے:

حضورؐ نے بنی قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ جس میں یہودی رہتے تھے جب محاصرہ کو اکیس روز ہو گئے تو یہودی گھبرا گئے انہوں نے حضورؐ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ حضرتؐ نے فرمایا، میں تم سے صلح نہ کروں گا۔ ہاں تم ہمارے جرنیل سعدؓ بن معاذ کے حکم سے باہر نکلو جو اس کا حکم ہوگا ویسا کیا جائے گا۔ یہودیوں نے کہا ہم اس معاملہ میں ابو لبابہؓ انصاری سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں ان کو ذرا سامنے کیجیے۔ ابو لبابہؓ نے اُن کے سامنے جا کر گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی اگر تم نکلے تو سب قتل کر دیے جاؤ گے۔ اُدھر تو یہودیوں اور ابو لبابہؓ میں باتیں ہو رہی تھیں اِدھر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ و رسولؐ سے خیانت نہ کرو۔ جب ابو لبابہ پلٹے تو یہ آیت سنی تو اُن کو بڑا صدمہ ہوا۔ روتے ہوئے مسجدِ رسولؐ میں پہنچے اور اپنے کو ایک ستون سے باندھ کر یہ قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں۔ آخر جب سات روز یوں ہی گزر گئے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ خدا نے ان کی توبہ قبول کی۔ لوگ اُن کے پاس دوڑے آئے اور یہ بشارت سُنائی۔ انہوں نے کہا جب تک رسولؐ مجھے خود آکر نہ کھولیں گے میں نہ مانوں گا۔ آخر رسولؐ نے آکر خود کھولا۔ یہ ستون اب تک موجود ہے اور اس پہ استوانہ ابو لبابہ لکھا ہوا ہے۔

اس کے بعد خدا نے اموال و اولاد کو اہلِ ایمان کے لیے ذریعۂ آزمائش قرار دیا ہے۔ آدمی فطرۃً ان دو چیزوں کی طرف کھِنچا ہوا رہتا ہے اور ان کی محبت میں ایسے کام کر جاتا ہے جو اُسے نہ کرنے چاہئیں۔ وہ ان کی محبّت میں ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ خدا و رسولؐ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ لہٰذا بڑا دیندار وہ شخص ہے کہ جو ان کی محبت رکھتے ہوئے بھی خدا و رسولؐ کے احکام کو بجا لانا مقدّم سمجھے اور خوشنودیٔ خدا کے لیے مال و اولاد سب کو قربان کر دے۔

ابو درداءؓ صحابی بہت غریب آدمی تھے پھر اولاد بھی زیادہ تھی۔ ایک روز خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے میں ایک عیالدار آدمی ہوں اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں، سخت تکلیف میں زندگی بسر ہو رہی ہے۔

حضوؐر نے ان کو سات درہم دیئے کہ ان کے خرمے خرید کے مسجد کے دروازہ پر بیٹھ کر فروخت کرو۔ ابودرداءؓ نے ایسا ہی کیا۔ شام کو حضوؐر نے حضرت علیؑ سے فرمایا، ابودرداء نے خرما فروشی اختیار کی ہے چلو ہم بھی خریدیں۔ چنانچہ آپؐ نے تین درہم کے خرمے خریدے۔ آپؐ کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی خریدے۔ اس روز اچھا خاصہ نفع ہو گیا۔ دوسرے روز اور زیادہ خرمے خرید لائے۔ کچھ دنوں بعد مسجد کے دروازہ پر چھپر ڈال کر ایک دکان سی بنالی۔ تجارت کو روز بروز فروغ ہوتا گیا۔ پھر کیا تھا ہزار ہا روپیہ کا مال ان کی دکان میں نظر آنے لگا۔ ایک روز لوگوں نے آکر حضوؐر کو خبر دی کہ ابودرداءؓ نے کھڑے کھڑے ساری دکان لٹادی۔ حضوؐر نے بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ عرض کی حضوؐر اس میں مجھے ایمان خطرہ میں نظر آیا۔ پہلے میں حضوؐر کے مسجد میں آنے سے پہلے مسجد میں جا پہنچتا تھا۔ جب دکان کھولی تو حضوؐر کے تشریف لانے کے وقت جانے لگا، اس کے بعد حضوؐر کے تشریف لانے کے بعد جاتا رہا۔ اس کے بعد جب حضوؐر نماز پڑھانے لگتے تب جاتا۔ آخر ایک روز گاہکوں کا ہجوم تھا اور میں خرید و فروخت میں مصروف تھا کہ حضوؐر نماز پڑھا کر چلے بھی گئے۔ بس میں نے دوسرے ہی روز دکان لٹادی کہ یہ خطرۂ ایمان ہے۔ حضوؐر نے فرمایا پھر اولاد کے لیے ذریعۂ معاش کیا ہوگا۔ عرض کی جیسے اب تک بسر ہوتی ہے اسی طرح ہوتی رہے گی۔ حضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ابودرداء کی مدد کرتے رہیں۔ حضوؐر وقتاً فوقتاً خود بھی مدد کرتے تھے۔

تیسری بات اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ جو لوگ تقوٰی اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو ایک امتیازی شان حاصل ہوگی جیسا کہ کسی دوسری جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ الحجرات [۴۹/۱۳] (جو تم میں زیادہ پرہیزگار و متقی ہے خدا کے نزدیک اس کی عزت زیادہ ہے۔) ایسے لوگوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ تقوٰی کے معنی یہ ہیں کہ شرعاً جن امور کا بجالانا ممنوع ہے مومن ان کے قریب نہ جائے چاہے اس پر کیسی ہی مصیبت کیوں نہ نازل ہو۔

آخر میں اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے کہ وہ وقت یاد کرو کہ جب کفّار کا ارادہ تم کو قید کرنے قتل کرنے اور نکال باہر کرنے کا تھا تو وہ مکاریوں سے کام لے رہے تھے۔ خدا نے کیسی اچھی تدبیر کی کہ ان کے شر سے صاف تمہیں بچا لیا یہ تدبیر وہی تھی کہ حضرت علیؑ کو بستر رسولؐ پر سلایا اور حضوؐر کو پردۂ شب میں غارِ ثور کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اس تدبیر میں کامیابی کا ذریعہ خدا نے علیؑ کو قرار دیا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

(ان کافروں کا حال یہ ہے کہ) جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو ایسا قرآن ہم بھی بنا سکتے ہیں اس میں سوائے پرانے قصّوں کے اور ہے کیا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں یا اللہ اگر یہ دین تیرے نزدیک حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا یا کسی دردناک عذاب میں مبتلا کر۔ اے رسولؐ جب تک تم ان کے درمیان موجود ہو اللہ ان پر عذاب نازل نہ کرے گا۔ اور جو لوگ استغفار کرتے ہیں اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرتا اور جو لوگ مسجد الحرام (کعبہ) میں جانے سے روکتے ہیں درآنحالیکہ وہ اس کے متولّی بھی نہیں تو اللہ ان پر اپنا عذاب کیوں نہ نازل کرے۔ اس کے متولّی متقی لوگ ہیں لیکن بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے۔

ان آیات کے متعلق قصّہ یہ ہے کہ نعمان بن حارث تجارت کی غرض سے ایران گیا تھا وہاں سے رستم و سہراب کے قصّے خرید لایا اور عربی میں ان کا ترجمہ کیا اور جب واپس آیا تو لوگوں سے کہنے لگا، دیکھو قرآن کی طرح ہم نے بھی اگلے لوگوں کے قصّے گڑھے ہیں۔ عثمان بن مظعون نے کہا کہ اے خدا سے ڈر، محمدؐ حق پر ہیں۔ وہ بولا میں بھی حق پر ہوں۔ عثمان نے کہا محمدؐ تو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ وہ کہنے لگا یہ تو میں بھی کہتا ہوں مگر اس کے ساتھ هٰؤُلَاءِ بَنَاتُ اللّٰهِ (یہ اللہ کی لڑکیاں ہیں) بھی کہتا ہوں۔ جب حضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے اس کو جھڑکا۔ وہ کہنے لگا خداوندا اگر محمدؐ کا دین سچا ہے تو مجھ پر عذاب نازل کر۔ یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔ یہ کم بخت جنگِ بدر میں واصلِ جہنّم ہوا۔

چونکہ حضوؐر سرکارِ دو عالم تمام عالموں کے لیے رحمت ہیں لہٰذا جب تک ان کا وجود لوگوں کے درمیان تھا خدا نے کفّار پر اپنا عذاب نازل نہیں کیا۔ اور ان کے بعد قیامت تک ایسا نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے اہلبیتؑ میں سے کوئی نہ کوئی ہر زمانہ میں موجود رہے گا۔ حضوؐر نے فرمایا ہے کہ جس طرح ستارے اہلِ آسمان کے لیے باعثِ نجات ہیں اسی طرح میرے اہلبیتؑ اہلِ زمین کے لیے باعثِ نجات ہیں۔ صاحبِ صواعقِ محرقہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو مسجدالحرام میں جانے سے روکتے تھے اور کہتے تھے خانہ کعبہ کے متولی ہم ہیں۔ ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ جو لوگ ہمارے دین پر نہیں ان کو حرمِ خدا میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ خدا فرماتا ہے حرمِ خدا کے یہ متولی کیسے بن گئے جبکہ یہ خدا کو وحدہٗ لاشریک لہٗ نہیں مانتے۔ اس گھر کے متولی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں۔

یہاں یہ اعتراض معترض کر سکتا ہے کہ جب حضورؐ کی موجودگی میں خدا کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا تو مذکورہ بالا شخص پر کیوں عذاب نازل کیا۔ اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں پر حضورؐ کی موجودگی میں عذاب کا نازل ہونا پایا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ انبیائے سابقین کی قوموں پر جو عذاب نازل کیا گیا ہے وہ من حیث المجموع ہوتا تھا یعنی جب کوئی قوم شرک سے باز نہ آتی تھی اور اپنے زمانہ کے رسولؑ سے عذاب لانے کی خواہش کرتی تھی تو عذاب نازل ہوتا تھا۔ حضور سرکارِ دو عالمؐ کے زمانہ میں بھی انہی لوگوں پر عذاب آیا ہے جنہوں نے اپنے لیے نزولِ عذاب کی خواہش کی ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

ان کافروں کی نماز ہی کیا تھی خانہ کعبہ کے پاس آکر سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے پس اپنے کفر کی وجہ سے جو عذاب تم پر نازل ہو اس کا مزہ چکھو۔ کافر لوگ اپنا مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ راہِ خدا سے لوگوں کو روکیں۔ وہ خرچ کرنے کے بعد حسرت میں رہیں گے اور مغلوب بھی ہوں گے۔ اور جو لوگ کافر ہیں، وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔

بدو عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کعبہ کی زیارت کو آتے تو زور زور سے سیٹیاں بجاتے اور تالیاں بجاتے وہ اسی کو اپنی نماز جانتے تھے۔ یہ انسانی تہذیب و تمدن سے بیگانہ خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے۔ عورتوں کی شرمگاہ پر کپڑے کی ایک پتلی سی چیٹ پڑی رہتی تھی۔ پیچھے کا حصّہ کھلا رہتا تھا۔ فلسفہ یہ تھا کہ خدا کے یہاں سے ہم ننگے ہی آتے ہیں لہٰذا اس کے دربار میں اسی طرح جانا چاہیئے جس طرح اُس نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا ہے۔ وہ والہانہ انداز میں اس طرح طواف کرتے تھے کہ ان کو اپنے تن و سر کا ذرا ہوش نہ رہتا تھا۔ طواف کی رسم حضرت ابراہیمؑ

کے زمانہ سے چلی آ رہی ہے مگر اس کے طریقے بدلتے رہے اسلام نے رسم کو تو باقی رکھا لیکن وحشیانہ انداز بدل دیئے۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

تاکہ خدا پاک کو ناپاک سے جُدا کر دے اور ناپاک لوگوں کو ایک دُوسرے پر رکھ کر ڈھیر لگا دے اور پھر سب کو جہنّم میں جھونک دے یہی لوگ گھاٹا اُٹھانے والے ہیں۔ اے رسُول کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں تو ان کے پچھلے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر وہ پھر پلٹ آئیں گے تو جو پہلے ہُوا ہے وہی ہو گا (یعنی جو اُن کو سزا ملی تھی اِن کو بھی ملے گی) اور اے مسلمانو، ان کافروں سے لڑتے جاؤ یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور دینِ خدا ساری خدائی میں ہو جائے۔ اگر وہ (شرارتوں سے) رُک جائیں تو اللہ ان کی کارروائیوں کو خوب دیکھتا ہے اور اگر رُوگردانی کریں تو سمجھ لو کہ بے شک اللہ تمہارا مالک ہے اور وُہ اچھا مالک اور اچھا مددگار ہے۔

خدا چاہتا ہے کہ گناہ کرنے کے بعد بھی اگر وہ خدا سے استغفار کر لیں اور اپنی حرکات سے باز آ جائیں تو خدا ان کے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اگر کسی طرح نہ مانیں تو اے مسلمانو، تم پریشان نہ ہو اللہ تمہارا سرپرست اور مددگار ہے۔ ان مشرکوں کو جو سزائیں پہلے دی جا چکی ہیں اب بھی دی جائیں گی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰي وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ۙ

اور (اے مسلمانو) جان لو کہ جو مال تم (لڑ کر) لُوٹو تو اس کا پانچواں مخصوص حصّہ خدا اور رسول اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے اگر تم خدا پر اور غیبی امداد پر ایمان لا چکے ہو جو ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر فیصلہ کے دن (جنگِ بدر میں) نازل کی تھی۔ جس دن (مسلمانوں اور کافروں کی) جماعتیں باہم گتھم گتھا تھیں اور اللہ ہر شے پر قادر ہے (جب تم میدانِ جنگ میں) قریب کے ناکے پر تھے اور وہ (کفّار) بعید کے ناکے پر تھے اور سوار تم سے نشیب میں تھے۔ اگر تم ایک دوسرے سے (وقت کی تقرری کا) وعدہ کر لیتے تو وقت پر گڑ بڑ کر دیتے (مگر خدا نے تم لوگوں کو اچانک اکٹھا کر دیا) تاکہ جو بات ہونے والی تھی اُسے پُورا کر دکھائے اور یہ کہ جو شخص ہلاک (گمراہ) ہو وہ حق کی حُجّت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ ہدایت کی حُجّت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے۔ بے شک اللہ بڑا سننے والا خبردار ہے۔

مالِ غنیمت کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ہیں جن سے خمس کا نکالنا واجب ہے۔ اوّل سونے چاندی کی کان۔ دُوسرے زمین میں دبا ہُوا خزانہ۔ تیسرے موتی وغیرہ جو دریا سے نکالے جائیں۔ چوتھے پیشہ یا زراعت کے نفع میں سے

اہل وعیال کا سال بھر کا خرچ نکالنے کے بعد جو بچے۔ پانچویں جب اہلِ کتاب مسلمان سے زمین خریدے۔ چھٹے جو مالِ حرام مالِ حلال سے مل جائے اور تمیز نہ ہو۔

یہ تقسیم کا حکم جنگ بدر کی غنیمت کے وقت ہوا جو ۱۷ رمضان روز جمعہ سنہ ۲ھ میں ہوئی تھی۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کا حصّہ رسولؐ کا حصّہ ہے اور رسولؐ کے بعد خدا اور رسولؐ کے حصّہ کا مالک امام منصوص من اللہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسولؐ کا حصّہ تو ان کے قرابت داروں کو دیا جائے گا جو یتیم و مسکین اور پردیسی ہوں یہ شرط ہے کہ قرابت دارِ رسولؐ ہوں یعنی یہ سب حصّے رسولؐ اور ان کی اولاد کے لیے خاص ہیں۔ خمس میں سہم امام علیحدہ کر کے دوسرا حصّہ سادات کی اُن صفوں میں تقسیم کیا جائے گا جن کا ذکر آیت میں ہے۔ چونکہ اولادِ رسولؐ پر غیر سیّد کی زکوٰۃ جو صدقہ ہے حرام کر دی گئی ہے لہٰذا بجائے اس کے ان کا حق خمس میں باقی رکھا گیا ہے۔

عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو خاندان حکمران ہو اس کی اولاد کے لیے کچھ ایسا بندوبست کیا جائے کہ وہ اپنی زندگی با عزت طریقہ سے گزار سکیں اور لوگوں کے سامنے ان کو ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پیش نہ آئے کیونکہ اس میں خاندانِ شاہی کی ذلت یقینی ہے۔ تمام دنیا کی سلطنتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے اور رسولؐ جو دین اور دنیوی دونوں حیثیت سے مسلمانوں کے بادشاہ ہیں لہٰذا قدرت کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ ان کی اولاد کے حقوق کا تحفظ نہ کیا جائے۔ غیر سیّد کی زکوٰۃ کو اس لیے سادات پر حرام کیا گیا ہے کہ وہ صدقہ ہے میل کچیل ہے اس کو لے کر کھانے میں اولادِ رسولؐ کی توہین ہے۔

خدا نے تو سادات نوازی کا پورا بندوبست کر دیا تھا مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اولادِ رسولؐ کی کوئی عزت نہ کی اور ان کو جائز حق سے محروم کر دیا۔ حیاتِ رسولؐ میں تو ایسا ہی ہوتا رہا جیسا خدا نے حکم دیا تھا لیکن رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اس حق کو ضبط کر کے دیگر امورِ سلطنت میں خرچ کیا جانے لگا۔ اس ناحق شناسی کی جوابدہی ایک روز مسلمانوں کو کرنا ہوگی۔ آنحضرتؐ کے بعد مسلمانوں کی سیاسی مصلحت اس رائے سے متفق ہو گئی کہ اولادِ رسولؐ کو ایسی اقتصادی مار دی جائے کہ وہ مسلمانوں کے معزز طبقہ میں شامل ہونے کے قابل ہی نہ رہیں۔ چنانچہ اس کے نتائج سادات کے لیے بڑے تباہ کن ثابت ہوئے یعنی تنگدستی نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا اور وہ فقیرانہ اور قلندرانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس ذہنیت کا صرف اتنا ہی اثر نہ ہوا کہ سادات اپنے جائز حق سے محروم ہو گئے بلکہ خمس دینا ہی لوگوں نے بند کر دیا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

غیروں کو چھوڑیئے ہمارے فرقہ کے صاحبانِ استطاعت ہی نے اس طرف سے منہ موڑ لیا کم لوگ ہیں کہ اس امرِ واجب کو ادا کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے غریب سیّد اور یتیم بچے اور بیوہ عورتیں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ اللہ ہم پر رحم کرے اور ادائے واجب کی توفیق دے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ

فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

یہ وہ وقت تھا جب خدا نے تمہیں خواب میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا تھا اور اگر ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم یقیناً ہمت ہار دیتے اور لڑائی کے بارہ میں آپس میں جھگڑا کرنے لگتے۔ خدا نے اس بدنامی سے بچا لیا اور اللہ دل کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے اور جب مڈبھیڑ ہوئی تو خدا نے تمہاری آنکھوں میں کفار کو کم دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تم کو تھوڑا دکھایا تاکہ خدا کو جو کرنا منظور تھا وہ پورا ہو جائے اور تمام امور کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔ اے ایمان والو جب تم کسی فوج کے مقابل ہو تو قدم جمائے رکھنا اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ تمہارے لیے بہتری کا باعث ہو۔

خدا نے یہ تدبیر اس لیے اختیار کی کہ کفار پر مسلمانوں کا غلبہ ثابت کر دے اگر مسلمانوں کی تعداد کفار کی نظر میں کم کر کے نہ دکھاتا اور مسلمانوں کی نظر میں کفار کو کم نہ دکھاتا تو مسلمان ان سے مرعوب ہو جاتے اور ہرگز لڑائی پر آمادہ نہ ہوتے۔ خدا چاہتا تھا کہ بدر کے میدان میں دونوں گروہوں کی ٹکر ہو جائے تاکہ پہلی ہی جنگ میں کفار کے دل پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دے اور پہلی ہی بار فتح حاصل کر کے مسلمانوں کی ہمت ایک سے ہزار ہو جائے۔

بدر کی شکست نے درحقیقت کفار کی کمر توڑ دی تھی کیونکہ مشرکین کے نامی گرامی سردار اس جنگ میں کام آئے تھے جیسے عتبہ، شیبہ، ولید اور ابوجہل۔ ابوسفیان کا سسرالی خاندان سب سے زیادہ تباہ ہوا تھا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾

اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو مت ورنہ ہمت ہار بیٹھو گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لیے گھروں سے نکل پڑے اور لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے روکنے لگے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور چونکہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں زینت دے دی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ لوگوں میں کوئی ایسا نہیں جو تم پر غالب آسکے۔ (ڈرتے کیوں ہو) میں تو تمہارا مددگار ہوں۔ جب لوگوں کے گروہ مقابل ہوئے تو خود وہاں سے چل چلپت ہوا اور کہہ گیا میں تم سے بالکل الگ ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

جنگِ بدر کے موقع پر شیطان سُراقہ بن حارث کی شکل بن کر لوگوں کو جنگ پر اکسا رہا تھا یکایک فرشتوں کا لشکر دیکھ کر بھاگا جب یہ لوگ مدینہ آئے تو سُراقہ کی مذمت کی۔ اس نے قسم کھا کر کہا میں تمہارے ساتھ نہ تھا اور لوگوں نے بھی گواہی دی کہ یہ تو مدینہ ہی میں رہ گیا تھا مگر ان کو یقین نہ ہوا جب سُراقہ مسلمان ہوا تب لوگوں کو یقین آیا کہ وہ ابھارنے والا شیطان تھا۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ

كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾

(اس موقع پر) منافقین اور وہ لوگ جن کے دل میں (کفر کا) مرض تھا یہ کہتے پھرتے تھے کہ ان مسلمانوں کے دین نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (اتراتے پھرتے ہیں) اور (یہ نہیں جانتے کہ) جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے (وہ ضرور غالب رہتا ہے کیونکہ) اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ کاش تم دیکھتے جب ملائکہ کافروں کی جان نکال رہے تھے تو ان کے چہروں اور پشتوں پر کوڑے مار رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے اب عذاب جہنم کے مزے چکھو، یہ سزا ہے ان اعمال کی جو تم نے اپنے ہاتھوں سے پہلے کیے ہیں اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا (اپنے اوپر وہ ظلم کرنے والے خود ہیں۔)

قیس بن ولید حارث بن ربیعہ، عتبہ بن امیّہ وغیرہ مکّہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب حضرتؐ نے ہجرت کی تو مشرکین نے ان کو روک لیا۔ جب بدر کی لڑائی کے لیے مشرکین چلے تو ان کو بھی ساتھ لے لیا۔ ان سب نے ٹھان لی کہ چلے چلو جو فریق غالب نظر آئے گا اس کی طرف ہو جائیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان تو بہت تھوڑے ہیں اور کفار ان سے کہیں زیادہ ہیں تو کہنے لگے مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ورنہ اس قلیل تعداد میں ہو کر ایک زبردست دشمن کا مقابلہ کرنے کو آکھڑا ہونا بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ آیت انہی کی شان میں ہے۔
خدا نے مسلمانوں سے فرشتے مدد کے لیے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کو یوں پورا کیا کہ فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر کوڑے مارتے تھے اس مار سے مشرکین بے دم ہو جاتے تھے اور ان میں لڑنے کی طاقت باقی نہ رہتی تھی۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ

رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوا ظٰلِمِينَ ﴿٥٤﴾

(لوگوں کی حالت) قومِ فرعون اور اُن لوگوں کی سی ہے جو اُن سے پہلے تھے انہوں نے آیاتِ الٰہی سے انکار کیا تو خدا نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں دھر پکڑا بے شک خدا قوی اور سخت عذاب دینے والا ہے۔ خدا جب کوئی نعمت کسی قوم کو دیتا ہے تو جب تک وُہ لوگ خود اپنی (قلبی) حالت نہ بدلیں خدا بھی اُسے نہیں بدلے گا خدا سب کی سُنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ ان لوگوں کی حالت قومِ فرعون اور ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے پہلے تھے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ہم نے قومِ فرعون کو غرق کر دیا اور یہ سب کے سب ظالم تھے۔

اللہ کا فضل سب پر عام ہے وہ اپنی نعمتوں سے سب کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ لیکن جب کوئی قوم اس کی آیات کو جھٹلاتی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود بنا لیتی ہے تو خدا اپنی نعمتوں کو ان سے روک لیتا ہے اور ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیتا ہے خدا کا یہ عمل مبنی بر انصاف ہے۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنے اوپر بُرے اعمال کر کے ظلم کرتے ہیں۔ قومِ فرعون اور دوسری قوموں کو اس لیے ہلاک کیا گیا کہ انہوں نے انتہائی سرکشی اور نافرمانی پر کمر باندھ لی تھی اور کمزور لوگوں کو ستاتے تھے۔ اور باوجودیکہ انبیاء ان کو طرح طرح سے سمجھاتے اور عذابِ الٰہی سے ڈراتے تھے مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا

يُحِبُّ الْخَآئِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

خُدا کے نزدیک کفار چوپاؤں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے تم نے معاہدہ کیا وہ اپنے عہد کو ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وُہ خدا سے ڈرتے نہیں اگر تم ان پر لڑائی میں قابو پا لو تو ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی تتر بتر کر دو جو ان کے پیچھے (ان کی پشت پر) لگے ہوں تاکہ وہ بھی نصیحت حاصل کریں اگر تم کو کسی قوم سے بدعہدی کا خوف ہو تو تم بھی برابر ان کا عہد ان کے منہ پر پھینک مارو کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں (بدعہدوں) کو دوست نہیں رکھتا۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے تم ان لوگوں کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ آگے بڑھ نکلے ہیں۔ وہ ہرگز (مسلمانوں کو) ہرا نہیں سکتے۔

خدا نے کافروں کو جانوروں سے بھی بدتر فرمایا ہے کیونکہ جانور تو عقل نہیں رکھتے اس لیے ان کی غلطی قابلِ گرفت نہیں لیکن یہ کم بخت تو عقل رکھتے ہوئے گمراہ ہو گئے ہیں۔ جانور باوجود بے عقل ہونے کے اپنے مالکوں کو پہچانتے ہیں اور ان کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں لیکن کافر اپنے مالک یعنی خدا پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے حکم کی کھُلم کھُلا خلاف ورزی کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہودیوں کی بدعہدی کا بھی ذکر ہے۔ بنی قریظہ نے رسولِ خدا سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ کفارِ مکہ کا ساتھ نہ دیں گے لیکن جنگِ بدر میں انہوں نے کفار کو ہتھیار فراہم کیے اور جنگِ خندق میں تو کھُل کر ان کے ساتھ ہو گئے اس بدعہدی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ خیبر میں ان کو وُہ کھُلی شکست ہوئی کہ مارے بھی گئے اور اپنے املاک سے بے تعلق بھی کر دیئے گئے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُونَهُمْ ۚ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ۙ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾

اے مسلمانو کفار سے مقابلہ کے لیے جہاں تک تم سے اپنی قوت سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے لڑائی کا سامان مہیا ہو سکے کرو اس سے تم اللہ کے دشمن پر اور اپنے دشمن پر اور ان کے علاوہ اُن پر جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے، اپنی (شجاعت کی) دھاک بٹھا دو اور راہِ خدا میں جو کچھ تم صرف کرو گے وہ تم پورا پورا (خدا کے یہاں) پاؤ گے اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا اگر یہ کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو اور خدا پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر وہ لوگ تمہیں دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تمہاری (مدد کے) لیے کافی ہے۔ اے رسول وہ وہی تو خدا ہے جس نے تمہاری تائید اپنی اور مؤمنین کی مدد سے کی اور تمہارے دلوں میں محبت قائم کی۔ اگر تم جو کچھ روئے زمین پر ہے سب کا سب بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں محبت نہ پیدا کر سکتے تھے مگر خدا ہی تھا جس نے ان کے دلوں میں محبت پیدا کی بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

دُرِّ منثور سیوطی میں ہے کہ ابنِ عساکرؒ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ عرش پر لکھا ہُوا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میرا کوئی شریک نہیں محمدؐ میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ میں نے علیؑ سے اس کی مدد کی۔ یہی مراد ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ سے۔ مشرکوں اور یہودیوں سے جہاں جہاں مقابلے ہوئے حضرت علیؑ نے سب سے زیادہ مشرکوں کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ بقول ابنِ عباسؓ دس ہزار کافروں کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا۔ سلطنتِ اسلامی کی جڑ جمانے والے اور نظامِ حکومتِ الٰہیہ کو قائم کرنے والے حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ۧ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اے نبی تمہارے اور اُن مؤمنین کے لیے جو تمہارے پیرو ہیں اللہ (مدد کے لیے) کافی ہے۔ اے نبی مؤمنین کو قتال کے لیے ابھارو۔ اگر تم میں سے بیسؔ جم کر لڑنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں (ان میں ایمانی قوت نہیں)۔ اب خدا نے (اپنے حکم کی سختی میں) تخفیف کر دی اور یہ جانتے ہوئے کی کہ تم میں کمزوری ہے یہ قرار دیا کہ اگر تم میں جم کر لڑنے والے سو ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو بحکمِ خدا دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ (جنگ کی تکلیفوں کو) جھیل جانے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت میں مومنوں اور کافروں کے تصادم میں پہلے تو یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے اور کافروں کے درمیان ایک اور دس کی نسبت ہونی چاہیئے یعنی ایک آدمی دس کا مقابلہ کرے۔ لیکن پھر یہ دیکھ کر کہ ابھی تمام مسلمانوں کے اندر جذبۂ ایمانی اس حد تک قوی نہیں ہوا ہے کہ دس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہ سکیں لہٰذا حکم میں تخفیف کر دی گئی کیونکہ جو لوگ کچھ مدت پہلے ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور فوجی تربیت ان کی باقاعدہ نہیں ہو پائی تھی ان کے لیے ایک اور دس کی تکلیف مالایطاق ہو جائے گی اور وہ لڑنے کی تاب نہ لاسکیں گے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰي حَتّٰي يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۶۸﴾

نبی جب تک رُوئے زمین پر کافروں کا خون نہ بہائے اس کے یہاں قیدیوں کا رہنا مناسب نہیں۔ تم لوگ دُنیا کے ساز و سامان کے خواہاں ہو اور خدا تمہارے لیے آخرت کی بھلائی کا خواہاں ہے اور اللہ زبردست حِکمت والا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے پہلے ہی حکم نہ آچکا ہوتا تو تم نے جو بدر کے قیدیوں کو چھوڑ دینے کے لیے فِدیہ لیا تھا اُس کی سزا میں تم پر بڑا عذاب نازل ہو کر رہتا۔

جنگِ بدر کی فتح کے بعد جب ستّر آدمی قید ہو کر آئے تو حضورؐ نے اصحابؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے متعلق کیا کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یہ لوگ آپؐ کی قوم کے ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ لوگ مشرکوں کے پیشوا ہیں انہوں نے آپؐ کو شہر بدر کیا ہے ان پر رحم مناسب نہیں حکم دیجئے کہ ان کی گردن ماردی جائے۔ عباس کو میرے حوالے کرو عقیل کو علیؑ کے۔ سعدؓ بن معاذ نے کہا کہ ان سب کو ایک گڑھے میں ڈال کر اُوپر سے کوڑا کرکٹ بھر کر آگ لگادی جائے۔ حضورؐ نے فرمایا، نہیں بلکہ ان کے متعلق تین صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو ان سے فدیہ لیا جائے یا اسلام قبول کرنے کو کہا جائے یا پھر انہیں قتل کر دیا جائے۔ کچھ لوگوں نے فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا۔ حضرتؐ اس سے بہت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے سبب پوچھا تو فرمایا، تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی طمع میں فدیہ لینے سے عذاب اتنا قریب تھا جیسے کہ یہ درخت۔ اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ف جہاں تک تفسیروں کو دیکھا گیا اکثر مفسّرین اس کی توضیح کرنے سے قاصر رہے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ سورۂ محمدؐ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی؛

فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ اس آیت میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پہلے دشمن کی طاقت کو خوب کچل ڈالو۔ جب کچھ لنگڑے لُولے وغیرہ باقی رہ جائیں تو ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

جنگِ بدر فتح ہوتے ہی مسلمان لُوٹنے میں مشغول ہو گئے اور بھاگے ہوئے دشمن کا تعاقب کرنا اور ان کو اچھی طرح مارنا پیٹنا اور زخمی کرنا بھُول گئے اور انہیں آزادی سے بھاگنے کا موقع دے دیا لہٰذا خدا کو غصّہ اس بات پر آیا کہ تم نے شرط پوری کیے بغیر فدیہ لے کیسے لیا۔ اگر فدیہ کا حکم پہلے نہ آگیا ہوتا تو یقیناً تم عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جاتے۔ جاؤ خدا نے تمہیں معاف کر دیا۔ حضرتؐ کی رائے فدیہ لینے کی نہ تھی مگر جب مسلمانوں نے اپنے اپنے عزیزوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا

تو حضورؐ نے مجبُوراً عباس و عقیل و ابوالعاص سے فدیہ لیا۔ لہٰذا خدا کا سارا غصّہ مسلمانوں پر ہے رسولؐ پر نہیں۔
اللہ تو یہ چاہتا تھا کہ کفر و شرک کی جڑ جلد سے جلد کٹ جائے اور مسلمان چاہتے تھے کہ دولتِ دُنیا سے جلد از جلد مالا مال ہو جائیں۔ جنگِ بدر میں جو مالِ غنیمت مِلا تھا اس پر اکتفا کرنی چاہیئے تھی لیکن ایسا نہ ہُوا اور فدیہ کی رقم سے مزید اپنے کو فائدہ پہنچانا چاہا۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِىٓ اَيْدِيكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِى قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۷۱﴾

(مسلمانو خیر جو ہُوا سو ہُوا) اب جو مالِ غنیمت تم کو مِلا ہے اسے کھاؤ پیؤ یہ تمہارے لیے حلال و طیّب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک غفور و رحیم ہے۔ اے نبی جو قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے کہہ دو اگر خدا تمہارے دِلوں میں نیکی دیکھے گا تو جو تم سے چِھین لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرمائے گا اور بخش دیگا اللہ بڑا بخشنے والا رحیم ہے۔ یہ اگر تم سے فریب کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے یہ خدا سے فریب کر چکے ہیں (جس کی سزا میں) خدا نے تمہیں ان پر قابو دے دیا اور اللہ بڑا دانا اور حِکمت والا ہے۔

قیدیوں سے جنگِ بدر کے بعد فدیہ لیا گیا وہ سو اوقیہ سونا تھا یعنی پونے تین تولہ ہمارے حساب سے۔ کفارِ قریش کے ساتھ عباس، حضرتؐ کے چچا بھی تھے۔ یہ جب مکّہ سے چلے تھے تو چالیس اُوقیہ سونا اپنی انٹی میں رکھ لیا تھا اور باقی اپنی بی بی کو دے آئے تھے۔ جو اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو مالِ غنیمت قرار پایا لہٰذا جب ان سے ان کا اور عقیل و نوفل کا فدیہ مانگا گیا تو انہوں نے کہا میرے پاس کیا رکھا ہے جو تھا لُٹ گیا۔ اور میں تو مسلمان ہوں میں کیوں دوں۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ تم کیا ہو، رہا فدیہ وُہ تو دینا ہی ہوگا۔ کہنے لگے تو کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا چچا بھیک مانگ کر یہ

رقم دے۔ فرمایا بھیک کیوں مانگے اس رقم میں سے دو جو چلتے وقت اپنی بی بی کو سونپ گئے ہو۔ ان کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے
چونکہ فدیہ لینے پر آیت عذاب نازل ہوئی تھی اس لیے بعض اصحاب نے فدیہ کی رقم لینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ جو ہُوا سو ہُوا اب جو لے لیا ہے اُسے کھاؤ۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فدیہ لینے کی رائے حضرت ابوبکرؓ نے دی تھی جو حضورؐ کو پسند آئی تھی۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو سارا الزام حضرتؐ کے سر آجائے گا کہ بغیر وحی کا انتظار کیے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر کیوں عمل کیا اور اس صورت میں جو آیہ عتاب صحابہؓ کے متعلق ہے اس کا رُخ حضرتؐ کی طرف مُڑ جائے گا۔ کوئی عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی۔

اس آیت کے متعلق کہ اگر خدا تمہارے دل نیکی کی طرف مائل دیکھے گا تو تمہیں اس سے کہیں زیادہ دے گا جو مالِ غنیمت کے طور پر تم سے لیا گیا ہے۔ مروی ہے کہ جب عباسؓ مسلمان ہو گئے تو ایک جگہ سے مالِ غنیمت آیا۔ حضرتؐ نے عباسؓ سے فرمایا، لے چچا چادر بچھائیے اور اس میں سے جتنا چاہیے لے لیجئے۔ خدا نے جو وعدہ کیا تھا میں اُسے پُورا کرتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ج وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجروں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی تو یہ لوگ باہم ایک دُوسرے کے سرپرست و دوست ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے اور ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی سرپرستی سے کوئی سروکار نہیں جب تک وُہ ہجرت نہ کریں اگر وُہ تم سے دینی معاملہ میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابل نہیں جن سے تم نے صُلح کا عہد کر لیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

مدینہ میں آنے کے بعد حضورؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان اُخوت قائم کی اور ایک کو دُوسرے کا دُکھ درد میں شریک بنایا۔ یہ بھائی چارہ قائم ہونے کے بعد غریب مہاجروں کو بڑی ڈھارس ہوئی۔ ان کو رہنے کے لیے گھر دئیے گئے اور ہر طرح مالی امداد کی گئی مگر بعد رسولؐ حکومت پانے کے بعد مہاجرین نے ان سے کوئی اچھا سلوک نہ کیا۔ انصار بیچارے ہمیشہ حکومت سے محروم ہی رہے۔

ہجرت پر زور اس لیے دیا گیا کہ جو لوگ مکّہ میں رہ گئے تھے ان کو اوّل تو طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ دُوسرے وہ آزادی سے احکامِ اسلام پر عمل نہ کر سکتے تھے تیسرے ان کا ایمان خطرہ میں رہتا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ وہ مشرکین و کفار کے دباؤ سے کسی وقت اسلام ترک کر کے پھر ان سے جا ملیں اور اس لیے بھی کہ جو مکّہ میں رہ گئے تھے مسلمان ان کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ نیز یہ کہ وہ جہاد میں شریک ہونے سے محروم رہ گئے تھے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ط وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

جو لوگ کافر ہیں ان میں ایک دوسرے کا دوست ہے۔ اگر تم اس طرح مدد نہ کرو گے تو روئے زمین پر ایک فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد ہو گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور فی سبیل اللہ جہاد بھی کیا اور وہ جن لوگوں نے پناہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مؤمن ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔ جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور کتابِ خدا کی رُو سے قرابتدار ایک دُوسرے کے زیادہ حقدار ہیں بیشک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے ہجرت بھی کی اور فی سبیل اللہ جہاد بھی کیا۔ اس کے بعد انصار کی تعریف کی گئی ہے کہ انہوں نے مہاجروں کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور وقتِ مصیبت ان کی مدد کی۔ پھر ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کر کے جہادوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ قرابت داری کے علاوہ یہ بھی ایک ایمانی تعلق ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔

---

(۹) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۳)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۚ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

(ترجمہ صفحہ ۱۸۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔)

اس سورہ میں حسبِ ذیل اُمور کا بیان ہے :

۱ - حضرت علیؑ کی فضیلت۔
۲ - مشرکین سے بیزاری۔
۳ - جو مشرکین عہد نہ توڑیں تم بھی عہد کو نہ توڑو۔
۴ - مشرکین پناہ مانگیں تو دو۔
۵ - سب مؤمنین بھائی ہیں۔
۶ - کفّار کے پیشواؤں سے لڑو۔
۷ - خانہ کعبہ کی آبادی مشرک کا کام نہیں۔
۸ - حضرت علیؑ، عباس اور طلحہ کے مناظرہ کا فیصلہ۔
۹ - جنگِ حنین کا قصّہ۔
۱۰ - غرور کی برائی۔

۱۱ - مشرک نجس العین ہیں۔
۱۲ - امام مہدیؑ کے متعلق پیشگوئی۔
۱۳ - زکوٰۃ نہ دینے کی مذمت۔
۱۴ - ہمیشہ سے سال کے بارہ مہینے ہیں۔
۱۵ - حرمت کے چار مہینے۔
۱۶ - جنگِ تبوک کا قصّہ۔
۱۷ - غارِ ثور میں رسولؐ کا جانا۔
۱۸ - خوارج کی نسبت پیش گوئی۔
۱۹ - منافقین کے تذکرے۔
۲۰ - مؤمنین باہم دوست ہیں۔
۲۱ - خدا کی خوشنودی سب سے بالاتر ہے۔
۲۲ - منافقین ہرگز نہ بخشے جائیں گے۔
۲۳ - عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ۔
۲۴ - بدو عرب کٹّے کافر ہیں۔
۲۵ - سابقین اوّلین
۲۶ - مسجد الحرام کا قصّہ۔
۲۷ - مؤمنین کی جانیں خدا نے خرید لی ہیں۔
۲۸ - صادقین کون ہیں۔
۲۹ - بعض صحرائی عرب ایماندار ہیں۔
۳۰ - اوس وغیرہ کا قصّہ۔
۳۱ - مسجدِ قبا کی مدح۔
۳۲ - کعب بن مالک کی توبہ۔
۲۳ - علمِ دین سیکھنے کا حکم۔
۳۴ - رسولؐ کی مدح۔

چند ضروری اُمور کی توضیح

یہ سورہ ۹ھ میں نازل ہوا۔ پہلا حج ۸ھ میں قدیم طریقہ پر ہوا۔ ۹ھ میں مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر کیا اور مشرکوں نے اپنے طریقہ پر۔ ۱۰ھ میں حج خالص اسلامی طریقہ پر ہوا۔ یہی مشہور حج حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔

مشرکین سے جو وعدے ہوتے تھے چونکہ بار بار ان کی خلاف ورزی کی گئی لہٰذا اس کی ضرورت ہوئی کہ واضح طور پر ان کو بتا دیا جائے کہ اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں کیونکہ تم اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہو۔ کفّار و مشرکین اسلام کی تباہی کے لیے اپنی کسی تدبیر سے نہ چُوکتے تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اگر رُوم یا ایران کی طرف سے مسلمانوں پر یلغار ہو تو ہم نقضِ عہد کر کے ان سے جا ملیں۔ اگر ایسی صورت پیش نہ آئے تو ہم ایسی چالیں چلیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے اور خانہ جنگی ہونے لگے۔ وُہ اپنی جنگی قوت کو خفیہ طریقہ سے بڑھاتے چلے آ رہے تھے۔ امکان تھا کہ کسی وقت نقضِ عہد کر کے حملہ کر بیٹھیں۔

اسلام کا نظامِ حیات کفر کے نظامِ حیات سے بالکل جُداگانہ تھا۔ کفّار و مشرکین اسلامی نظام کو لوگوں کے سامنے معاشرت و تمدّن کے لیے سخت نقصان دہ ثابت کر رہے تھے۔ انہوں نے یہودیوں کو اپنے سے مِلا لیا تھا اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہودی اہلِ کتاب ہیں ان کے معاشرتی و تمدنی اصول خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ مسلمان جب ان پر عمل نہیں کرتے تو بے دین ہیں۔

بہرحال ایک دو نہیں بہت سی صورتیں ایسی پیش آئیں کہ جنگ نہ کرنے کا جو معاہدہ آنحضرتؐ اور کفّارِ قریش

کے درمیان ہوا۔ اس کی مزید توسیع میں اسلام کے لیے خطرہ نظر آرہا تھا۔ خدا کا یہ حکم ہوا کہ اسے جلد سے جلد توڑ دو کیونکہ معاہدہ کی پابندی اس صورت میں کی جاسکتی تھی جبکہ یہ فریب و حیلہ سازی سے کام نہ لیتے۔ لہٰذا اب ایسی صورت میں ان سے جنگ کرنا اور ان کے ناپاک وجودوں سے سرزمینِ عرب کو پاک و صاف کرنا ضروری ہے۔

ـ ان کو چار ماہ کی مہلت دی جائے اس عرصہ میں خوب سوچ بچار کر کے تین باتوں میں سے ایک اختیار کریں :

۱۔ اسلام قبول کریں۔

۲۔ قلمروِ اسلامی سے باہر نکل جائیں۔

۳۔ لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔

اس کے سوا اور کوئی صورت قابلِ قبول نہیں۔ طے پایا کہ سنہ ۹ھ میں جب مشرکینِ عرب مکہ میں جمع ہوں تو حضرتؐ کی طرف سے ایک وفد جائے اور ان سے برأت و بیزاری کے متعلق خدا کا حکم سنائے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرتؐ نے ان کی دل شکنی گوارا نہ کی اور سورۂ توبہ کی ابتدائی چند آیات جن کا تعلق مشرکین کے معاہدہ اور ان سے بیزاری کا تھا حضرت ابوبکرؓ کو دیکر فرمایا جاؤ اور مشرکین کے اجتماع میں ان کو جاکر سناؤ۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ آیات کو لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ابھی پہلی منزل پر پہنچے تھے کہ جبریلِ امینؑ نازل ہوئے اور فرمایا، خدا فرماتا ہے (حدیث قدسی) لَا یُؤَدِّیْھَا اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِّنْكَ ۔ (ان آیات کی تبلیغ یا تو خود جاکر کرو یا وہ کرے جو تمہارے گھر کا آدمی ہے۔) یہ سن کر آپؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور خدا کا پیغام سنا کر فرمایا تم فوراً جاؤ اور رستہ میں ابوبکرؓ کو جالو اور ان سے آیات لے کر خود مکہ پہنچو اور اس تبلیغی ضرورت کو پورا کرو۔ چنانچہ حضرت علیؑ یہ حکم سنتے ہی روانہ ہوگئے اور حضرت ابوبکرؓ سے جا ملے اور کہا یہ آیات مجھے دو حکمِ خدا یہ ہے کہ میں جاکر تبلیغ کروں۔ انہوں نے کہا کیا میرے بارہ میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ فرمایا اس کا حال رسولِ خدا سے جاکر پوچھو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ دل گرفتہ با چشم پُرآب واپس ہوئے اور حضرت رسولِ خدا سے آکر واپس بلانے کی وجہ پوچھی۔ آپؐ نے خدائی پیغام کو ان سے بیان کر دیا۔

ـ جو حکمِ خدا آیا تھا اس پر ذرا دیر ہمیں غور کرنا ہے حضرت ابوبکرؓ کو کیوں واپس بلایا اور علیؑ کو کیوں بھیجا۔

۱۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ علی علیہ السلام شریکِ کارِ رسالت تھے۔

۲۔ رسولؐ کے نور کا ایک جزو تھے۔

۳۔ معصوم تھے ان سے تبلیغ میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی تھی۔

۴۔ علیؑ اشجع العرب تھے۔ کفار کا خوف ان پر غالب نہیں آسکتا تھا چونکہ ان آیات کی تبلیغ سے مشرکین کے بھڑک جانے اور لڑ پڑنے کا قوی اندیشہ تھا لہٰذا ایک ایسے بہادر کو بھیجنا ضروری تھا جس کی تلوار کی دھاک مشرکین کے دل پر بیٹھی ہوئی تھی اور جو اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق تھا۔ (پ ۲۶ سورہ فتح آیت ۲۹)

۵۔ حضرت علیؑ نے آنِ واحد کے لیے کسی بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا تھا لہٰذا مشرکین ان کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ

ایک زمانہ میں تم بھی ہماری طرح بت پرست تھے آج ہمارے سامنے ہمارے دین سے بیزاری دکھاتے ہو۔ ہم تم کو قابلِ اعتبار آدمی نہیں سمجھتے۔ محمدؐ کو بلاؤ وہ خود آکر ہم سے بات چیت کریں تمہاری وقعت ہماری نظر میں وہی ہے جو پہلے تھی۔

۶ ـ اگر مشرکین کچھ سوال کریں تو پوری ذمہ داری سے اس کا جواب دیا جائے۔

یہ الزام حضرت رسولِ خدا پر عاید نہیں ہوسکتا کہ اگر رسولؐ کی نظر میں حضرت ابوبکرؓ اس عہدہ کے قابل نہ تھے تو ان کو بھیجا کیوں تھا۔ حضورؐ کا بھیجنا اس کی دلیل ہے کہ رسولؐ کو ان کی ذات پر ہر طرح کا اعتماد تھا۔

جواب یہ ہے کہ یہ خواہش تو خود ابوبکرؓ نے حضورؐ سے کی تھی۔ اگر رسولؐ رد کر دیتے تو ان کی دل شکنی ہوتی چونکہ اس سلسلہ میں کوئی وحی اس وقت تک نہیں آئی تھی لہٰذا یہ کام حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کر دینے میں کیا مضائقہ تھا۔

ـ جب حضرت علیؑ مکہ معظمہ میں پہنچے تو جمرۂ عقبہ کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا :

لوگو میں رسولِ خدا کا رسول ہوں۔ اس کے بعد نہایت بے باکی سے وہ آیتیں پڑھ کر سنا دیں۔ مفسرین اہلسنت جیسے علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر میں یہ واقع درج کیا ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، بغوی نے معالم التنزیل میں، امام احمد نے اپنی مسند میں۔ ترمذی، نسائی اور ثعلبی وغیرہ نے بھی اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے جہاں بیشمار فضائل ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ رَجُلٌ مِّنْكَ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو کیسی خصوصیت رسولؐ کے ساتھ تھی گویا ایک جان اور دو قالب تھے۔ سوائے اہلبیتؑ کے یہ مِنْ کی نسبت اور کسی شخص کے بارہ میں نہیں پائی جاتی۔

یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ۔ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ۔ اَلْحَسَنُ مِنِّیْ۔ اَلْحُسَیْنُ مِنِّیْ۔

یہ لفظ مِنْ انتہائی قربت و خصوصیت پر دال ہے۔

ترجمہ: اے مسلمانو، جن مشرکوں سے تم نے عہدو پیمان کیا تھا اب خدا و رسول کی طرف سے ان سے یکدم بیزاری ہے۔ (اس کے بعد مشرکوں سے کہا جاتا ہے اے مشرکو) تم چار مہینے (ذیقعد۔ ذی الحجہ۔ محرم اور رجب) چین سے بے خوف و خطر روئے زمین پر چل پھر لو۔ (اس کے بعد تم کو آزادی نصیب نہ ہوگی) اور یہ بھی سمجھ لو کہ تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کرسکتے۔ خدا کافروں کو ضرور رسوا کر کے رہے گا۔ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کرسکتے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو مگر ہاں جن مشرکین سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا۔

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

پھر انہوں نے وفائے عہد میں کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو عہد و پیمان کی جتنی مدّت باقی ہے اسے پورا کرو بے شک خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ ع

جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ گرفتار کرو اور ان کو اپنے گھیرے میں لو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو۔ اگر توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے اور اگر مشرکوں میں سے کوئی پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ (تمہارے پاس رہ کر) اللہ کا کلام سنے پھر اسے محفوظ (امن کی) جگہ میں پہنچا دو۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ جانتے نہیں (کہ حق و باطل میں کیا فرق ہے)۔

خداوند عالم کا رحم و کرم دیکھو کہ وہ مشرکوں کو بھی پناہ دینے کا حکم دے رہا ہے۔ وہ تو ایسی حالت میں ان کے قتل کا حکم دیتا ہے جبکہ مشرک اسلام دشمنی سے کسی طرح باز ہی نہ آئیں۔ معاہدہ کرنے کے بعد بھی وہ نقض عہد کریں۔ ایسوں کے لیے قتل و قید اور ہر جگہ ان کی تاک میں رہنے کا حکم ہے۔ جن مشرکوں نے پناہ طلب کی ہو تو ان سے کہا جائے کہ وہ تھوڑی دیر تمہارے پاس آ کر بیٹھا کریں اور قرآن کو سنیں اور اس کی آیات کا مطلب سمجھیں تاکہ اسلام کی طرف سے جو غلط باتیں ان کے کان میں ڈال

دی گئی ہیں ان کی اصلاح ہو جائے اور اس طرح وہ راہِ راست پر آ جائیں۔ خدا تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شرک و کفر کی جڑ کٹ جائے اور اس کے سب بندے صرف اس کو اپنا معبود قرار دیں اور بت پرستی کی لعنت سے بچیں تاکہ دین و دنیا دونوں جگہ ان کی بہتری ہو۔
مشرکین کو پناہ دینے کی صورت یہ ہے کہ دورانِ جنگ میں اگر کوئی مشرک یہ کہے کہ میں تم سے اسلام کو سمجھنا چاہتا ہوں تو اسے پناہ دے کر اپنے ساتھ رکھیں اور سمجھائیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨

(جبکہ مشرکین نے عہد شکنی کی) تو پھر خدا اور رسول کے نزدیک ان کا معاہدہ کیسے قائم رہ سکتا ہے ہاں جن لوگوں نے تم سے خانہ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا تھا تو اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھے طریقہ سے رہیں تو تم بھی ان سے اپنا عہد قائم رکھو بے شک خدا متقیوں کو دوست رکھتا ہے ان کا عہد (اس حالت میں) کیونکر قائم رہ سکتا ہے کہ جب تم پر غالب آ جائیں تو تمہارے معاملہ میں نہ تو رشتہ داری ہی کا پاس و لحاظ رہتا اور نہ اپنے قول و قرار کی ذمہ داری کا۔ صرف زبان سے تمہیں خوش کر دیتے ہیں حالانکہ ان کے دل نہیں ملتے اور ان میں سے اکثر تو بہت ہی بدچلن ہیں ان لوگوں نے آیاتِ خدا کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی اور پھر لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنے لگے جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں بہت ہی برا ہے۔

مسجد الحرام کے پاس جن لوگوں سے معاہدہ ہوا تھا وہ بنی کنانہ، بنی خزاعہ اور بنی ضمرہ تھے۔ لوگ زبان سے تمہیں راضی کرتے ہیں یعنی بظاہر تو وہ صلح کی شرطیں قبول کر لیتے ہیں مگر دل میں بدعہدی کا ارادہ ہوتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب بھی انہوں نے معاہدہ کیا اس کے خلاف ہی عمل کیا۔
دوسری بات مسلمانوں کو یہ بتائی گئی ہے کہ تم پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد تم سے رشتہ داری کا تعلق بھی قطع کر لینے

ہیں یعنی ان کے اخلاق حد درجہ پست ہیں لہٰذا ان کی رشتہ داری پر کوئی بھروسہ نہ کرو۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬

یہ لوگ کسی مومن کے بارہ میں نہ تو رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ اپنے قول وقرار کا۔ یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہیں پس اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں ہم اپنی آیتوں کو لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں اگر یہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں تم کو طعنہ دیں تو تم ان کفر کے سرداروں سے خوب لڑو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ (مسلمانو) تم ان لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو نکال باہر کرنا اپنے دل میں ٹھان لیا تھا اور تم سے چھیڑ چھاڑ بھی پہلی بار انہوں نے ہی کی تھی تو کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ خدا ان سے زیادہ ڈرنے کے قابل ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

کافروں کی اس حالت کو دہرایا گیا ہے کہ یہ اپنے مسلمان رشتہ داروں کا ذرا بھی پاس و لحاظ کرنے والے نہیں نہ اپنے قول وقرار کے پابند ہیں۔ پھر ایسے لوگوں سے معاہدہ کرنا ہی فضول ہے کیونکہ مسلمانوں کو اپنے ان کافر رشتہ داروں سے کوئی بھلائی کی امید نہیں۔ ان کی توبہ بھی اس وقت تک قابلِ قبول نہ ہوگی جب تک یہ عملی صورت نہ دکھائیں یعنی نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ صرف زبان سے توبہ کر لینا کافی نہ ہوگا۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ ع

ع ۲ ۱۶ ۸

ان (مشرکوں) سے بے خوف وخطر لڑو خدا تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دے گا۔ اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر فتح دے گا اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور کفار کی طرف سے جو تکلیف مومنین کو پہنچی ہے اس کو دور کر دے گا اور خدا جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق بھی دے گا اور اللہ بڑی حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ تمہیں یونہی چھوڑ دے گا حالانکہ اللہ نے تو ابھی دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی راہ میں جانفشانی کی اور اللہ و رسول اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا پکا دوست نہیں بنایا جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

مسلمانوں کی ہمت بڑھانے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ کفار کے ہاتھوں جو تم کو تکلیفیں پہنچی ہیں ان کا غم نہ کرو وہ وقت آرہا ہے کہ ان کافروں کو تمہارے ہاتھوں سے سزا دلوائے گا اور ذلیل کرائے گا اور تمہارے رنج وغم کو دور کر دے گا۔ اس کے بعد یہ بھی بتا دیا گیا کہ ان کافروں میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو توبہ کر لیں گے توبہ کا دروازہ ان پر کھلا ہوا ہے اس کے بعد مسلمانوں کو یہ بھی بتایا گیا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔ ابھی تو خدا نے تم میں سے ان لوگوں کو ممتاز نہیں کیا ہے جنہوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہو اور اللہ و رسول و مومنین کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا۔ اگر تم اس گروہ میں سے ہوگے تب تو خیر ورنہ تم سے بھی باز پرس ہوگی۔ جو لوگ کفار سے چھپ چھپ کر ملتے تھے انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۸﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾

مشرکین جب اپنے کفر کا خود اقرار کر چکے تو ان کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں ان کے اعمال تو سب اکارت گئے اور وہ تو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وُہ لوگ آباد کریں گے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے ہیں اور نماز پڑھی ہے اور زکوٰۃ دی ہے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے تو عنقریب یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کو آباد کرنے کو اتنا بڑا سمجھ لیا ہے کہ اس شخص کے برابر ہو گئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے اور جس نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہے خدا کے نزدیک یہ سب برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین کو خانہ کعبہ کی تولیت، اس کی مجاوری، اس کی خدمت، اعلانِ عبادت اور دیگر خدمتیں کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جس خدا کا وہ گھر ہے جب وہ اس کو مانتے ہی نہیں یا کسی اور کو اس کا شریک قرار دیتے ہیں، تو انہیں اس سے کوئی تعلق رکھنے کا کیا حق ہے۔ اس کی خدمت تو صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے ہوں اور نماز پڑھتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں، راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوں۔

ایک دن جناب عباسؓ و طلحہؓ بن شیبہ باہم فخر کر رہے تھے اور ایک دوسرے پر اپنی فضیلت ظاہر کر رہے تھے۔ طلحہؓ کا کہنا تھا کہ میں آپ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہوں کیونکہ خانہ کعبہ کی کنجی میرے پاس ہے گویا میں اس کا مالک ہوں۔ عباسؓ بولے، میں تم سے افضل ہوں کہ میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں۔ اتنے میں حضرت علیؑ کا گزر ہوا۔ آپؑ نے فرمایا، میں تم دونوں سے افضل ہوں کیونکہ میں نے سب سے پہلے رسولِ خداؐ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور ایمان لایا ہوں اور خدا کی راہ میں جہاد

کیا ہے۔ آخر کار تینوں حضرت رسولِ خداؐ کے پاس فیصلہ کو آئے۔ اس وقت آیہ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ الخ نازل ہوئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں سب سے بڑی فضیلت ان لوگوں کے لیے ہے جو مومن ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ﴿۲۱﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد فی سبیل اللہ کیا اللہ کے نزدیک ان کے درجات بہت بلند ہیں اور وہی لوگ (اپنی زندگی میں) کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت کی بشارت دیتا ہے اور اپنی مرضی کی بھی اور ان باغوں کی جن میں خدا کی دائمی نعمتیں ہیں وہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے۔ بے شک خدا کے پاس اجرِ عظیم ہے۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا، بھائی بہن ایمان کے مقابل کفر کو دوست رکھتے ہوں تو تم ان کو اپنا دوست نہ بناؤ اور تم میں سے جو لوگ ان سے محبت کریں گے وُہ ظالم قرار پائیں گے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ

اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾ ع

اے رسول کہدو کہ اگر تم کو اپنے باپ دادا اپنی اولاد اپنے بھائی اور اپنی بی بیاں اور اپنے قبیلے والے اور اپنا حاصل کیا ہوا مال اور تجارت جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو خدا و رسول سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو ذرا ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اللہ تو بدکار لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

بظاہر یہ حکم بڑا سخت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنے تمام عزیزوں سے ذریعہ معاش سے اور تجارت اور مکانات سے ہاتھ اُٹھانا پڑتا تھا کسی طرف دل لگانے کی اجازت ہی نہ تھی۔ جو کچھ تھا وہ جہاد تھا بیشک یہ حکم مسلمانوں پر بڑا شاق گزرا ہوگا۔ لیکن ایسا حکم دینا ضروری تھا ورنہ مسلمانوں کی ترقی کے راستے مسدود ہو جاتے اور اس تکلیف کے بعد جو راحتیں ان کو ملیں اُن سے محروم رہ جاتے۔ کوئی قوم جب تک ایسی بڑی قربانیاں نہیں دیتی دنیا میں اُس کا وقار بلند نہیں ہوتا۔ اس حکم کے تحت جو مصیبت مسلمانوں پر آئی اور جو تکلیف اُن کو ہوئی وہ چند سال کے بعد ختم ہو گئی۔ ورنہ دوسری قومیں انہیں پیس کر رکھ دیتیں۔ اللہ نے ہر طرف سے ان کے دل ہٹا کر صرف ایک طرف لگا دیئے یعنی اسلام کی ترقی و بہبود کی فکر کی طرف۔ دیکھو جنگِ اُحد میں مسلمانوں پر طمع غالب آتے ہی جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ یکایک کیسے بدل گیا تھا۔ اگر کچھ ایسے لوگ نہ ہوتے جن کی نظر میں دُنیا اور سامانِ دُنیا ہیچ تھا اور جو اللہ و رسولؐ اور جہاد کو سب سے زیادہ دوست رکھتے تھے تو اسلام کا بیڑا غرق ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْہَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۷﴾

اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی۔ اور حنین کے دن جب تم کو تمہاری کثرت نے تعجب میں ڈال دیا تھا (تم اترا گئے تھے لیکن) اس کثرت نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی اور پیٹھ دکھا کر بھاگ پڑے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر اپنی تسکین نازل کی اور ایسے لشکر نازل کیے جنہیں تم دیکھتے نہیں تھے اور کافروں پر عذاب نازل کیا اور کافروں کی یہی سزا ہے اس کے بعد خدا جس کی چاہے توبہ قبول کرے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

اس آیت میں غزوۂ حنین کا ذکر کیا گیا ہے یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی جو اس سے پہلے اور کسی غزوہ میں نظر نہیں آتی۔ مقابل میں کفار کی تعداد کم تھی یعنی چار ہزار مسلمان یہ حال دیکھ کر کہ ہماری تعداد زیادہ ہے غرور و تکبر میں جھک گئے اور اپنی فتح کو یقینی سمجھنے لگے۔

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور تلوار چلنے لگی تو کفار مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان تلواروں کے قبضے چھوڑ کر لگے مال لوٹنے۔ بھاگے ہوئے کفار نے کچھ دور جا کر دم لیا اور ایک نے دوسرے کو غیرت دلائی کہ تمہاری عورتوں اور بچوں کو مسلمان قید کر رہے ہیں، تم اپنی جانیں بچا کر کیا نام پیدا کرو گے۔ الغرض وہ سب پلٹ پڑے۔ مسلمان تو لوٹ میں مشغول تھے ہی یکایک جو حملہ ہوا تو گھبرا گئے اور جس کا منہ جدھر تھا بھاگ کھڑا ہوا۔ صرف دس آدمی حضرتؐ کے پاس رہ گئے یعنی علیؑ۔ عباسؓ۔ ابوسفیانؓ۔ نوفلؓ۔ فضل بن عباسؓ۔ ربیعہؓ۔ عبداللہ بن عمیرؓ عتبہؓ۔ معتبؓ پسران ابولہب۔ حضرت علیؑ علم لشکر لیے حضرت رسولِ خداؐ کے آگے تھے اور جہاد کر رہے تھے اور فضلؓ و عباسؓ داہنے بائیں تھے۔ بنی ہوازن کے دو ہزار قدر انداز تیروں کا مینہ برسا رہے تھے جس نے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو پلٹنے کی ہمت ہی نہ دلائی۔ حضرت رسولؐ خدا نام لے لے کر ایک ایک کو پکار رہے تھے مگر کسی ایک نے نہ سنی۔

آخر عباسؓ جو ایک بلند آواز آدمی تھے ایک ٹیلے پر چڑھے اور بلند آواز سے پکارنا شروع کیا۔ اے خدا کے بندو، اے بیعتِ رضوان کرنے والو اور سورۂ بقر کے صحابیو، رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ پلٹو، پھرو، جان نہ چراؤ، بیعت کا کچھ تو خیال کرو۔ آخر یہ آواز سن کر لوگوں کو غیرت آئی اور سب پلٹ پڑے اور دوبارہ کفار پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت رسولِ خداؐ نے ایک مٹھی خاک اُٹھا کر کفار کی طرف پھینکی اور بددعا کی۔ فرشتے بھی مدد کو آموجود ہوئے۔ بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور چھ ہزار عورتیں اور مرد قید کیے گئے۔ بائیس ہزار اونٹ چار ہزار گائیں اور چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور دُنبے مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے۔

جنگِ اُحد کے بعد یہ دوسرا واقعہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنے رسولؐ کا ساتھ چھوڑا۔ اگرچہ بعد میں واپس آئے لیکن ان کے واپس آنے تک رسولؐ کے لیے جیسا خطرناک وقت تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اکثر مؤرخین و مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس موقع پر غیر معمولی شجاعت سے کام لیا۔ دشمن رسولؐ کی طرف اس خیال سے جب بھی بڑھتا تھا کہ حضورؐ کو قتل کر دیں حضرت علیؑ آگے بڑھ کر ان کے حملہ کو روکتے اور انہیں قتل کرتے تھے۔ اس عرصہ میں کہ مسلمان

پلٹ کر آئیں بے شمار تیر آپؐ کے سینۂ مبارک پر لگ چکے تھے اور تلواروں کے زخم بھی تھے مگر آپؐ نے نصرتِ رسولؐ سے جان نہ چرائی اور برابر لڑتے ہی رہے۔ جنگِ اُحد میں جس طرح حضورؐ کی جان کے محافظ بنے رہے تھے یہاں بھی بنے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حنین کی جنگ مسلمانوں کے لیے سخت ترین معرکہ تھا۔ قرآن کریم میں اس کی تصویر کشی جن الفاظ میں کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمین مسلمانوں پر تنگ ہوگئی تھی اور انہیں کہیں اپنے لیے جائے پناہ نظر نہ آتی تھی۔ یہ نتیجہ تھا ان کے غرور و تکبّر اور مالِ دنیا کے لالچ کا۔ جنگِ اُحد میں بھی جو مصیبت مسلمانوں پر آئی تھی وہ بھی اسی مالِ غنیمت کی طرف لپکنے کی وجہ سے آئی تھی۔

ابوسفیان مسلمانوں کے بھاگنے پر بڑا خوش تھا مسکرا کر کہتا تھا محمدؐ کا جادو ختم ہوگیا اب یہ مسلمان سمندر تک بھاگتے چلے جائیں گے۔ اِسی سال تو بظاہر یہ شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا ایسا نہ کہتا تو اور کیا کہتا۔ اس کی تو دلی خواہش تھی کہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو لیکن ہوا وہی جو اللہ نے چاہا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو مشرکین نجس ہیں اس سال کے بعد یہ لوگ مسجد الحرام (کعبہ) کے پاس بھی نہ جانے پائیں اگر تمہیں ان سے جُدا ہونے میں فقر و فاقہ کا خوف ہے تو اللہ نے چاہا تو اپنے فضل سے عنقریب تمہیں مالدار بنا دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ تم اہلِ کتاب میں سے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان نہیں لائے اور جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کردی ہیں انہیں حرام نہیں جانتے اور نہ سچے دین ہی کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں سے لڑتے جاؤ تا اینکہ وہ لوگ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں

مشرکین چونکہ نجس العین ہیں لہٰذا ان کو مسجد الحرام کے پاس جانے سے روکا گیا۔ اگرچہ بظاہر وہ کیسے ہی پاک

صاف ہوں مگر چونکہ از رُوئے عقاید و اعمال وہ نجس ہیں، خدا اور روز قیامت وغیرہ پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا کے سوا بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں لہٰذا ان کی رُوح اور نفس نجس ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی چھوئی ہوئی ہر چیز نجس ہے۔ جب مشرکوں کے مکہ میں آنے کی ممانعت ہوئی تو مسلمان گھبرائے کہ جب یہ لوگ تاجرانہ حیثیت سے بھی یہاں نہ آسکیں گے تو غلہ ہم کو کہاں سے ملے گا۔ اس صورت میں تو ہم فاقہ کرتے کرتے مر جائیں گے۔ لہٰذا اللہ فرماتا ہے کہ تم اس کی پرواہ نہ کرو، رازق تو خدا ہے عنقریب تمہاری یہ پریشانی دُور کردے گا۔ چنانچہ پہلے ہی سال خوب بارش ہوئی اور اہلِ یمن کے ایک گروہ کو توفیق دی اور وہ مسلمان ہوگئے اور اپنا غلّہ فروخت کرنے کے لیے مکّہ میں آگئے۔

یہ تمام پیش بندیاں اس لیے کی گئیں کہ مسلمانوں کا میل جول مشرکوں سے نہ بڑھے۔ تاکہ ان کے ناشائستہ اخلاق کا اثر نہ پڑے اور اُن کے مشرکانہ عمل میں شریک ہونے سے محفوظ رہیں۔ چونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو اپنے اوپر حلال کرلیا تھا اس لیے بھی ان سے بچنا ضروری ہوگیا تھا۔ یہ سب احتیاطی تدابیر اس لیے اختیار کی گئی تھیں کہ مسلمانوں کے ایمان میں کمزوری پیدا نہ ہو۔

اس زمانہ میں جو اختلاط و ارتباط مسلمانوں کا مشرکین سے ہو رہا ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایمان و عمل دونوں خطرہ میں نظر آرہے ہیں۔ اسلامی مراسم مٹتے جارہے ہیں اور مشرکوں کے عادات و اطوار اپنی تسخیر کے جال میں ہمیں پھانستے چلے جاتے ہیں۔ مشرکوں کی طرح یہودیوں سے بھی جنگ کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ احکامِ خدا میں اُنہوں نے بڑا تصرّف کیا تھا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ
قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔـوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ
اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

یہودیوں نے کہا عزیر ابن اللہ ہیں نصاریٰ نے کہا مسیح ابن اللہ ہیں۔ یہ تو خود ان ہی کی بات ہے جو انہی کے منہ سے نکلی ہے یہ لوگ بھی انہی کافروں کی سی باتیں کرتے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ خدا ان کو قتل کرے یہ کہاں بھٹکے جارہے ہیں انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور زاہدوں اور مسیح و مریم کو اپنا

خدا بنا ڈالا حالانکہ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک خدا کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔

یہودی ہوں یا نصرانی جو عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا بنائے ہوئے ہیں ایک بے ثبوت فرضی بات ہے جو انہی کے منہ سے نکلی ہے کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔ یہودیوں میں جو اکہتر فرقے ہوئے اس کا باعث یہ ہوا کہ انہوں نے توریت کو اپنے عالموں اور رہبانوں کے ہاتھوں میں دے دیا اور ان غیر ذمہ دار لوگوں سے اس کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ وہ چونکہ غیر معصوم تھے اور مال و دولت کے حریص لہٰذا انہوں نے توریت میں تصرفات شروع کر دیئے اور ان کو ایسے غلط راستہ پر لگایا جو تعلیم توریت کے خلاف تھا۔ یہی حشر نصاریٰ کا ہوا۔ انہوں نے انجیل پادریوں کے حوالے کر دی کہ جیسا وہ چاہیں سمجھائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں بہتر فرقے ہوئے۔ یہی حشر مسلمانوں کا ہوا کہ رسولؐ نے قرآن کو جن لوگوں سے لینے کا حکم دیا تھا یعنی اہلِ بیتؑ رسولؐ۔ ان سے نہ لیا گیا اور قرآن کو اپنے عالموں کے سپرد کر کے ان کی بیان کردہ تفسیروں اور تاویلوں پر ایمان لے آئے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ قرآن تو اختلاف مٹانے آیا تھا پھر یہ اختلاف پیدا کیوں ہوا اور کب سے ہوا۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

یہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ پھونکیں مار مار کر خدا کے نور کو بجھا دیں لیکن خدا اس کے سوا کچھ مانتا ہی نہیں کہ اپنے نور کو پورا کر ہی دے چاہے کفار کتنا ہی برا مانیں۔ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ تمام ادیان پر اسے غالب کر دے چاہے مشرک کتنا ہی برا مانیں۔

اسلام کی ترقی دیکھ کر مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ سب جلے مرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلام کو ملیامیٹ کر دیں اور اس نور کو بجھا دیں جو ضلالت کی تاریکی کو مٹانے آیا ہے لیکن جس چراغ کو اللہ نے روشن کیا ہو کسے کون بجھا سکتا ہے ~ چراغے را کہ ایزد برفروزد ۔ اگر کس تف زند ریشش بسوزد
اس کے بعد خدا نے دینِ اسلام کے تمام ادیان پر غالب آنے کا ذکر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ پیش گوئی

پوری ہو گئی ہے یا آگے چل کر پوری ہوگی۔ اسلام کے علاوہ جب اور بہت سے دین باقی ہیں اور وہ آزادی سے اپنی تبلیغ کر رہے ہیں مسلمانوں کی تعداد بھی ان کے مقابلہ میں تھوڑی ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دینِ اسلام تمام ادیان پر غالب آگیا۔ یہ غلبہ تو اسی وقت تسلیم کیا جائے گا جب اسلام کے سوا دنیا میں کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ شرک و کفر کا نام صفحہ روزگار سے مٹ جائے گا۔ اور ہر طرف سے لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ کی آوازیں آتی ہوں گی۔ ایک دو نہیں بیشمار علمائے اسلام نے اس کی تصدیق کی ہے کہ ایسا غلبہ ظہور قائم آلِ محمدؐ حضرت امام مہدیؑ آخر الزماں کے زمانۂ ظہور میں ہوگا۔ تفسیر دُرِّ منثور و تفسیر کبیر عرف الوردی فی احوال المہدی میں اس کی تصدیق کی گئی ہے۔ اس کے متعلق بسوط کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اردو زبان میں الصراط السوی فی احوال المہدی مصنفہ علامہ سید محمد سبطین صاحب سرسوی مرحوم قابلِ دید ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

اے ایمان والو، بہت سے علمائے یہود اور رہبان ایسے ہیں جو غلط طریقہ سے لوگوں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں اور لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ روزِ قیامت یہ سونا چاندی دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا یہ ہے وہ چیز جسے تم نے اپنے نفسوں کے لیے جمع کیا تھا۔ اب مزہ چکھو اس چیز کا جس کو تم ذخیرہ کیا کرتے تھے۔

دولت حاصل کرنا شرعاً ممنوع نہیں بشرطیکہ احکامِ خدا کی پابندی کی جائے یعنی زکوٰۃ دی جائے۔ خمس دیا جائے صلۂ رحم کیا جائے۔ امورِ نیک میں مال کو صرف کیا جائے۔ خدا کے ایسے بندے بھی ہوئے ہیں جو سوائے قوتِ لایموت کوئی سامان گھر میں رکھتے ہی نہ تھے بلکہ اکثر اوقات فقر و فاقہ ہی میں گزارتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا قاعدہ تھا کہ جو حصہ

مالِ غنیمت میں ملتا اُسے اپنے گھر کے اندر لاتے ہی نہ تھے بلکہ دروازہ ہی پر مستحقین کو تقسیم کر دیتے تھے۔ یہ منزلیں بہت بلند ہیں۔ ان تک سوائے اہلبیتِ رسولؐ اور کون پہنچ سکتا ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع

اس میں شک نہیں کہ خدا نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (اُسی دن سے) خدا کے نزدیک کتابِ خدا (لوحِ محفوظ) میں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے ان میں سے چار مہینے قابلِ احترام ہیں یہی دین کی سیدھی راہ ہے تو ان چار مہینوں میں (کُشت و خون کر کے) تم اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور مشرکین جس طرح سب کے سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اسی طرح مل کر لڑو اور یہ سمجھ رکھو کہ اللہ یقیناً پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا بھی کفر ہی کی زیادتی ہے کہ ان کی وجہ سے کفار بہک جاتے ہیں۔ ایک سال تو اسی مہینہ کو حلال سمجھتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام کہنے لگتے ہیں تاکہ خدا نے جو چار مہینے حرام کیے ہیں ان کی گنتی پوری کر لیں اور خدا کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کر لیں۔ ان کے بُرے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اللہ منکرینِ حق کو ہدایت نہیں کرتا۔

محققین کا یہ کہنا غلط ہے کہ بارہ مہینوں کی تعداد اہلِ بابل یا یونانیوں کی ایجاد ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ تعداد خدا کی اوّل روز ہی سے مقرر کی ہوئی ہے۔ النّسی کے معنی زیادتی کرنے کے ہیں۔ مشرکینِ عرب جب کسی سے لڑنا چاہتے تھے تو کسی حرام

مہینہ کو حلال قرار دے لیتے تھے اور کسی حرام مہینہ کو اس میں ملا کر تعداد پوری کر دیتے تھے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنے کے لیے ایک مہینہ جسے ہندو لوند کا مہینہ کہتے ہیں زیادہ کر دیتے تھے تاکہ حج ایک ہی موسم میں رہے۔

بارہ مہینوں کو دینِ قیّم اس لیے کہا ہے کہ تمام عبادات انہی مہینوں میں بجالائی جاتی ہیں۔ ان میں کوئی زیادتی کرنے کو خدا نے حرام قرار دیا ہے اوّل تو یہ گناہ ہے کہ خدا نے جسے حرام کیا ہے اُسے حلال قرار دیا جائے دوسرے جو حساب قمری خدا نے رکھا ہے اس کو شمسی سے بدلنا کھلی ہوئی خدا سے بغاوت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلو تو تم لدھڑ بن کر زمین کی طرف جھک پڑتے ہو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔ آخرت کے مقابلہ میں متاعِ دنیا تو بہت قدرِ قلیل ہے۔ اگر تم جنگ کے لیے نہیں نکلو گے تو خدا تم کو دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور خدا تو ہر شے پر قادر ہے۔

سنہ ۹ھ میں حضرتؐ کو پتہ چلا کہ ہرقل بادشاہِ روم ایک عظیم الشان لشکر لے کر حضرتؐ سے مقابلہ کے لیے حمص تک آپہنچا ہے۔ آپؐ نے اصحاب کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور جو مسلمان جہاں کہیں تھا اُسے جہاد میں شریک ہونے کے لیے بلایا۔ اس زمانہ میں شدید گرمی تھی اور قحط کی پریشانی بھی تھی پھر مسافت دُور کی تھی۔ دشمن کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت بھی پیشِ نظر تھی۔ خرمہ کی تیاری کا وقت بھی قریب آگیا تھا۔ ان وجوہ سے مسلمانوں کو جانے میں تامل تھا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ حکمِ خدا کے سامنے ان سب باتوں پر نظر رکھنا مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری کا ثبوت تھا۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾ انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو کچھ پروا نہیں خدا مددگار ہے) اُس نے تو اس وقت مدد کی جب اُسے (کفار نے) گھر سے باہر نکال دیا تھا اس وقت رسول دو میں سے دوسرے تھے۔ جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب رسول اپنے ساتھی کو (گریہ وزاری کی وجہ سے) سمجھا رہے تھے کہ (گھبراؤ نہیں) خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے پس خُدا نے رسُول پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور فرشتوں کے لشکر سے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے ہم نے اس کی مدد کی اور خدا نے کافروں کی بات نیچی کر دکھائی اور خدا ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے تم ہلکے پھلکے (نہتے) ہو یا بھاری بھرکم (مسلح) بہرحال جب تم کو حکم دیا جائے تو چل کھڑے ہو اور اپنی جانوں اور مالوں سے راہِ خدا میں جہاد کرو اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی جس مدد کا ذکر کیا ہے وہ حضرت علیؑ جیسے بہادر کو حضورؐ کے فرش پر سُلانے کا حکم تھا۔ (حضرت علیؑ نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر حضورؐ کی جان بچائی) دوسرے غارِ ثور کے دہانہ پر مکڑی نے بحکمِ خدا جالا تن دیا جس سے کفار سمجھے کہ آپؐ اس غار میں نہیں ہیں اگر ہوتے تو یہ جالا ضرور ٹوٹ جاتا۔ تیسرے درخت کی شاخیں جو غار کے دہانہ پر لٹکی ہوئی تھیں وہاں کبوتر اپنے آشیانہ میں بیٹھے انڈے سے رہے تھے۔ لہٰذا یہ بھی اس کا ثبوت تھا کہ حضورؐ اس غار میں داخل نہیں ہوئے ورنہ کبوتر اڑ جاتے۔ غار میں حضرتؐ کے ساتھی جناب ابوبکرؓ تھے۔ انہوں نے کیا خدمات انجام دیں اس کا حال تاریخی کتابوں میں پڑھ لیجیے۔

جبلِ ثور کی چوٹی پر ایک گنبد نما چٹان کے اندر ایک غار تھا جس کا دروازہ ڈیڑھ دو بالشت کے قریب لمبا چوڑا تھا اسی دروازہ سے آنحضرتؐ مع ابوبکرؓ داخل ہوئے تھے۔ مشرکین حضرتؐ کی تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے تھے۔ مگر جب غار کے دہانہ پر جالا دیکھا اور کبوتروں کو وہاں آشیانہ میں بیٹھا دیکھا تو سمجھ گئے کہ اس میں داخل نہیں ہوئے۔ پہلی آیت لِصَاحِبِہٖ

سے حضرت ابوبکرؓ کی کوئی خاص فضیلت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ صاحبِ رسول تو وہ پہلے ہی سے تھے۔ دوسرے لفظ صاحب تو سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے کافر ساتھیوں پر بھی بولا گیا ہے۔ جب رسولؐ ساتھ تھے تو ان کو رنج یا حزن وملال ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جانتے تھے کہ جب رسولؐ میرے ساتھ ہیں تو اللہ بھی ساتھ ہے پھر پریشانی کیسی۔ تیسرے ان کے ساتھ ہونے سے رسُولؐ کو غار میں کیا فائدہ پہنچا۔ اگر نہ ہوتے تو کیا نقصان پہنچ جاتا۔ واقعہ ہجرت میں تو سب سے بڑی فضیلت صرف حضرت علیؑ نے حاصل کی جو فرشِ رسولؐ پر ایسی حالت میں سوئے جبکہ دشمن برہنہ تلواریں لیے حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور علیؑ کے شہید کر دیئے جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ یہ معمولی خدمت نہ تھی بلکہ جان بیچ کا سودا تھا جیسا کہ اس آیہ سے ظاہر ہوتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ۔ البقرہ ۲۰۷ "اور لوگوں میں (خدا کے بندے) کچھ ایسے بھی ہیں جو خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔"

(ہجرت کے واقعات کی تفصیل تفسیر القرآن جلد اوّل میں دیکھئے۔)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۴۴﴾

اے رسول اگر سر دست فائدہ اور سفر آسان ہوتا تو یہ ضرور تمہارے ساتھ جاتے لیکن مسافت کی مشقت طولانی ہو گئی اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں اگر ہم میں سکت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے۔ وُہ اپنے نفسوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اے رسول اللہ تم سے درگزر فرمائے تم نے انہیں پیچھے رہ جانے کی اجازت ہی کیوں دی اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم پر ظاہر ہو جاتا جو لوگ سچے تھے اور جان لیتے ان کو بھی جو جھوٹے تھے۔ اے رسول جو لوگ اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے کی اجازت نہ مانگیں گے (بلکہ خود جائیں گے) اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

یہ آیات جنگِ تبوک کے موقع کی ہیں۔ منافق کسی طرح مدینہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور طرح طرح کے حیلے حوالے کرتے تھے، کہتے تھے جب ہم سب چلے گئے اور دشمن مدینہ پر آچڑھے تو ہمارے بی بی بچے قید کر لیے جائیں گے اور سارا سامان لٹ جائے گا۔ حضرتؐ سخت پریشان تھے کہ کیا کریں۔ آخر جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا آپ پریشان نہ ہوں۔ جنگ کی نوبت نہ آئے گی صلح ہو جائے گی۔ آپؐ علیؑ کو اپنا نائب بنا کر چلے جائیں۔ چنانچہ حضرتؐ روانہ ہو گئے۔ منافقوں نے یہاں طعنہ زنی شروع کی کہ آنحضرتؐ علیؑ سے ناخوش ہیں اب ان پر اعتماد نہیں رہا جب ہی تو بال بچوں کی حفاظت کے لیے یہاں چھوڑ دیا ہے۔ حضرت علیؑ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ آپؑ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑے اور پہلی ہی منزل پر حضرتؐ سے جا ملے۔ اور حضرتؐ سے عرض کی کہ منافقین مجھے یہ طعنے دے رہے ہیں۔ فرمایا یَا عَلِی اَمَا تَرْضٰی اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (حدیث منزلت) ”اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔ مگر ہاں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔) تم واپس جاؤ اور منافقوں کی طعنہ زنی کا خیال چھوڑ دو۔

منافقوں نے ایک نئی چال یہ چلی کہ راستہ میں ایک گڑھا خس پوش کر دیا کہ حضرت علیؑ ادھر سے گزریں تو اس میں جا پڑیں۔ جب آپؑ قریب پہنچے تو اس گڑھے کے کنارہ گھوڑا اڑک گیا۔ آپؑ نے فرمایا، نہیں ادھر ہی سے چل چنانچہ آپؑ خوشبو کے جھونکے کی طرح پار ہو گئے۔ منافقین ادھر ادھر لگے دیکھ رہے تھے جب یہ حال دیکھا تو بھاگے۔ حضرتؑ نے ان میں سے کئی کو پہچان لیا۔

یہ حدیثِ منزلت جس کا اوپر ذکر ہوا ہے معتبر احادیث میں سے ہے۔ بہ کثرت علمائے اہلسنت نے اس کو نقل کیا ہے۔ فردوس مآب علامہ حامد حسین صاحب قبلہ مرحوم نے عبقات الانوار کی ایک جلد اس حدیثِ منزلت کی توثیق و تصدیق کے اوپر لکھی ہے۔ اس حدیث سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل ثابت ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ بلافصل تھے اسی طرح حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے تھے۔ ”لانبی بعدی“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، میں خاتم النبیین ہوں۔ اگر میرے بعد نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو اے علی تم ہی نبی ہوتے۔ جس طرح حضرت ہارونؑ منصوص من اللہ خلیفہ حضرت موسیٰؑ تھے اسی طرح حضرت علیؑ بھی منصوص من اللہ خلیفہ رسولؐ تھے۔

اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ

خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾

اے رسول تم سے رُکنے کی اجازت تو وہی لوگ مانگتے ہیں جن کا ایمان اللہ اور روزِ قیامت پر نہیں اور ان کے دلوں میں شک ہے وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اگر ان کا ارادہ باہر نکلنے کا ہوتا تو کچھ تو سامان کرتے مگر بات یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ بھیجنے کو ناپسند کرتا ہے اس لیے انہیں کاہل بنا دیا ہے اور (گویا) ان سے کہہ دیا ہے کہ تم گھر میں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے باتیں بناتے رہو۔ اگر یہ تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تم میں فساد ہی برپا کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے اور تم ہی میں سے ان کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ان شریروں سے خوب واقف ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ ؕ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے فتنے برپا کیے تھے اور تمہارے معاملات کو اُلٹ پلٹ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ حق بات آگئی اور امرِ خدا ظاہر ہو گیا در آنحالیکہ وہ ان کو ناگوار تھا۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ صاف لفظوں میں کہتے ہیں ہم کو تو پیچھے رہ جانے کی اجازت دیجئے اور مصیبت میں نہ پھنسایئے۔ آگاہ ہو کہ وہ خود ہی (اوندھے منہ) گر پڑے ہیں اور جہنّم تو یقیناً کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اگر تمہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو انہیں بُرا

معلوم ہوتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے تو اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا اور پھر خوش ہو کر تمہارے پاس سے لوٹ آتے ہیں اے رسول ان سے کہدو ہم پر کوئی مصیبت نہیں پڑی مگر وہی جو خدا نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے۔ وہ ہمارا مولا (مالک) ہے اور ایمان والے تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

جنگِ اُحد و خندق میں جب منافقین بھاگ نکلے تو مدینہ میں آکر کہنے لگے ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ نتیجہ کیا ہوگا لہٰذا ہم نے تو بھاگ کر اپنی جان بچالی۔

اس آیت میں حسنہ سے مراد مالِ غنیمت ہے اور مصیبت سے شکست مراد ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوٓا إِنَّا مَعَكُم مُّتَرَبِّصُونَ ﴿۵۲﴾ قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿۵۴﴾

اے رسول ان منافقوں سے کہدو کیا تم ہمارے واسطے دو میں سے ایک بھلائی کے منتظر ہو یعنی یا تو فتح ہوگی یا شہادت (تو ہمارے لیے دونوں بھلائیاں ہیں) اور ہم اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تمہارے اوپر خاص طور پر عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے بس تم بھی انتظار کرو اور تمہارے ساتھ ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اے رسول کہہ دو کہ تم راہِ خدا میں خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے خدا ہرگز اسے قبول نہیں کرے گا کیونکہ تم بدچلن لوگ ہو۔ ان کی خیرات قبول کرنے میں اور کوئی چیز مانع نہیں بجز اس کے کہ ان لوگوں نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔ نماز کو آتے ہیں تو الکسائے ہوئے اور جو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں وہ بددلی سے

اس آیت میں منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے جب حضورؐ جنگ کو جانے لگتے تو منافق طرح طرح کے بہانے

تراش کر رہ جاتے اور مسلمانوں کے شکست کھانے اور لوگوں کے شہید ہونے کا انتظار کرتے۔ دوسرے راہِ خدا میں خرچ نہ کرتے اور اگر حضورؐ کے توجہ دلانے سے کرتے بھی تو نہایت بیزاری سے مسجد میں نماز کے لیے آتے تو نہایت الکسائے ہوئے خدا نے رسولؐ سے کہا، ان سے کہدو نہ تو تمہاری خیرات قبول ہے نہ تمہاری یہ نمازیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ ۖ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۖ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَآ آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۙ إِنَّآ إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿۵۹﴾ ع

اے رسول ان منافقوں کے مال اور اولاد کی زیادتی تمہیں تعجب میں نہ ڈالے۔ اللہ چاہتا ہے کہ زندگانیٔ دُنیا میں ان چیزوں کی وجہ سے ذلیل وخوار کرے اور کافر ہونے کی حالت ہی میں ان کی جانیں نکلیں۔ وہ قسمیں کھا کہتے ہیں کہ ہم تو تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ بزدلے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو کوئی پناہ کی جگہ (قلعہ) یا کوئی غار یا سر چھپانے کی جگہ مل جائے تو اس طرف رسیاں تڑاکے بھاگ جائیں گے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خیرات کی تقسیم کے وقت تم پر الزام لگاتے ہیں بس اگر انہیں اس میں سے دے دو تو راضی رہتے ہیں اور اگر نہ دو تو غصہ میں بھر جاتے ہیں (کیا اچھا ہوتا) اگر یہ لوگ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمارے لیے کافی ہے عنقریب اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں اور عطا کرے گا ہم تو صرف اللہ ہی کی طرف لَو لگائے بیٹھے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ منافقوں کی سرکشی دو وجہ سے تھی۔ اوّل تو ان کا جرگہ بڑا تھا۔ ایک ایک کے کئی کئی لڑکے تھے۔ پھر ان کے پاس مومنین کی بہ نسبت مال بھی زیادہ تھا۔ بظاہر تو کہتے تھے کہ ہم مومنوں میں سے ہیں لیکن ایسا تھا نہیں جب جنگ کا وقت آتا تو یہ کوشش کرتے کہ کہیں جا چھپیں تاکہ حضرتؐ کی نظر ان پر نہ پڑے اور جہاد پر چلنے کے لیے ان سے نہ کہیں خیرات پر طعنہ دینے والوں کا قصہ یہ ہے کہ ایک روز حضورؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ خوارج کا سردار (ذوالخویصرہ یہ قوص بن زبیر) کہنے لگا، یا رسولؐ اللہ ذرا انصاف سے کام لیجئے۔ حضرتؐ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ ولئے ہو تجھ پر اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون کرے گا۔ اس کی اس گستاخی پر حضرت عمرؓ نے اُسے قتل کرنے کی اجازت چاہی فرمایا نہیں اسے چھوڑ دو اس کے اور بھی بہت سے ساتھی ہیں کہ تم میں کا ہر شخص ان کے مقابلہ میں اپنی نماز اور روزہ کو ذلیل سمجھتا ہے یہ مارقین ہیں۔ یہ لوگ دین سے اس طرح الگ ہو جائیں گے جس طرح تیر کمان سے۔ پھر کچھ اور واقعات بیان کر کے فرمایا ان کا سردار ایک سیاہ فام مرد ہو گا جس کی ایک چھاتی عورت کی سی ہو گی یہ لوگ اس وقت خروج کریں گے جب مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائیگی۔

ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود رسولؐ اللہ سے ایسا سنا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جب حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو نہروان میں قتل کیا تو میں حضرت کے ساتھ تھا۔ ایک مقتول ایسا لایا گیا جو اسی صفت کا تھا جو رسولؐ اللہ نے بیان کی تھی یعنی اس کی ایک چھاتی عورت کی سی تھی۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ‌ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ‌ؕ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّـكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۶۱﴾

صدقات تو خالص فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور (زکوٰۃ وغیرہ کے) مستحق کارندے ہیں اور جن کی تالیفِ قلب کی گئی ہے یا جن کی گردنوں میں غلامی کا پھندہ پڑا ہے یا جو مقروض ہیں (اور قرض ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے) اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو پردیسی ہیں، یہ حقوق خدا کی طرف سے معیّن کیے ہوئے ہیں اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ ہمارے رسول کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو بس کان

ہی کان ہیں۔ ان سے کہو کان تو ہیں لیکن تمہاری بھلائی سُننے کے کان ہیں۔ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لیے جو تم میں سے مؤمن ہیں اور جو لوگ رسول اللہ کو ستاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

عبداللہ بن نوفل منافق جو باتیں حضرت رسولؐ سے سُنتا اپنی پارٹی کے سامنے بیان کرتا۔ خدا نے آپؐ کو اس کی باتوں کی خبر دے دی اور اس کا پتہ بھی بتا دیا کہ سر پر گھنے بال ہیں اور بڑی بڑی آنکھوں والا ہے۔ حضورؐ نے اُسے بُلا کر پُوچھا، اُس نے قسم کھا کر کہا، میں ایسا نہیں کرتا۔ آپؐ نے فرمایا خیر میں اس وقت تیری بات مانے لیتا ہوں۔ وہ اپنے لوگوں میں واپس آیا تو کہنے لگا محمد کے بڑے بڑے کان ہیں جو کچھ میں نے ان کے بارہ میں کہا تھا سب انہوں نے سُن لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگ حضرتؐ سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ منافقین کو یہ بات ناپسند تھی وہ اپنے حلقوں میں کہتے تھے حضورؐ کچے کانوں کے ہیں جو کوئی کچھ کہتا ہے اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ کان تو ہیں لیکن مومنوں کی باتیں سنتے ہیں اور وہ وہی ہوتی ہیں جس میں اہلِ ایمان کے لیے بہتری ہو۔

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَـكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ‌ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيۡهَا‌ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۳﴾

(یہ منافق) تمہارے سامنے تمہیں راضی کرنے کے لیے (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور اس کا رسول بے شک سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو راضی رکھا جائے۔ کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو اس کے لیے جہنّم کی آگ ہے جس میں وُہ ہمیشہ رہے گا یہ بڑی سخت رسوائی کا باعث ہو گا۔

يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ‌ؕ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا‌ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَـئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَـقُوۡلُنَّ اِنَّمَا

كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا
تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ
طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ
بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ
نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں (رسول پر) کوئی ایسا سورہ نازل نہ ہو جائے جو ان کی دلی باتوں کو ظاہر کر دے۔ تم ان سے کہہ دو کہ تم مذاق اڑائے جاؤ، بے شک جن باتوں سے تم ڈرتے ہو اللہ ان کو ضرور ظاہر کر دے گا۔ اگر تم ان سے پوچھو (کہ یہ کیا بات تھی) تو ضرور یہ کہیں گے ہم تو یوں ہی آپس میں بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔ تم ان سے کہو کیا تم اللہ کا اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہو، تم عذر پیش نہ کرو تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا ہے اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر کریں بھی تو دوسرے گروہ کو ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ لوگ ضرور قصوروار (ثابت ہو گئے) ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں، برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور نیکیوں سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکے رکھتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے بھی ان کو بھلا دیا بیشک منافق بدکار ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ
حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ
فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ

كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے متعلق جہنم میں جھونکنے کا وعدہ کیا ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی ان کے (عذاب کے) لیے کافی ہے۔ اللہ کی ان پر لعنت ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ منافقو، تمہاری مثال تو انہی لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے قوت میں زیادہ تھے اور مال اور اولاد میں بھی زیادہ تھے تو وہ تو اپنے حصّہ سے فائدہ پا چکے (اب تمہاری باری ہے) تو اس طرح تم بھی اپنے حصّہ سے فائدہ حاصل کر لو جس طرح تم سے پہلے لوگ حاصل کر چکے ہیں جس طرح وہ باطل میں گھسے رہے اسی طرح تم بھی (باطل میں) گھسے رہو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دُنیا و آخرت دونوں میں اکارت گئے اور یہی لوگ گھاٹا اٹھانے والوں میں ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ
اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

کیا ان منافقوں تک ان لوگوں کی خبریں نہیں آئیں جو ان سے پہلے ہو چکے۔ قومِ نوح و عاد و ثمود اور قومِ ابراہیم و اصحابِ مدین اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں

ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی وُہ لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

اِس آیت میں اہل ایمان کی نشان دہی کی گئی ہے ان کی صفات بتائی گئی ہیں۔ ایک حدیث رسولؐ میں مومن کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ علیؑ کو دوست رکھتا ہو۔ ترمذی اور نسائی میں یہ ہدایت موجود ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا، اے علی تم کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور دشمنی نہیں رکھتا مگر منافق۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ کے زمانہ میں مومن و منافق حضرت علی علیہ السّلام کی محبت سے پہچانے جاتے تھے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

ع ۹ / ۱۵

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جنّتِ عدن میں ان کے لیے بہترین مکانات ہوں گے اور خُدا کی خوشنودی سب سے بالاتر ہوگی اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے۔ اے نبی کفّار و منافقین سے جہاد کرو اور

ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور وُہ رہنے کے لیے بہُت بُری جگہ ہے۔ یہ منافق جو کہتے ہیں اس کی اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ ان لوگوں نے کفر کا کلمہ ضرور کہا اور اسلام لانے کے بعد یہ کافر ہو گئے۔ اور ایسی بات دل میں ٹھانی جس پر قابُو نہ پاسکے اور انہوں نے مسلمانوں سے صرف اس بنا پر عداوت مُول لی ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے ان کو مالدار بنا دیا ہے۔ ان کے لیے اسی میں بہتری ہے کہ توبہ کرلیں اگر یہ نہ مانیں گے تو خدا اُن پر دُنیا و آخرت میں دردناک عذاب نازل فرمائے گا۔ اور پھر رُوئے زمین پر نہ ان کو اپنا دوست ڈھونڈے ملے گا نہ مددگار۔

اس آیت میں رسولؐ اللہ کو منافقین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ رسولؐ نے جتنے جہاد کیے وہ سب کفّار سے کیے۔ تفسیر صافی میں ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے کفار سے جہاد کیا اور حضرت علی علیہ السّلام نے منافقین سے اور حضرت علیؑ کا جہاد رسولؐ اللہ کا جہاد تھا۔

مفسّرین عامہ نے اس آیت کے متعلق بیان کیا ہے رسولؐ اللہ کا جہاد منافقین سے جہاد باللّسان تھا اور کفّار سے جہاد بالسّیف۔ لیکن ان کا یہ فرمانا صحیح نہیں کیونکہ جہاد باللّسان تو حضورؐ نے کفّار سے بھی کیا تھا۔ بار بار ان کو سمجھاتے رہے۔ پھر اس کی تخصیص منافقوں سے کیوں ہو۔ جہاد کی تعریف تو جہاد بالسّیف ہی پر صادق آتی ہے۔ جہاد باللّسان تو بہت سے لوگ کرتے رہے ہیں رسولؐ اللہ سے ہی مخصوص نہیں۔ رسُولؐ اللہ کی حدیث ہے، اے علی جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر قتال کیا ہے تم اسی طرح اس کی تاویل پر کروگے۔ ظاہر ہے کہ قتال تلوار ہی سے ہوتا ہے نہ کہ زبان سے۔

چونکہ آیہ مباہلہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نفسِ رسولؐ ہیں لہٰذا حضرت علیؑ کا جہاد عین رسولؐ اللہ ہی کا جہاد تھا۔ جیساکہ رسولؐ نے فرمایا ہے یا علی حربك حربی (اے علی تمہاری جنگ میری جنگ ہے) چونکہ آنحضرتؐ کے بعد لوگوں نے خلافِ منشائے خدا و رسولؐ اپنی طرف سے تاویلیں کرنی شروع کر دی تھیں لہٰذا حضرت علیؑ پر لازم تھا کہ ان لوگوں سے جہاد کریں۔ بہرحال اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ حضرت علی علیہ السلام بھی کارِ رسالت میں شریک تھے۔

اس کے بعد جن منافقوں کا ذکر ہے کہ قسمیں کھاتے تھے ان سے مراد وہ منافق ہیں جنہوں نے جنگِ تبوک کے موقع پر یہ مشورہ کیا تھا کہ گھاٹی میں چھپ کر آنحضرتؐ کو قتل کر ڈالیں مگر جبرئیلؑ نے آکر ان کے اس ناپاک ارادہ سے حضورؐ کو آگاہ کر دیا تھا۔ حضرت عمار یاسرؓ نے ان لوگوں کو گرفتار کرکے حضورؐ کے سامنے پیش کیا تو کہنے لگے ہم لوگ تو دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ خدا نے ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں نے کلمۂ کفر ضرور کہا اور اسلام سے خارج ہو گئے۔ انہی لوگوں نے حضرت علیؑ کو ایک خس پوش غار میں گرانے کی کوشش کی تھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ منافق کفّار سے زیادہ اسلام کے لیے پریشان کُن ثابت ہوئے۔ یہ دل سے تو ایمان لائے نہ تھے۔ کچھ تو اسلام کی تلوار کے خوف سے کچھ مالِ غنیمت کے لالچ سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن دل میں تو کفر و شرک بسا ہُوا تھا اس لیے وہ ہر ہر موقع پر اسلام کی

بیع کنی پر آمادہ رہتے تھے۔ جنگِ تبوک کے موقع پر جو منافق مدینہ میں رہ گئے تھے انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ جب آنحضرتؐ جنگ سے واپس آئیں تو ہم ان کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ لیکن جب حضورؐ وہاں سے کامیاب لوٹے تو ان منافقوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

ان منافقوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ سے قول و قرار کر چکے تھے کہ اگر تو ہم کو اپنے فضل سے مال عطا کرے گا تو ہم خیرات کریں گے اور نیک بندوں میں سے بن جائیں گے لیکن جب خدا نے اپنے فضل سے ان کو عطا کر دیا تو لگے بخل کرنے اور کترا کر منہ پھیرنے۔ اس بدعہدی کی سزا میں کہ انہوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی تھی اور جھوٹ بولتے تھے قیامت تک کے لیے (گویا) خدا نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ خدا ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ غیب کی باتوں کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔

ثعلبہ بن حاطب انصاری نے جو بڑا عابد تھا اپنے فقر و فاقہ سے تنگ آ کر حضرت رسولِ خداؐ سے عرض کی کہ آپ خدا سے دعا فرمائیے کہ خدا مجھے مال عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا، اس سے درگزر کر تیرے لیے بہتر نہ ہوگا۔ مگر وہ نہ مانا۔ کہنے لگا میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ اس کے تمام حقوق ادا کروں گا۔ قرابت داروں کا خیال رکھوں گا اور کسی بات میں کمی نہ کروں گا غرض حضرتؐ نے اس کی خواہش کے مطابق دعا کی جو قبول ہوئی۔ اس کی دولت روز بروز بڑھنے لگی اس نے جو دنبیاں اور بکریاں پالی تھیں وہ اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں رکھنے کی جگہ نہ رہی صحرا میں رہنے لگا۔ اور پھر اس کو اتنی بھی فرصت نہ ملتی تھی کہ نماز جماعت میں حاضر ہو سکتا۔ حضرتؐ نے کچھ دن بعد دو آدمیوں کو زکوٰۃ کی تحصیل کے لیے بھیجا۔ اور ایک خط بھی لکھ دیا۔ جب یہ لوگ پہنچے اور آیۂ زکوٰۃ پڑھ کر زکوٰۃ طلب کی تو اس نے کہا کیا رسولؐ ہم سے بھی جزیہ طلب کرتے ہیں۔ وہ لوگ

واپس آئے اور اس کا جواب بیان کیا تو آپؐ نے مذکورہ بالا آیت دے کر پھر ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا۔ جب اس نے یہ آیت سنی تو گھبرایا اور حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا آپؐ جس طرح فرمائیں دینے کو تیار ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا، اب میں تیری زکوٰۃ نہ لوں گا کیونکہ تو نے زکوٰۃ کو جزیہ کہا ہے۔ اور تو نے وعدہ خلافی کی ہے۔ وہ چلا گیا۔ کچھ دن بعد حضرتؐ نے وفات پائی۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا، انھوں نے بھی زکوٰۃ لینے سے انکار کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا انہوں نے بھی انکار کیا۔ تیسری بار جب حضرت عثمانؓ کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی زکوٰۃ لے لی۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع

منافق کے لیے استغفار کی ممانعت
ع ۱۲

جو لوگ دل کھول کر خیرات کرنے والے مومنین پر (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان کا جو اپنی مشقت سے کما کر دیتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں تو خدا بھی ان سے تمسخر کرے گا (یعنی اس تمسخر کا بدلہ دے گا۔) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (اے رسول) تم ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو برابر ہے۔ تم اگر ستر بار بھی ان کے لیے دعا مانگو گے تب بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ بدکاروں کو ہدایت نہیں کرتا۔

جو لوگ اپنے صدقات خدمتِ رسولؐ میں لاتے تھے ان میں سے بعض زیادہ لاتے تھے بعض کم۔ منافقین کو تو ہر وقت فکر ہی کچھ اور رہتی تھی جو زیادہ لاتے تو ان کا مذاق یہ کہہ کر اڑاتے کہ لوگوں پر اپنی دولت کا اظہار کرنے کے لیے زیادہ لاتے ہیں، یہ سب ریاکاری ہے ورنہ ان کی حیثیت اتنے زیادہ صدقات دینے کی نہیں۔ اور جو کم حیثیت لوگ محنت مزدوری سے کما کر تھوڑا سا مال لاتے تو ان کا مذاق یہ کہہ کر اڑاتے کہ یہ سب شیخی ہی شیخی ہے تاکہ انہیں بھی لوگ بڑے آدمیوں میں شمار کرنے لگیں اور انگلی کاٹ کر شہیدوں میں یہ بھی داخل ہو جائیں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

(جنگِ تبوک میں) حضرت کے ساتھ جنگ میں نہ جانے والے اور پیچھے رہ جانے والے اپنے مقام پر خوش تھے۔ اور اپنی جانوں اور مالوں سے راہِ خدا میں ان کو جہاد کرنا بُرا معلوم ہوُا۔ لوگوں سے کہنے لگے اس گرمی میں گھروں سے نہ نکلو۔ اے رسول ان سے کہہ دو کہ جہنّم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھیں۔ جو کچھ وُہ کیا کرتے تھے ان کو چاہیئے کہ اس پر کم ہنسیں اور زیادہ روئیں۔ اگر اے رسول اللہ تمہیں جہاد سے (صحیح سالم) ان منافقوں میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لائے پھر تم سے جہاد کے لیے اجازت مانگیں تو صاف کہہ دو کہ میرے ساتھ کبھی جہاد کے لیے نہ نکلنے پاؤ گے اور نہ ہرگز میرے ساتھ دشمن سے لڑنے جاؤ گے جب تم نے پہلی بار (جنگ سے بچ کر) گھر میں رہنا پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہو۔

جنگِ تبوک کے لیے جب حضرت رسولِ خدا چلنے لگے اور مسلمانوں کو بُلایا کہ میرے ساتھ چلو تو منافقوں کے ایک گروہ نے لوگوں سے کہا کہ بھلا ایسی سخت گرمی میں حضورؐ لیے جاتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ ہم سب راستہ ہی میں ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا مت جاؤ چاہے حضرتؐ کتنا ہی کہیں۔ چنانچہ نہ گئے اور مدینہ میں بیٹھے رہے۔ جب حضورؐ بخیریت واپس آئے تو کہنے لگے، آئندہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لیں۔ ہمیں چلنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ اس گروہ کے متعلق یہ آیات ہیں۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

اے رسول اگر ان منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا اور اس کی قبر پر کھڑے بھی نہ ہونا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کُفر کیا ہے اور بدکاری کی حالت میں مر بھی گئے ہیں تمہیں ان کے اموال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالے۔ اللہ چاہتا ہے کہ اس دُنیا میں ان کو معذب کرے اور جان نکلتے وقت یہ کافر ہوں۔ جب کوئی سورہ اس بارہ میں نازل ہوُا کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو جو اُن میں دولت والے ہیں وہ تم سے (پیچھے رہ جانے کی) اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں تو یہیں رہ جانے والوں کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔ وُہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں اور بوڑھوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہیں ان کے دلوں پر مُہر لگ گئی ہے پس یہ سمجھتے بُوجھتے نہیں۔

عبداللہ بن ابیّ جو منافقوں کا سردار تھا جب بیمار ہوُا اور حضرتؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے تو اس نے عرض کی کہ آپؐ اپنا ایک کُرتا مجھے کفن کے لیے عطا فرما دیں اور جب میں مر جاؤں تو میرے جنازہ پر نماز پڑھائیں آپؐ نے کُرتا تو دے دیا مگر جب نمازِ جنازہ پڑھنے کھڑے ہوُئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور جبرئیلؑ نے آپؐ کا دامن پکڑ کر پیچھے کو کھینچ لیا اور نماز نہ پڑھنے دی۔ جب کُرتے کے بارہ میں لوگوں نے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ اس سے اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا مگر اور لوگ اس کے ذریعے سے اسلام لائیں گے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوُا کہ منافقین

کے ساتھ حضورؐ کا یہ رحم و کرم دیکھ کر قبیلہ خزرج کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔ آخر میں جن مالداروں کا ذکر ہے وہ اپنے گھروں میں بیٹھا رہنا چاہتے تھے وہ بنی اسد و غطفان کے منافق تھے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

لیکن رسول اور جو اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور انہی کے لیے نیکیاں ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وُہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ تمہارے پاس کچھ دیہاتی لوگ بھی آئے تاکہ معذرت خواہ ہو کر اس بات کی اجازت لے لیں کہ ان کو بھی پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی جائے اور وُہ لوگ بھی گھروں میں بیٹھ رہیں جنہوں نے اللہ و رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے عنقریب ان کو دردناک عذاب کی سزا ملے گی۔

جنگِ تبوک کے موقع پر جب حضورؐ نے مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے تمام مسلمانوں کو دعوتِ جہاد دی تو بنی غفار کے کچھ لوگ حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ اگر ہم آپؐ کے ساتھ چلیں گے تو بنی طے کے لوگ ہماری بستی پر چڑھ آئیں گے اور ہمارا سب مال و متاع لوٹ کر لے جائیں گے لہٰذا ہمیں آپؐ اپنی جگہ رہنے کی اجازت دیں۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

جہاد پر نہ جانے کا نہ تو کمزوروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جو کچھ خرچ کرنے کو اپنے پاس نہیں پاتے بشرطیکہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کریں اور نیکی کرنے والوں پر الزام کی کوئی صورت نہیں بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے جو تمہارے پاس آئے اور کہا کہ تم ان کے لیے سواری کا انتظام کر دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس تو سواری کا کوئی انتظام نہیں کہ تم کو اس پر سوار کروں تو وہ لوگ واپس گئے درآنحالیکہ (اس غم میں) ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ ان کو خرچ میسر نہ آیا (کہ خود سواری مہیا کر لیتے)۔ الزام تو صرف ایسے لوگوں پر ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے نہ گئے اور وُہ پیچھے رہ جانے کے لیے اجازت مانگتے تھے اور اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اپنی بی بی بچوں کے ساتھ گھروں میں پڑے رہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مُہر لگا دی سو وُہ کچھ جانتے ہی نہیں۔

جنگِ تبوک کے موقع پر جب حضرتؐ نے سب لوگوں کو بُلایا تو انصار کے سات آدمی روتے ہوئے آئے اور کہا ہمارے پاس نہ سواری ہے نہ زادِ راہ ہم کیسے چلیں۔ ان ہی کے بارہ میں یہ آیت ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ز وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ج فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

جب تم (جہاد سے) واپس آؤ گے تو یہ منافقین تم سے معذرت کرنے لگیں گے۔ اے رسول تم کہہ دو کہ باتیں نہ بناؤ ہم تمہاری کسی بات کو نہ مانیں گے کیونکہ خدا نے تمہارے حالات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ عنقریب خدا اور اس کا رسول تمہارے عمل کو ملاحظہ کریں گے۔ پھر تم ظاہر و باطن کے جاننے والے خدا کی طرف پلٹ کر جاؤ گے، تب جو کچھ تم (دُنیا میں) کیا کرتے تھے وُہ سب بتا دے گا۔ جب تم جہاد سے واپس آؤ گے تو یہ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ تم ان کی طرف سے منہ پھیر لو یہ ناپاک لوگ ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے جو بدلہ ہے ان کے اُن اعمال کا جو وہ (دُنیا میں) کرتے تھے۔ تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں۔ پس اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بے شک اللہ تو بدکاروں سے راضی ہونے والا نہیں۔

یہ جنگِ تبوک کا واقعہ ہے۔ جب حضورؐ اس جنگ کے لیے روانہ ہوئے تھے تو اسّی۸۰ منافق مدینہ میں رہ گئے تھے۔ جب حضرتؐ واپس تشریف لائے اور معلوم ہُوا کہ بادشاہِ رُوم نے اس بات پر صُلح کر لی ہے کہ ایک ہزار طلائی اَوقیہ اور دو سو تھان کپڑے کے ماہِ رجب میں دے اور اتنے ہی ماہِ صفر میں تو ان منافقوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ حضورؐ کے سامنے طرح طرح کی قسمیں کھا کر اپنی معذوری ظاہر کرنے لگے تاکہ حضرتؐ معاف کر دیں اور مالِ غنیمت میں انہیں شریک کر لیں لیکن چونکہ خدا ان سے راضی نہ تھا لہٰذا ان کی یہ چال چلی نہیں اور حضرتؐ نے ان کے کسی عُذر کو نہ سُنا۔ یہ عُذر داری کھُلا مکر و فریب تھی ورنہ اگر وُہ جانا چاہتے تو جا سکتے تھے۔ اسی سفر میں آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑا تھا۔

حضرتؐ کے جاتے ہی منافقوں نے کہنا شروع کر دیا کہ علیؑ پر سے رسولؐ کا اعتماد اُٹھ گیا۔ اس لیے اپنے ساتھ نہ لے گئے۔ جب یہ طعن و طنز کی باتیں حضرت علیؑ نے سنیں تو آپؑ سوار ہو کر لشکرِ اسلام سے جا ملے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، اے علیؑ! میں تو تمہیں مدینہ میں چھوڑ آیا تھا تم کیوں آ گئے۔ عرض کی منافقین کے طعنوں سے تنگ آ کر ایسا کیا۔ فرمایا، اے علیؑ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔ صرف یہ فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ تم میرے خلیفہ ہو۔ اور دُنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ یہ سن کر حضرت علیؑ لوٹ آئے۔ یہ حدیثِ پاک خلافتِ امیرالمومنینؑ کی روشن و بیّن دلیل ہے۔ منافقوں نے حضرت علیؑ کے ہلاک کرنے کی ایک اور چال چلی کہ راستہ میں ایک گہرا گڑھا کھود کر خس و خاشاک سے ڈھانپ دیا۔ جب واپسی میں آپؑ کا گھوڑا اس غار کے کنارہ پہ پہنچا تو رُک گیا۔ آپؑ نے فرمایا، جو کچھ منافقوں نے کیا ہے میں جانتا ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے اسی خس پوش غار پر سے گھوڑے کو بڑھایا اور کوئی گزند آپؑ کو نہ پہنچی۔ بھلا ایک نوری پھول کا کیا بوجھ ہوتا اور جسے بھی نور سے نسبت ہو وہ بھی پار لگ جاتا ہے۔

اس جنگِ تبوک کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ابوخیثمہ جو نہایت وجیہہ اور بہادر جوان تھا، حضرتؐ کے ساتھ جانے سے رُک گیا تھا۔ اس کی دو حسین جوان بیویاں تھیں جنہوں نے اس کے گھر کو خوب سجایا تھا تاکہ دل کھول کر دادِ عیش دے۔ یکایک اس کے دل میں خیال آیا کہ خدا کا حبیبؐ تو اس سخت موسم میں محض خوشنودیٔ خدا کے لیے راہی دشتِ غربت ہو اور تُف ہے میرے اُوپر کہ گھر میں رہ کر دادِ عیش دوں۔ فوراً سب چھوڑ چھاڑ گھوڑے پر سوار ہوا اور حضرتؐ سے جا ملا۔ آنحضرتؐ نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

تیسرا واقعہ جناب ابوذرؓ کا ہے۔ آپؓ کی سواری کا اونٹ بیمار تھا۔ اس لیے حضرتؐ کے ساتھ نہ جا سکے تھے۔ آخر تین دن کے بعد پا پیادہ روانہ ہو گئے۔ منزلیں مارتے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک جگہ ٹھنڈے پانی کا چشمہ ملا۔ آپؓ نے مشکیزہ بھر لیا اور روانہ ہو گئے۔ جب لشکرگاہِ اسلامی میں داخل ہوئے تو حضورؐ نے کچھ لوگوں کو آپؓ کے استقبال کو بھیجا۔ جب قریب آئے تو لوگوں سے فرمایا، ابوذر پیاسے معلوم ہوتے ہیں انہیں پانی پلاؤ۔ عرض کی حضورؐ میرے پاس پانی ہے۔ فرمایا، پھر پیاسے کیوں ہو۔ عرض کی، میں نے اس لیے اس کو محفوظ رکھا ہے کہ پہلے حضورؐ پی لیں تب میں پیوں گا۔ یہ تھے سِلام کے شیدائی اور رسولؐ کے فدائی، نہ کہ وہ منافقین جنہوں نے آپس میں یہ طے کر رکھا تھا کہ جب حضورؐ شکست کھا کر مدینہ واپس آئیں گے تو ہم ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔ نیز یہ بھی ارادہ تھا کہ لُوٹ مار مچائیں گے۔ لیکن جب حضورؐ بانیل مرام واپس آئے تو یہ منافق اپنی وفاداری کے متعلق جھوٹی قسمیں کھانے لگے تاکہ حضرتؐ ان سے راضی ہو جائیں۔ ان آیات میں انہی کا تذکرہ ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

یہ بدّو دیہاتی عرب کفر و نفاق میں بڑے سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ جو احکام خدا نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائے ہیں ان کو یہ نہ جانیں اور اللہ بڑا جاننے والا صاحبِ حکمت ہے۔ کچھ دیہاتی عرب ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اُسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے معاملہ میں زمانہ کی گردش کے منتظر ہیں اور اللہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔

اعراب سے مراد یہاں وُہ بدّو عرب ہیں جو بادیہ نشین تھے جو کسی قانون کے پابند نہ تھے۔ لُوٹ مار، قتل و غارت ان کا پیشہ تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام رُوبہ ترقی ہے اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے تو اس خوف سے کہ بحالتِ کفر قتل نہ کر دیے جائیں اور اس لالچ میں کہ مالِ غنیمت میں ان کو بھی حصّہ ملے گا وہ بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ اسلامی قوانین کی پابندی ان پر سخت گراں تھی کیونکہ وُہ تو نہایت آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ زکوٰۃ دینا ان پر نہایت شاق تھا وہ اس کو لینے لیے تاوان سمجھتے تھے اور ان کے دل میں یہ آرزو تھی کہ کوئی بُرا وقت اسلام پر آ پڑے تو وہ اس کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن سے نکال پھینکیں اور بُت پرستی کی طرف لَوٹ کر جیسے پہلے آزاد تھے پھر آزاد ہو جائیں۔ وُہ مختلف قسم کی منافقانہ چالیں چلتے رہتے تھے۔ جہاد میں شرکت سے نہ صرف اپنے کو روکتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی منع کرتے تھے اور قتل ہونے سے ڈرتے تھے۔ وہ صرف نام کے مسلمان تھے ورنہ اسلام و ایمان سے ان کا دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

ع ۱۲ / ۱۰

اور دیہاتی عربوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہیں اور راہِ خدا میں جو خرچ کرتے ہیں اُسے خدا کی قربت اور رسول کی دُعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آگاہ ہو یہ ان کے لیے بے شک ذریعۂ قربت ہے۔ عنقریب خدا ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلے گا بے شک اللہ غفور و رحیم ہے
مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے ایمان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کرنے میں ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے راضی ہُوا اور وُہ اللہ سے راضی ہوئے خدا نے ان کے لیے ایسی جنّتیں مہیّا کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وُہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

مہاجر وُہ لوگ کہلاتے ہیں جو کہ رہائش چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے اور مدینہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی مدد کی تھی وہ انصار کہلاتے ہیں۔ ان مہاجر و انصار میں حضرت علیؑ نے پہلے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا وُہ تو مسلمان ہی پیدا ہوئے تھے اور اعلانِ بعثت کے بعد سب سے پہلے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ لہٰذا یہ آیت انہی کی شانِ ایمان میں ہے۔ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خدا ان لوگوں سے خوش نہیں تھا جو بحالتِ کفر اپنی زندگی بسر کر رہے تھے اسلام قبول کرنے کے بعد خدا ان سے راضی ہُوا۔ اور یہ رضائے الٰہی صرف اس وقت تک کسی سے متعلق رہ سکتی ہے جب تک کہ مرتے دم تک وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو مرضیٔ الٰہی کے خلاف ہو۔ خدا کا راضی رہنا تو بندوں کے اعمال پر موقوف ہے۔ کسی کے لیے اس کی رضا کوئی دوامی سند نہیں ہے۔ اگر آخر عمر میں کوئی شخص ایسے اعمال کر بیٹھے جو تعلیم اسلام کے قطعاً خلاف ہوں تو پھر وہ رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے چونکہ کبھی کسی بت کو سجدہ کیا ہی نہ تھا لہٰذا ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہ نہیں کیونکہ اللہ تو ہمیشہ سے ہی انؑ سے راضی رہا۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ

صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

(مُسلمانو) تمہارے آس پاس دیہاتوں میں سے کچھ منافق بھی رہتے ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے بھی (بعض منافق) ہیں جو نفاق پر اَڑے ہُوئے ہیں (اے رسول) تم ان کو نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہری سزا دیں گے اور پھر وُہ بڑی سزا کے لیے واپس بُلائے جائیں گے۔ اور کچھ اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا ہے مگر ان لوگوں نے اچھے بُرے کاموں کو خلط ملط کر دیا ہے عنقریب خدا ان کی توبہ کو قبول کرلے گا بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ان کے مالوں کی زکوٰۃ لے کر ان کو گناہوں سے پاک صاف کر دو اور ان کے لیے دعائے خیر کرو۔ تمہاری دُعا ان کے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہوگی اور اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اتنا بھی نہیں جانا کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے صدقات کو منظور فرماتا ہے اور بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جنگِ تبوک کے لیے جہاں بہت سے منافقین نہ گئے تھے کچھ مومنین بھی جانے سے رہ گئے تھے۔ یہ تین شخص تھے ثعلبہ۔ اوس اور ابولبابہ۔ جب آنحضرتؐ واپس آئے اور ان لوگوں نے اُن آیتوں کو سُنا جو منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی تھیں تو بہت پچھتائے اور مسجدِ رسولؐ کے ستونوں سے اپنے کو باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک خود رسولؐ نہ کھولیں گے ہم یوں ہی بندھے رہیں گے۔ جب حضرتؐ نماز کے لیے مسجد میں آئے تو یہ حالت معلوم ہوئی۔ حضرتؐ نے فرمایا بے حکمِ خدا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ الغرض ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق جب وحی نازل ہوئی تو وُہ لوگ کھولے گئے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھر گئے اور جو جمع پونجی تھی اُٹھا لائے اور عرض کی حضورؐ اسی کی وجہ سے ہم نہ گئے تھے لہٰذا آپؐ اس کو ہماری طرف سے خیرات کر دیجئے۔ فرمایا، میں بغیر حکمِ خدا نہیں لے سکتا۔ تب وحی ہوئی کہ اے رسول لے لو۔ اللہ نے ان کا گناہ معاف کر دیا اور ان کی توبہ قبول کرلی۔ یہ خیرات بطور ان کے گناہ کے کفّارہ کے تھی۔

اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کی مدح فرمائی ہے: ۱۔ وہ مہاجرین جن کا شمار سابقین اوّلین میں ہے۔ دوسرے وُہ انصار جو سابقین اوّلین میں ہیں۔ تیسرے وُہ لوگ جو ان سابقین اوّلین کی پیروی کرتے رہے۔ یہ تین قسم کے لوگ تھے۔ اوّل جنہوں نے ایمان لانے کے بعد عمل کیا، یہ محسنین کہلاتے ہیں۔ دوسرے جو بظاہر ایمان لائے لیکن دل سے رسولؐ اور اہلِ اسلام کے بدخواہ بنے رہے، یہ منافقین تھے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو نیکی بھی کرتے رہے اور بدی بھی۔ یعنی ان کی نیکیاں

اور دیہاتی عربوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہیں اور راہِ خدا میں جو خرچ کرتے ہیں اُسے خدا کی قربت اور رسول کی دُعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آگاہ ہو یہ ان کے لیے بے شک ذریعۂ قربت ہے۔ عنقریب خدا ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلے گا بے شک اللہ غفور و رحیم ہے مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے ایمان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کرنے میں ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے راضی ہُوا اور وُہ اللہ سے راضی ہوئے خدا نے ان کے لیے ایسی جنّتیں مہیّا کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وُہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بُہت بڑی کامیابی ہے۔

مہاجر وُہ لوگ کہلاتے ہیں جو کر رہائش چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے اور مدینہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی مدد کی تھی وہ انصار کہلاتے ہیں۔ ان مہاجر و انصار میں حضرت علیؑ نے پہلے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا وُہ تو مسلمان ہی پیدا ہوئے تھے اور اعلانِ بعثت کے بعد سب سے پہلے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ لہٰذا یہ آیت انہی کی شانِ ایمان میں ہے۔ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خدا ان لوگوں سے خوش نہیں تھا جو بحالتِ کفر اپنی زندگی بسر کر رہے تھے اسلام قبول کرنے کے بعد خدا ان سے راضی ہُوا۔ اور یہ رضائے الٰہی صرف اس وقت تک کسی سے متعلق رہ سکتی ہے جب تک کہ مرتے دم تک وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو مرضیٔ الٰہی کے خلاف ہو۔ خدا کا راضی رہنا تو بندوں کے اعمال پر موقوف ہے۔ کسی کے لیے اس کی رضا کوئی دوامی سند نہیں ہے۔ اگر آخر عمر میں کوئی شخص ایسے اعمال کر بیٹھے جو تعلیم اسلام کے قطعاً خلاف ہوں تو پھر وہ رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ حضرت علی علیہ السّلام نے چونکہ کبھی کسی بُت کو سجدہ کیا ہی نہ تھا لہٰذا ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہ نہیں کیونکہ اللہ تو ہمیشہ سے ہی ان ؑ سے راضی رہا۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ ع

صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

(مُسلمانو) تمہارے آس پاس دیہاتوں میں سے کچھ منافق بھی رہتے ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے بھی (بعض منافق) ہیں جو نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں (اے رسول) تم ان کو نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہری سزا دیں گے اور پھر وُہ بڑی سزا کے لیے واپس بُلائے جائیں گے۔ اور کچھ اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا ہے مگر ان لوگوں نے اچھے بُرے کاموں کو خلط ملط کردیا ہے عنقریب خدا ان کی توبہ کو قبول کرلے گا بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ان کے مالوں کی زکوٰۃ لے کر ان کو گناہوں سے پاک صاف کردو اور ان کے لیے دعائے خیر کرو۔ تمہاری دُعا ان کے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہوگی اور اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اتنا بھی نہیں جانا کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے صدقات کو منظور فرماتا ہے اور بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جنگِ تبوک کے لیے جہاں بُہت سے منافقین نہ گئے تھے کچھ مومنین بھی جانے سے رہ گئے تھے۔ یہ تین شخص تھے ثعلبہ۔ اوس اور ابولبابہ۔ جب آنحضرتؐ واپس آئے اور ان لوگوں نے اُن آیتوں کو سُنا جو منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی تھیں تو بہت پچھتائے اور مسجدِ رسولؐ کے ستونوں سے اپنے کو باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک خود رسولؐ نہ کھولیں گے ہم یوں ہی بندھے رہیں گے۔ جب حضرتؐ نماز کے لیے مسجد میں آئے تو یہ حالت معلوم ہوئی۔ حضرتؐ نے فرمایا بے حکمِ خدا میں کچھ نہیں کرسکتا۔ الغرض ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق جب وحی نازل ہوئی تو وُہ لوگ کھولے گئے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھر گئے اور جو جمع پُونجی تھی اُٹھا لائے اور عرض کی حضورؐ اسی کی وجہ سے ہم نہ گئے تھے لہٰذا آپؐ اس کو ہماری طرف سے خیرات کردیجئے۔ فرمایا میں بغیر حکمِ خدا نہیں لے سکتا۔ تب وحی ہوئی کہ اے رسول لے لو۔ اللہ نے ان کا گناہ معاف کردیا اور ان کی توبہ قبول کرلی۔ یہ خیرات بطور ان کے گناہ کے کفارہ کے تھی۔

اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کی مدح فرمائی ہے : ۱۔ وہ مہاجرین جن کا شمار سابقین اوّلین میں ہے۔ دوسرے وُہ انصار جو سابقین اوّلین میں ہیں۔ تیسرے وُہ لوگ جو ان سابقین اوّلین کی پیروی کرتے رہے۔ یہ تین قسم کے لوگ تھے۔ اوّل جنہوں نے ایمان لانے کے بعد عمل کیا، یہ محسنین کہلاتے ہیں۔ دوسرے جو بظاہر ایمان لائے لیکن دل سے رسولؐ اور اہلِ اسلام کے بدخواہ بنے رہے، یہ منافقین تھے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو نیکی بھی کرتے رہے اور بدی بھی۔ یعنی ان کی نیکیاں

اور بدیاں مخلوط رہیں، یہ مذبذبین کہلاتے ہیں۔
سب سے زیادہ خوفناک گروہ منافقوں کا تھا۔ ان میں وُہ یہودی بھی تھے جو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے اہل مدینہ کو جو مسلمان تھے سب سے زیادہ بہکایا۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اے رسُول تم ان سے کہہ دو کہ جو کام کرتے ہو کیے جاؤ (مگر یہ سمجھتے ہوئے کہ) اللہ تمہارے عمل کو دیکھتا ہے اور اس کا رسُول اور کچھ مخصوص ایمان والے اور بہت جلد تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے (خدا)۔ پس جو کچھ تم کیا کرتے تھے وُہ اُسے ظاہر کر دے گا۔ اور (ان کے علاوہ) کچھ اور لوگ ہیں جو حکمِ خدا کے اُمیدوار ہیں خدا چاہے گا تو انہیں سزا دے گا چاہے گا تو ان کی توبہ قبول کرلے گا اور اللہ بڑا جاننے والا صاحبِ حکمت ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا عمل دیکھنے والے تین ہیں: اللہ۔ رسولؐ اور ایمان والے۔ علمائے عامہ نے مؤمنین سے مراد عام مسلمان لیے ہیں۔ یعنی مسلمان چونکہ ایک دُوسرے کے عمل کو دیکھا کرتے ہیں لہٰذا وُہ بھی روزِ قیامت گواہ ہوں گے۔ لیکن یہ تفسیر غلط ہے کیونکہ کوئی مسلمان کسی کے تمام اعمال کو نہیں دیکھتا اور جو کچھ دیکھتا ہے اُسے یاد بھی نہیں رکھ سکتا۔ انسان کو خود اپنے اعمال یاد نہیں رہتے دوسروں کا تو ذکر ہی کیا۔ بہت سے کام لوگ چھپا کر کرتے ہیں۔ اس صورت میں ان کا علم دوسروں کو کیسے ہو سکتا ہے۔ چونکہ آیت میں اللہ اور رسولؐ کے ساتھ مومنین کا ذکر ہے لہٰذا علمِ جزئی مراد نہیں ہو سکتا بلکہ تمام اعمال کا علم مراد ہے یعنی جیسے خدا و رسولؐ تمام باتوں کا علم رکھتے ہیں اسی طرح وہ مومنین بھی رکھتے ہیں۔ شیعی تفاسیر میں مؤمنین سے مراد ائمہ طاہرین علیہ السلام ہیں جن کے سامنے لوگوں کے اعمال ہر شب و روز پیش ہوتے رہتے ہیں۔ خدا نے ہمارے ائمہ کو اُمتِ رسولؐ پر گواہ بنایا اور اُمتِ وسط قرار دیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ … الخ (البقرۃ : ۱۴۳/۲) "تم کو عادل اُمت بنایا ہے تاکہ لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ بنو۔" شیعی تفاسیر سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب شیعوں کے اعمال حضرت علیؑ اور دیگر ائمہؑ کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو ان کی نیکیوں سے یہ حضرات خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے ان کو صدمہ ہوتا ہے لہٰذا

ہر شیعہ کا فرض ہے کہ اپنے نیک اعمال سے اپنے ائمہؑ کو خوش کرے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور وہ لوگ بھی منافق ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے۔ کفر کرنے۔ مومنین کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور اس شخص کے گھات میں بیٹھنے کے لیے مسجد بنا کھڑی کی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے لڑ چکا ہے اور اس پر بھی یہ لوگ قسمیں ضرور کھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا اور کچھ ارادہ نہیں کیا اور خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھُوٹے ہیں۔ اے رسول تم اس مسجد میں کبھی کھڑے بھی نہ ہونا البتہ وہ مسجد جس کی بُنیاد اوّل روز سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے ضرور اس کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اس میں وُہ لوگ ہیں جو پاک و پاکیزہ رہنے کو پسند کرتے ہیں اور خدا بھی پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

قصّہ مسجدِ ضرار کا یہ ہے کہ قبیلہ خزرج کا ایک شخص ابو عامر نامی جو توریت اور انجیل کا عالم تھا مدینہ میں رہتا تھا اور لوگوں سے حضرت رسولِ خدا کی بڑی تعریف کیا کرتا تھا۔ آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر برابر کرتا رہتا تھا۔ لیکن جب آپؐ مدینہ تشریف لائے اور لوگوں کی بہت زیادہ رجوع آپؐ کی طرف دیکھی تو حسد کی آگ اس کے اندر بھڑک اٹھی کیونکہ اب لوگوں کی رجوع اس کی طرف کم ہوگئی تھی۔ چارۂ کار نہ دیکھ کر مکہ کو بھاگ گیا۔ وہاں مشرکین سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ بدر و احد و حنین کے معرکوں میں مشرکین کے ساتھ رہا۔ جب دیکھا کہ مسلمانوں کا پلّہ بھاری ہے تو وہاں سے ہرقل بادشاہِ رُوم کے پاس چلا گیا اور اُسے آنحضرتؐ کے خلاف بھڑکایا۔ وہیں سے مدینہ کے منافقوں کو لکھا کہ تم ایک مسجد بناؤ تاکہ جب میں مدینہ آؤں تو اس میں بیٹھ کر لوگوں کو وعظ و پند کروں اور غرض یہ تھی کہ حضرتؐ کی مخالفت پر لوگوں کو آمادہ کروں۔ غرض منافقوں نے جھٹ پٹ وہاں ایک

مسجد بنا ڈالی۔ جب حضرتؐ جنگِ تبوک کے لیے جانے لگے تو ان منافقوں نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ سب سے پہلے حضورؐ وہاں نماز پڑھا دیں۔ آپؐ نے فرمایا، اب تو میں جنگ کے لیے جا رہا ہوں واپسی پر دیکھا جائے گا۔ جب آپؐ واپس آئے تو انہوں نے پھر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ آپؐ جانا چاہتے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ ان کی مسجد کو ڈھا دو اور جلا کر وہاں ایک مزبلہ (کوڑا گھر) بنا دو کیونکہ اس کے بنانے سے عبادت کرنا مقصود نہ تھا بلکہ مومنوں کو ایذا پہنچانا اور فتنہ و فساد کی بنیاد رکھنا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک مرکز بنانا مدِ نظر تھا۔ اس لیے اس کا نام مسجدِ ضرار ہوا۔ جس مسجد کی تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی ہے اس سے مراد مسجدِ قبا ہے جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾ ع

کیا جس شخص نے خدا کے خوف اور خوشنودی پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی ہو وہ زیادہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اس بودے کگار کے کنارہ پر رکھی ہو جس میں دراڑ پڑ چکی ہو اور گرا چاہتا ہو پھر وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں پھٹ پڑے اور اللہ ظالموں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ یہ (عمارت کی) بنیاد جن لوگوں نے قائم کی ہے اس کے سبب سے ان کے دلوں میں ہمیشہ ڈھکڑ پکڑ رہے گی یہاں تک کہ ان کے پرخچے اُڑ جائیں اور خدا تو بڑا واقف کار حکیم ہے۔

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر بنائی گئی ہے وہ مسجد قبا ہے جو سب سے پہلی مسجد ہے۔ ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ اور اس میں سب سے پہلے آپؐ نے مدینہ میں نماز پڑھی۔ یہ مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔ آپؐ کو اس مسجد سے اتنی محبت تھی کہ جب مدینہ میں قیام کیا تو ہفتہ میں ایک بار مدینہ سے یہاں آ کر نماز پڑھتے تھے۔ اس کے مقابل جو مسجد ضرار بنائی گئی تھی اس کا مقصد فساد برپا کرنا تھا۔ اس لیے اس کی مثال ایسی عمارت سے دی گئی ہے جس کی بنیاد دریا کے کسی ایسے کنارے پر رکھی گئی ہو جس کی جڑ کو پانی نے نیچے سے کاٹ دیا ہو اور وہ کنارہ گرا چاہتا ہو۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ جہنمی ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

بے شک اللہ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنّت کے بدلے خرید کر لیا ہے یہ لوگ راہِ خدا میں لڑتے ہیں کافروں کو مارتے ہیں اور خود بھی مر جاتے ہیں۔ یہ خدا کا پکّا وعدہ ہے جس کا ذکر توریت و انجیل اور قرآن میں لکھ دیا گیا ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا اور کون ہے پس تم اپنی (خرید و) فروخت سے جو تم نے خدا سے کی ہے خوشیاں مناؤ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ (جن سے خدا نے یہ معاملہ کیا ہے) وہ لوگ توبہ کرنے والے عبادت گزار، خدا کی حمد و ثنا کرنے والے راہِ خدا میں سفر کرنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیک کام کا حکم کرنے والے بُرے کام سے روکنے والے اور خدا کی مقرّر کی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے رسول مومنین کو بہشت کی خوشخبری دے دو۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں :

۱۔ اللہ نے جن مومنوں کی جانوں اور مالوں کو خریدا ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں چونکہ من المؤمنین میں مِنْ تبعیضیہ ہے لہٰذا جہادوں میں شرکت کرنے والے سب مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جو صفات آگے بیان کی گئی ہیں وہ سب مومنین میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ بلکہ وہ ایک قلیل گروہ ہے جس کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

۲۔ پہلی صفت ان مومنین کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دشمنانِ دین سے قتال کرتے ہیں اور سب کے سب قتل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد نہ ہوں تو پھر یقتلون کا ذکر بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ دُنیا کی عام لڑائیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں پھر خصوصیت سے اس کے ذکر کی کیا ضرورت تھی کہ قتل ہو جاتے ہیں

دُنیا میں آئے دن لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ فریقین کی فوجوں کے کچھ لوگ میدانِ جنگ میں کام آتے ہیں کچھ لوگ اس بھڑکتی آگ سے بچ کر نکل آتے ہیں۔ تاریخ عالم آدمؑ سے لے کر آج تک کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کرتی کہ کسی جنگ میں دو متحارب گروہوں میں سے ایک گروہ کے تمام افراد چُن چُن کر قتل کر دیئے گئے ہوں۔ یہ خصوصیت صرف سانحۂ کربلا کو حاصل ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج کے ایک ایک مجاہد نے دشمن کو قتل کیا اور سب کے سب شہید بھی کر دیئے گئے۔

۳۔ تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں ہے کہ جو صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں وہ ہمارے ائمہؑ کے سوا کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتیں۔

۴۔ ان مومنین کے لیے جنت کا وعدہ تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ اس سے واقعہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا تمام جہادوں سے اس کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ صرف واقعہ کربلا اس کا مصداق ہے۔ اگرچہ توریت و انجیل محرّف ہو چکی ہیں لیکن اس پر بھی بعض عبارتیں واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ مثلاً توریت میں بیان ہیں نبی کا یہ نوحہ پایا جاتا ہے (باب۴ آیت۴) شیر خوار (علی اصغر) کی زبان پیاس کے مارے تالو سے چمٹ جائیگی اور وہ روٹی مانگے گا لیکن کوئی بھی اس کے لیے روٹی کا ٹکڑا نہ توڑے گا۔ (منقول از حاشیہ ترجمہ قرآن از حضرت مولانا سید امداد حسین صاحب قبلہ کاظمی مرحوم)۔

۵۔ جو صفات مذکورہ بالا مومنین کی بیان کی گئی ہیں ان میں تین صفتیں ہمارے ائمہؑ سے بہتر کسی میں نہیں پائی گئیں:

۱۔ امر بالمعروف۔ ۲۔ نہی عن المنکر۔ ۳۔ حدود الٰہیہ کی حفاظت۔

ہمارے ائمہؑ نے اپنی جانوں پر کھیل کر حدودِ الٰہیہ کی حفاظت فرمائی۔ اور کسی لالچ یا کسی دباؤ میں آکر کبھی اپنی زبان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہیں روکا۔ حدودِ الٰہیہ کی سب سے بہتر حفاظت کربلا میں ہوئی کہ امام حسینؑ اور ان کے اعزہؑ اور انصارؓ نے جان و مال سب کچھ قربان کر دیا لیکن حق پر باطل کو غالب نہ آنے دیا۔ پس اس بنا پر یہ تمام آیات کربلا والوں کی شان میں ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا

بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٦﴾

جب نبی پر اور مومنین پر یہ ظاہر ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں تو ان کے لیے یہ سزاوار نہیں کہ وہ ان کے لیے مغفرت کی دُعا کریں چاہے وہ ان کے کتنے ہی قریبی رشتہ دار ہوں۔ ابراہیم کا اپنے (منہ بولے) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا لیکن جب یہ پتہ چل گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے دردمند اور بُردبار تھے۔ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ لوگوں کو ہدایت کے بعد گمراہی میں مبتلا کر دے جب تک کہ انہیں صاف صاف بتا نہ دے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا چاہیئے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا کوئی سرپرست مددگار خدا کے سوا نہیں۔

بہت سے لوگ ایسے تھے جو حلقۂ کفر سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے ان کے بہت سے قریبی رشتہ دار بدستور مشرک تھے۔ فطری محبت کے غلبہ سے یہ مسلمان ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ اس آیت نے نازل ہو کر ان کو مشرکوں کے لیے استغفار کرنے سے روک دیا کیونکہ مشرک و مومن میں کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ آیہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے لیے نبی استغفار نہیں کر سکتا۔ پس حضرات اہلِ سنّت کا یہ کہنا کہ ابو طالبؑ کافر تھے اور کافر ہے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت رسولِ خدا نے ان کے لیے مرتے دم اور قبر میں اُتارتے جاتے وقت دعائے خیر کی۔ اگر کہا جائے کہ مرتے وقت کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا جائے تو ایسا ایمان مقبول نہیں جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے کہ جب ڈوبتے وقت فرعون نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو خدا نے اس سے کہا اب یہ کہتا ہے حالانکہ تو ہمیشہ کافر ہی رہا ہے۔ اگر ابو طالبؑ کافر ہوتے تو حضرت رسولِ خدا کبھی ان کے ساتھ رہنا پسند نہ کرتے اور نہ ابو طالبؑ اختلافِ مذہب ہونے کی بنا پر ان سے بہ شفقت پیش آتے۔ ایمان ابو طالب علیہ السلام کے متعلق مبسوط کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر ابو طالبؑ مومن نہ ہوتے تو جناب خدیجہؑ سے جب حضرتؐ کا عقد ہوا تو اس عقد کے پڑھنے والے ابو طالبؑ نہ ہوتے۔ انہوں نے اس موقع پر جو خطبہ پڑھا ہے اس میں بجائے بتوں کی تعریف کے خدا کی تعریف کی ہے اور حضورؐ کی نبوّت کا اظہار بھی کیا ہے۔ آپؑ نے حضورؐ کی مدح میں جو اشعار فرمائے ہیں ان میں آپؐ کی نبوّت اور خدا کی توحید کا صاف الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ غور

ہے کہ حضورؐ نے ابو طالبؑ کی تجہیز و تکفین اسلامی طریقہ پر کی نہ کہ بُت پرستوں کے طریقہ پر۔ اور یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ ایک کافر بچہ کی ولادت خدا اپنے گھر کیسے منظور کر لیتا۔ حضرت علیؑ کا کعبہ میں پیدا ہونا بتاتا ہے کہ ان کے باپ صاحبِ ایمان تھے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میرا نور اصلابِ طاہرہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ عبدالمطلبؑ کے بعد دو حصّوں میں تقسیم ہُوا۔ ایک حصّہ صلبِ ابو طالبؑ میں گیا اور دوسرا حصّہ صلبِ عبداللہؑ میں۔ اگر ابو طالبؑ کافر ہوتے تو یہ نور الانوار آپ کے صلب میں کیسے قرار پا سکتا تھا۔ سورۂ قصص کی ۵۶ ویں آیت ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ یہ ابو طالبؑ کے متعلق ہے یعنی "اے رسول جسے (ابو طالبؑ) تم دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں کر سکتے"۔ لہٰذا ابو طالبؑ کا ایمان ثابت نہ ہُوا۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ہدایت کے دو معنی ہیں: ارائۃ الطریق یعنی راستہ دکھانا اور ایصال الی المطلوب یعنی مقصد تک پہنچانا۔ رسول کا کام راستہ دکھانا ہے اور مقصد تک پہنچانا خدا کا کام ہے۔ پس اس آیت کا مصداق ابو طالبؑ کو قرار دینا بے ادبی ہے۔

رہا حضرت ابراہیمؑ کا اپنے چچا آذر کے لیے استغفار کرنا تو وُہ صرف اس وجہ سے تھا کہ اُس نے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ جب یہ پتہ چلا کہ وہ ایمان لانے والا نہیں تو آپؑ اُس سے بیزار ہو گئے اور استغفار کو ترک کر دیا تھا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾

اللہ نے بڑا فضل کیا نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر جنہوں نے تنگدستی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا اگرچہ ان میں کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ پھر خدا نے اُن پر بھی فضل کیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور اُن تینوں پر بھی فضل کیا جو جہاد میں پیچھے رہ گئے تھے، (اُن پر سختی کی گئی) یہاں تک کہ زمین باوجود اپنی وُسعت کے اُن پر تنگ ہو گئی اور اُن کو اپنی جانیں بھی بھاری معلوم ہونے لگیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ خدا کے سوا کہیں پناہ کی جگہ نہیں تو خدا نے ان کو توبہ کی توفیق

دی کہ وہ خدا کی طرف رجُوع کریں بے شک اللہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا مہربان ہے۔

جنگِ تبوک کے موقع پر جب حضرتؐ جانے لگے تو قبیلہ اوس و خزرج کے تین نامی سردار کعب بن مالک، بلال بن اُمیّہ اور برار بن ربیع آپؐ کے ساتھ نہ گئے۔ جب گھر میں بیٹھنے والوں کی مذمّت نازل ہوئی تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ آپؐ نے مومنین سے فرمایا، ان سے کلام نہ کرو۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے بات چیت بند کر دی۔ اور ان کی عورتوں نے بھی ان سے کنارہ کشی کی۔ تب ان لوگوں نے جنگل کا رُخ کیا اور گریہ و زاری شروع کی۔ دس دن تک اسی حالت میں رہے۔ تب آیت نازل ہوئی اور مومنین نے ان کو قبولِ توبہ کی بشارت جا کر دی اور تب یہ لوگ واپس شہر میں آئے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾

اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے گرد و نواح کے دیہاتیوں کو یہ جائز نہ تھا کہ رسولِ خدا کا ساتھ چھوڑ دیں اور نہ (یہ جائز تھا) کہ نفسِ رسول سے بے پرواہ ہو کر اپنی جانیں بچانے کی فکر کریں۔ یہ حکم اس لیے تھا کہ مجاہدوں کو خدا کی راہ میں جو تکلیف پیاس کی یا بھوک کی شدّت کی پہنچتی ہے یا اس راہ کے چلنے میں جو کفّار کے لیے غیظ و غضب کا باعث ہو یا کسی دشمن سے یہ لوگ کچھ حاصل کرتے ہیں تو اس کے عوض ان کے نامۂ اعمال میں ایک نیک کام لکھ دیا جائے گا اور اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر برباد نہیں کرتا۔

آیہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کی چند باتیں قابلِ توضیح ہیں:

۱۔ اُمتِ محمدیؐ کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک گروہ ساتھ ہونے والوں کا ہے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جن کے ساتھ ہونے کا حکم ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان لوگوں کو پہچانا جائے جن کے ساتھ ہونے کا حکم ہے ورنہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی ہوگی۔

۲۔ چونکہ یہ حکم تا قیامت تمام اُمت کے لیے ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں صادقین میں سے کسی ایک کا وجود پایا جائے ورنہ ہر زمانہ کے لوگ کس کی پیروی کریں گے۔

۳۔ صادقین کے ساتھ ہونے سے مراد ان کی پیروی کرنا ہے۔ لہٰذا صراطِ مستقیم پر صرف وہی لوگ ہوں گے جو صادقین کے پیرو ہوں گے۔ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے صرف وہی فرقہ ناجی ہو سکتا ہے جو صادقین کا پیرو ہو۔

۴۔ صادقین کی پیروی کے لیے صرف ایمان کافی نہیں بلکہ متقی بھی ہونا چاہیئے۔

۵۔ متقی کی تعریف قرآن میں یہ ہے کہ غیب پر ایمان لانے والے ہوں، نماز پڑھنے والے ہوں، راہ خدا میں خیرات کرنے والے ہوں، "ما جاء النبی" پر ایمان رکھنے والے ہوں، روز قیامت پر ان کا ایمان ہو، جو آنحضرتؐ سے پہلے نازل ہو چکا ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔ متقی کی سب سے پہلی صفت ایمان بالغیب ہے۔ لہٰذا جو لوگ امام غائب پر ایمان نہیں رکھتے ان کا تقویٰ ناقص ہے۔

۶۔ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ سے معلوم ہوا کہ صادقین کی پیروی واجب ہے اختیاری نہیں۔

۷۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صادقین کا معصوم ہونا ضروری ہے ورنہ غیر معصوم کی پیروی باعثِ ہدایت نہیں ہو سکتی۔

۸۔ صادق سے مراد صدقِ کُلّی رکھنے والا ہے یعنی اس نے من المهد الی اللحد کبھی جھوٹ بولا ہی نہ ہو۔ اور قول کی طرح اپنے عمل میں بھی صادق ہو یعنی کوئی ایک عمل بھی اس کا خلافِ حکم خدا و رسولؐ نہ ہو۔ ایسا ہی شخص معصوم کہلایا جا سکتا ہے۔

۹۔ صادقین کو کافۂ اُمت سے علیحدہ ماننا ضروری ہے کیونکہ کافۂ اُمت میں کوئی ایک شخص بھی عہدِ رسالت سے اب تک مدعیِ عصمت نہیں پایا گیا۔ نہ خود کسی نے دعویٰ کیا اور نہ اس کے تابعین نے۔ پس جب مجموعِ اُمت صفتِ عصمت سے خالی ہے تو ماننا پڑے گا کہ مجموعِ اُمت کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ رہنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور وہ گروہ سوائے اہلبیتِ رسولؐ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ان کی پیروی کا کافۂ اُمت کو حکم دیا گیا ہے۔

۱۰۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ چونکہ خارج میں کسی معصوم کا وجود نہیں پایا جاتا جس کی پیروی کی جائے لہٰذا ماننا پڑے گا، کہ اس سے مراد تمام اُمت کا اجماع ہے کیونکہ اس اجماع سے عصمت پیدا ہو جاتی ہے۔ سب کا کسی امر پر متفق ہونا دلیلِ عصمت ہے کیونکہ سب جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ یہ تو ایک نہایت بودا اور کمزور خیال ہے۔ جس مجموعہ کی ہر فرد غیر معصوم ہے اور صدقِ کُلّی سے محروم ہے اس کا مجموعہ عصمت کو کیسے پیدا کرے گا۔ ناقص کا مجموعہ تو ناقص ہی رہے گا چاہے اس کی تعداد لاکھوں ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے کافۂ اُمت کا ایک مسئلہ پر متفق الرائے ہونا بھی ناممکن ہے۔ تمام اُمت ایک مسئلہ پر متفق ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر ایسا ہو سکتا تو ایک دین کے تہتر فرقے کیسے بنتے۔ آیاتِ قرآنی کی مختلف تاویلیں و تفسیریں

بیان کی جائیں۔ تیسرے اگر اربابِ حَلّ و عَقد کا اجماع حجت ہو اور ان کا فیصلہ بمنزلۂ عصمت ہو تو عہدِ رسالت سے آج تک ایسا کیوں نہ ہوا۔ چار اماموں کی چار فقہیں کیوں بنیں۔ اصول میں اشاعرہ و معتزلہ کے درمیان اختلاف کیوں ہے۔ اسلام میں فرقہ بندی کیسے ہوگئی۔ اربابِ حَلّ و عَقد نے اپنے اجماع سے سب اُمت کو ایک مرکز پر کیوں نہ قائم کیا۔

رہا یہ کہنا کہ امام معصوم کا وجود دُنیا میں نہیں لہٰذا پیروی کس کی کی جائے تو یہ بھی غلط ہے۔ قرآن و حدیث کی رُو سے امام کا وجود ہر زمانہ میں ہونا ضروری ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ الرعد ۱۳ ۷ "اے رسول تم تو صرف خوفِ خدا سے ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہے"۔ پس اس زمانہ کی قوم کے لیے بھی ہادی ہے۔ رسولؐ نے فرمایا ہے، مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (حدیث) "جو اس حالت میں مر گیا کہ اُس نے اپنے امامِ زمانہ کو نہ پہچانا وُہ کُفر کی موت مرا"۔ لہٰذا جو امامِ زمانہ ہے وہی صادق ہے اس کی پیروی واجب ہے۔

اب رہا امامِ غائب کی پیروی کا معاملہ تو جو لوگ مومن و متقی ہیں ان کو امام کی طرف سے ہدایت ہوتی رہتی ہے پہلے اس پر ایمان لایئے اس کی محبت کو دل میں جگہ دیجئے پھر دیکھیں کیسے ہدایت نہیں ہوتی۔

۱۱۔ یہ آیت اہلبیتِ رسولؐ کے منصوص من اللہ جانشینِ رسولؐ ہونے پر ایسی قوی دلیل ہے کہ اسے کوئی ہٹا ہی نہیں سکتا۔

۱۲۔ روزِ مباہلہ رسولؐ نے ان صادقینؑ کی شناخت اُمت کو کرا دی تھی۔ جھوٹے پر لعنت کرنے کے لیے جن صادق ہستیوں کو آپؐ اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلے تھے وہ صرف علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ اور حسینؑ تھے۔ پس جھوٹوں کے مقابل حق کو کامیابی ہوئی۔ وہی صادقین قرار پائے اور خدا نے انہی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔

۱۳۔ ہر زمانہ میں کسی قوم کی رہنمائی کے لیے ایک نمونۂ عمل کی ضرورت ہوتی ہے جس کو سامنے رکھ کر لوگ اپنی زندگی کی ہر موڑ پر سند حاصل کرتے رہیں۔ انسان اپنی تمدنی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی میں جو غلطیاں کرتا رہتا ہے اس کو صحیح راستہ پر چلانے کے لیے خدا نے ایک نمونۂ عمل ہر زمانہ میں اپنے منتخب بندوں میں سے کسی کو رکھا ہے۔ اسی کے عمل سے لوگوں کو صحیح اور غیر صحیح راستہ کا پتہ چل سکتا ہے۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ لوگ ان کے قدم بقدم چل کر گمراہی سے محفوظ رہیں۔ خدا نے جن کو صادقین کہا ہے رسولؐ نے حدیثِ ثقلین میں اُن کو اہلبیتؑ فرمایا ہے اور یہ وضاحت فرما دی ہے کہ اگر ان سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اس کے بعد دیہاتی عربوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی جانیں بچانے کے لیے رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دو۔ اس آیت میں اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ کے بعد فرمایا ہے کہ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ اس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ عَنْ نَّفْسِهٖ میں نفس سے کون نفس مراد ہے۔ آیا نفسِ رسولؐ یا علی علیہ السلام جو مباہلہ کے روز گروہِ صادقینؑ میں نفسِ رسولؐ بن کر نکلے تھے۔ نفسِ رسولؐ اگر مراد ہو تو اس سے ایک ہی

امر کی تکرار لازم آتی ہے۔ پہلے جب یہ کہہ دیا گیا کہ رسولؐ کو اپنی جانیں بچانے کے لیے چھوڑ جانا جائز نہیں تو پھر یہ کہنا کہ اپنی جان بچانے کے لیے رسولؐ کی طرف سے منہ نہ موڑیں، غیر ضروری تکرار ہے۔ ہاں اگر نفس سے مراد علی علیہ السلام ہوں تو پھر یہ معنی ہوں گے کہ نہ رسولؐ کو چھوڑیں اور نہ نفسِ رسولؐ کو کیونکہ جہادوں میں سب سے بڑا کارِ نمایاں کرنے والے علیؑ تھے۔

اس کے بعد دیہاتی عربوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کے لیے جو تم سفر کرتے ہو اور اس میں تمہیں مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ بھوک بھی لگتی ہے پیاس بھی لگتی ہے۔ دشمنوں کی سرحد میں قدم رکھتے ہو تو تم پر انہیں غصہ بھی آتا ہے یا کسی دشمن سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا خیال نہ کرو۔ اللہ ان سب کا بدلہ تمہیں دے گا اور تمہارا شمار احسان کرنے والوں میں ہو گا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

یہ لوگ تھوڑا یا بہت راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے اور کسی وادی کو طے نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ نیک عمل ان کے نامۂ اعمال میں لکھ لیا جاتا ہے تاکہ ان کی کارگزاری کا اچھے سے اچھا بدلہ خدا عطا کرے گا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

مومنوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب ایک بار ہی (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں ان میں سے ہر گروہ کی ایک جماعت کیوں نہیں نکلتی تاکہ علمِ دین حاصل کرے اور پھر اپنی قوم کی طرف پلٹ کر جائے اور ان کو عذاب (آخرت) سے ڈرائے تاکہ وہ لوگ ڈریں۔ اے ایمان والو، کفار میں سے جو لوگ تمہارے آس پاس کے ہیں ان سے لڑو اور (اس طرح لڑو) کہ وہ لوگ تم میں کرارا پن محسوس کریں اور یہ جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ اور جب کوئی سورہ نازل کیا گیا تو ان (منافقین) میں سے ایک دوسرے سے پوچھتا ہے بھلا اس سورہ نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا مگر جو لوگ ایمان والے ہیں ان کا ایمان تو اس سورہ سے بڑھ گیا اور وہ اس کی خوشیاں مناتے ہیں لیکن جن کے دلوں میں مرض ہے اس سورہ نے ان کی خباثت پر ایک خباثت اور بڑھا دی۔ وہ مرے تو کافر ہی رہ کر مرے۔

ان آیات کے پہلے حصہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب لوگوں نے علمِ دین حاصل کرنے کی طرف آنحضرتؐ سے بہت سی حدیثیں سنیں تو ہر جماعت کے جوق در جوق لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اپنے گھروں کو خالی چھوڑ آتے تب ان کو یہ حکم ہوا کہ سب کے سب ایک ساتھ نہ نکلو بلکہ ہر جماعت کے تھوڑے سے لوگ آ کر علمِ دین حاصل کریں اور جب یہاں سے پلٹ کر جائیں تو دوسرے لوگوں کو تعلیم دیں اور خلافِ حکمِ خدا و رسولؐ کرنے پر عذابِ آخرت سے ڈرائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ اور اجتہاد کا حاصل کرنا واجب نہیں قرار دیا گیا ہے۔ لیکن علمِ دین سے آگاہ ہونا ہر مرد و عورت کا فرض ہے۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ علمِ دین کا کمال علمِ دین حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ تم پر مال کی تلاش سے علمِ دین کی طلب زیادہ واجب ہے۔ اس کے بعد مومنین کو بتایا گیا ہے، کہ جب کافروں سے لڑو تو پوری ہمت و جرأت سے لڑو۔ بودا پن نہ دکھاؤ ورنہ تمہاری ہوا خیزی ہو گی۔

اس کے بعد منافقوں کی حالت بتائی گئی ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں بھلا بتائیے اس سورہ کے نازل ہونے سے لوگوں کا کتنا ایمان بڑھ گیا۔ کیا فائدہ پہنچا۔ لیکن جو مومن ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اس زیادتی پر وہ خوش بھی ہوتے ہیں۔ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے وہ بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی جاتا ہے اور مرتے دم تک وہ کافر ہی بنے رہتے ہیں۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ

قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۲۹﴾

کیا وہ لوگ اس پر ذرا غور نہیں کرتے کہ ہر سال ایک یا دو بار بلاؤں میں مبتلا کیے جاتے ہیں پھر بھی نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھ کہتا ہے کوئی مسلمانوں میں سے تمہیں دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر اپنے گھروں کو پلٹ جاتے ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے بے شک یہ سمجھنے والے لوگ نہیں۔ لوگو تم ہی میں سے (ہمارا) ایک رسول تمہارے پاس آچکا ہے جس پر تمہارا تکلیف اُٹھانا شاق ہے اُسے تمہاری بہبُودی کا بڑا ہَوکا ہے۔ ایمان داروں پر بڑا شفقت کرنے والا اور مہربان ہے اگر اس پر بھی یہ لوگ تمہاری بات نہ مانیں تو کہہ دو میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبُود نہیں اسی پر میں نے توکّل کیا ہے اور عرشِ عظیم جیسی مخلُوق کا مالک ہے۔

منافقوں کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ باوجودیکہ ہر سال میں ایک دو دفعہ جہاد میں جانے کے لیے ان کا امتحان لیا جاتا ہے اور یہ اپنے کو بچائے بچائے پھرتے ہیں اور پھر مزہ کی بات یہ ہے کہ کم بخت نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت ہی حاصل کرتے ہیں بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے تو آنکھوں آنکھوں ہی میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ لیجئے اور ایمان بڑھانے والا سورہ نازل ہو گیا۔ بھلا بار بار ان سورہوں کے نازل ہونے کا فائدہ کیا۔ ان کی یہ باتیں از راہِ تمسخر ہوتیں۔ کنکھیوں سے دیکھتے رہتے کہ مسلمان ہماری ان باتوں کو جو اشارہ سے ہو رہی ہیں دیکھ تو نہیں رہے۔ جب کسی کو نہیں پاتے تو چپکے سے چل دیتے ہیں۔

ان احمقوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ہمارا رسولؐ تم ہی میں سے ہے اور ایسا مشفق و مہربان ہے کہ تمہاری کسی تکلیف کو گوارا نہیں کرتا اور تمہاری بھلائی کا ہر وقت خیال رکھتا ہے پھر بھی تم اس کی بات نہیں مانتے۔ اگر نہیں مانتے تو نہ مانو اللہ اس کی مدد کے لیے کافی ہے۔

حرص انسان کی صفاتِ ذمیمہ میں سے ہے کیونکہ حریص آدمی کو چاہے کتنا ہی مل جائے اس کی حرص کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہی جاتی ہے آنحضرتؐ نے اپنی امت کی محبت میں اس کو بھی گوارا کر لیا کہ ان کو حریص کے لفظ

سے یاد کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو بہبُودیٔ اُمّت کا بے پناہ ہَوکا تھا، چاہتے تھے کہ ہر قسم کی بھلائی آپؐ کی اُمّت میں پائی جائے اور یہ شوق آپؐ کا کسی وقت کم نہیں ہوتا تھا۔

---

(۱۰) سُوۡرَةُ يُوۡنُسَ مَكِّيَّةٌ (۵۱)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳﴾

الٓر۔ یہ حروفِ مقطّعات ہیں جن کا مفہوم رسولؐ اور ائمۂ طاہرینؑ کے سوا دُوسرا نہیں جانتا۔

یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہُوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد پر اپنی وحی کی تاکہ وہ لوگوں کو ڈرائے اور جو ایمان لائے ہیں ان کو بشارت دے کہ ان کے لیے ان کے رب کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہے (ان آیتوں کو سُن کر) کافر لوگ کہنے لگے یہ تو کھُلا جادُو ہے۔ بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش کو بلند کیا ہر کام کا انتظام وہی کرتا ہے۔ کوئی شفاعت نہیں کر سکتا مگر اس سے اجازت لینے کے بعد۔ پس وہی خدا تمہارا پروردگار ہے بس اسی کی عبادت کرو تو کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

اس سورہ میں حضرت علیؑ کی ولایت، سورج چاند کے بروج، بہشت کی تعریف، انسان کی حالت، کفّار کی انوکھی فرمائش اور اس کا جواب ہے۔ سب لوگ یکساں تھے۔ انسان کا مجبوری میں گڑگڑانا اور فارغ البالی میں اکڑنا۔ دُنیا کی مثال۔ قیامت میں گنہگاروں کے منہ پر کالک لگی ہوگی۔ قیامت میں مشرکوں کے گروہ الگ ہو جائیں گے۔ گمان کی پیری نہ کرو۔ مشرکوں سے نہ ملو۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ دُنیا کا قیام گھڑی بھر ہے۔ کوئی شخص اپنے نفع و نقصان پر قادر نہیں۔ قرآن قلبی امراض کی شفا ہے۔ خدا کو ذرہ ذرہ کی خبر ہے۔ خدا کی کوئی اولاد نہیں۔ ہر بات کی اصل ضرور ہے۔ حضرت نوحؑ و موسٰیؑ کا قصّہ۔ فرعون کا لشکر اور اس کا ڈوبنا۔ قوم یونسؑ کا قصّہ۔

…… ⁂ ……

جب حضرت رسولِ خدا آیاتِ الٰہی کو مشرکین کے سامنے تلاوت کرتے تو بجائے ان کا مفہوم سمجھنے کے اپنی جہالت سے کہتے کہ یہ شاعرانہ تخیلات ہیں ان سے کسی کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ آیات معمولی نہیں بلکہ یہ عقل و حکمت کی باتیں ہیں ان کو سمجھو۔ ان کو اس پر تعجب تھا کہ ایک ایسے شخص پر جو ہم ہی میں سے ہے اور ہم ہی جیسا ہے یہ کتاب کیوں نازل ہو رہی ہے یہ تو کھلا جادُو ہے۔ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ کتاب ہم نے اپنے پیغمبر پر اس لیے نازل کی ہے کہ وہ لوگوں کو عذابِ خدا سے ڈرائے اور جو صاحبِ ایمان بندے ہیں ان کو یہ خوش خبری دے کہ خدا کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ ہے۔

قدمِ صدق سے یہ مراد ہے کہ ان کا جو قدم اٹھتا ہے وہ صحیح راستہ پر اُٹھتا ہے۔ ابن مردویہ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے۔ کیونکہ ان کا قدم کسی بھی وقت جادۂ حق سے نہیں ہٹا۔

چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے یا تو یہ مراد ہے کہ عالمِ خلقی کی مخلوق کی طرح خدا کی یہ مخلوق بھی رفتہ رفتہ اپنے مدارجِ خلقت طے کر کے پیدا ہوئی ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ چھ دن ہماری دُنیا کے چھ دن نہیں بلکہ عالمِ بالا کے چھ دن مراد ہیں جہاں کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اجرامِ سماوی میں سب سے بڑی مخلوق عرش ہے۔ پس جب وہ بھی خدا کے یدِ قدرت میں ہے تو اور مخلوق کا تو ذکر ہی کیا۔ اسی کی ذاتِ پاک اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام کائنات کا انتظام کر رہی ہے۔ پس جو ذات ایسی ہے سب کو اُس کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اس کے سوا جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان میں انتظامِ عالم میں دخل دینے کی کوئی قدرت نہیں۔ تعجب ہے کہ اتنی موٹی بات بھی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

تم سب کو (ایک دن) اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے (وہ ہو کر رہے گا)۔ وہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر وہی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو عدل و انصاف سے بدلہ دے اور جو لوگ کافر رہے ہیں ان کے لیے (دوزخ میں) گرم (کھولتا ہوا) پانی ہے اور دردناک عذاب جو ان کی کفر پرستی کا بدلہ ہوگا۔ اُس نے آفتاب کو چمکدار اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو اور خدا نے اسے حکمت و مصلحت سے بنایا ہے خدا اپنی آیتوں کو واقف کار لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

آیہ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا (سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) سے قیامت کا ثبوت ملتا ہے۔ انسان کو عبث پیدا نہیں کیا گیا کوئی غرض ہے۔ اس کی بقائے حیات کے لیے پوری کائنات کو اس کے قدموں پر ڈال دیا ہے ذرہ سے لے کر آفتاب تک قطرہ سے لے کر ذخار سمندروں تک پتّہ سے لے کر سربفلک درختوں تک سب اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں تاکہ انسان ان تمام چیزوں کے اسرارِ خلقت سے واقف ہو کر اپنے معبود کی معرفت حاصل کرے اور اس کے احکام کی تعمیل میں شب و روز مشغول رہے۔ اور اپنی زندگی کا ہر قدم اس خیال کے تحت اٹھائے کہ اُسے ایک دن مرنا ہے اور اپنے معبود کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ اگر قیامت کا دن بازپُرس کے لیے نہ ہوتا تو انسان کو نہ عقل و فہم عطا کرنے کی ضرورت تھی نہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو اس کی ہدایت کے لیے بھیجنے کی۔ عقل کا فیصلہ ہے کہ جن لوگوں نے اس دُنیا میں رہ کر اعمالِ نیک کیے ہیں اور خدا و رسولؐ پر ایمان لائے ہیں ان کو اجر ملنا چاہیئے اور جن لوگوں نے خدا سے سرکشی اور نافرمانی کی ہے ظلم و ستم سے باز نہیں آئے مشرکانہ و کافرانہ زندگی بسر کی ہے اس کی ان کو سزا ملے۔

سورج اور چاند کو خدا نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی زندگی کی منزلوں کو سال۔ مہینے۔ ہفتے اور دن بنائے اور ان کے حساب سے جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں ان کو بجا لائے۔ مثلاً انسان رمضان میں روزے رکھے۔ ایامِ حج میں حج بجا لائے۔ گیارہ مہینے پورے ہونے پر بارہویں مہینے زکوٰۃ دے۔ دن میں اوقاتِ معیّنہ پر نماز پڑھے۔

سورج تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی پر ہر شے کی حیات کا انحصار ہے اگر یہ نہ ہو تو ہر شے مر جائے۔ چاند

اسی سے کسبِ ضیا کرتا ہے اور اسی لیے اس میں بھی جاں بخشی کی تاثیر ہے۔

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾

بے شک رات اور دن کے آنے جانے میں اور آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان سب میں اللہ کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ جن لوگوں کو (قیامت میں) ہماری حضوری کا خوف نہیں اور وُہ زندگانیٔ دُنیا پر راضی ہو گئے ہیں اور انہیں اس پر اطمینان حاصل ہو گیا ہے اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں تو ان سب کا ٹھکانہ جہنّم ہے اُن کرتُوتوں کی بدولت جو وُہ کر چکے ہیں۔

رات خدا نے اس لیے بنائی ہے کہ آدمی آرام کرے اور دن اس لیے ہے کہ خدا کی عبادت کرے اور اپنی زندگی کی ضرورتیں پوری کرے اور پھر خدا کی ان نشانیوں پر غور کرے جو اس کے وُجود کی بقا کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ صرف دنیا کی نعمتوں ہی میں غرق ہو کر نہ رہ جائے اور یہ خیال دل میں نہ لائے کہ ایک دن اُسے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے تو پھر ایسے لوگوں کی سزا یہی ہو گی کہ انہیں جہنّم میں جھونک دیا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۹﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ

فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں ان کا رب اُن کو اُن کے ایمان کی وجہ سے منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا، ان نعمتوں سے بھری جنّتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان باغوں میں ان کی صدائیں یہ ہوں گی، اے اللہ تو پاک و پاکیزہ ہے اور وہاں ایک دوسرے کی مزاج پُرسی سلام سے ہو گی اور آخری قول ان کا یہ ہو گا حمد ہے اس اللہ کے لیے جو ربّ العالمین ہے۔ اگر اللہ ان کو بدی کا بدلہ دینے میں ایسی ہی جلدی کرتا جیسی وُہ بھلائی کے لیے کیا کرتے ہیں تو ان کی موت ان کے پاس کب کی آ چکی ہوتی جو لوگ مرنے کے بعد ہماری حضوری کی کوئی اُمّید نہیں رکھتے ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں۔ جب انسان کو کسی مُصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو ہمیں لیٹ کر بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر پکارنے لگتا ہے اور جب ہم اس کی تکلیف دُور کر دیتے ہیں تو ایسا چُپکے سے چل دیتا ہے گویا اُس نے اس مصیبت کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا جو اس پر آ پڑی تھی اور جو لوگ زیادتی کرتے ہیں ان کی کارستانیاں یوں ہی ان کو اچھی کر کے دکھائی گئی ہیں۔ (تاکہ وُہ گناہوں کے بوجھ سے لد جائیں)۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ

هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯

ہم نے تم سے پہلی امت والوں کو جب انہوں نے ظلم کیا تھا تو ضرور ہلاک کر ڈالا تھا۔ ان کے پاس ہمارے رسول معجزات لے کر آئے لیکن اس پر بھی وُہ ایمان لانے والے نہ بنے۔ مجرم لوگوں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے ان لوگوں کے بعد تم کو روئے زمین پر ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔ جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی گئیں تو جن لوگوں کو ہماری حضوری کا مرنے کے بعد کوئی کھٹکا نہ تھا کہنے لگے اس کے علاوہ کوئی اور نیا قرآن لائیے یا اسے بدل دیجئے۔ اے رسول تم ان سے کہو میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو مجھ پر ہوتی ہے۔ میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو اس دن سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب سخت ہوگا۔ اے رسول کہدو کہ اگر میرا خدا چاہتا تو میں تمہارے سامنے نہ اس کو پڑھتا اور نہ تم کو آگاہ کرتا۔ میں تو آخر تم میں اس سے پہلے مدتوں رہ چکا ہوں (اور کبھی وحی کا نام نہ لیا) تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

چونکہ قرآن میں پہلے زمانہ کے کافروں اور مشرکوں کی مذمت تھی اور ان پر عذاب کا ذکر تھا لہٰذا ان کی اولاد چاہتی تھی کہ یہ قرآن بدل دیا جائے۔ خدا نے رسولؐ کو کہا تم ان سے کہدو کہ مجھے بدلنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو وہی کہتا ہوں جو وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَھُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲

اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بُہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک ایسے گنہگار کامیاب نہیں ہُوا کرتے۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع دیتی ہے نہ نقصان اور کہتے ہیں خدا کے سامنے یہی ہماری شفاعت کرنے والے ہوں گے۔ اے رسول تم ان سے کہو کیا تم خدا کو اس سے آگاہ کرتے ہو جس کو وُہ نہ تو آسمانوں میں پاتا ہے نہ زمین میں مشرکین جس چیز کو اس کا شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔ سب لوگ پہلے ایک ہی گروہ تھے پھر اُنہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اگر اے رسول تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات (قیامت) پہلے سے (طے) نہ ہوچکی ہوتی تو جس چیز میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ ان کے درمیان کب کا کر دیا گیا ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے سب لوگ ایک دین پر تھے لیکن بعد میں ان کے درمیان اختلافات شروع ہوئے۔ پہلا اختلاف بُت پرستی سے شروع ہوا۔ پھر نبوت میں پھر قیامت میں اختلافات ہونے لگے اور ان اختلافات نے ایسی جڑ پکڑی کہ آج تک چلے آتے ہیں۔ آج جو ادیان دُنیا میں پائے جاتے ہیں ان کے ماننے والے بھی ایک مرکز پر قائم نہیں ان کے درمیان بھی فرقہ بندی ہے اور ایسی سخت کہ ایک دوسرے کو کافر جہنمی کہتا ہے۔ خدا فرماتا ہے قیامت کا ایک وقت معین ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے یہ جھگڑے کب کے طے کر دئیے گئے ہوتے۔ اب تو جب قیامت آئیگی اور یہ سب گروہ اپنے معبُود کے سامنے حاضر ہوں گے اس وقت ان کے اختلاف کی قلعی کھلے گی۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ⑳ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا

یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ ہماری خواہش کے مطابق کیوں نازل نہیں کیا گیا اے رسول تم ان سے کہو کہ غیب کا علم تو اللہ ہی کے لیے ہے پس تم بھی انتظار کرو۔ تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ (لوگوں کا حال یہ ہے کہ) جب ان کو کوئی تکلیف پہنچی اور ہم نے اس کے بعد ان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھایا (اُس تکلیف کو دُور کیا) تو وُہ لگے ہماری آیات میں حیلہ بازی کرنے۔ تم ان سے کہہ دو کہ تدبیر کرنے میں خدا تم سے زیادہ بہتر ہے۔ ہمارے رسول (فرشتے) جو تم مکّاریاں کرتے ہو ان سب کو لکھے جاتے ہیں۔ اللہ وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں سیر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ تم جب کشتی میں سفر کرتے ہو اور وہ لوگوں کو بادِ موافق کے ساتھ لے کر چلتی ہے اور لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں تو (یکایک) ہوا کا تیز جھونکا آتا ہے اور ہر طرف موجیں اُٹھنے لگتی ہیں اور لوگ گمان کرنے لگتے ہیں کہ موجوں میں گھر گئے اور اس وقت وُہ گڑگڑا کر خدا کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں اگر تُو ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔

ان آیات میں چند باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱۔ کفار و مشرکین رسولؐ سے کہتے تھے کہ ہماری خواہش کے مطابق معجزہ کا اظہار کیجیے لیکن ان کی یہ احمقانہ خواہش کسی طرح پوری نہیں کی جا سکتی تھی۔ جس کی چند وجہیں ہیں، اوّل یہ کہ رسالت ایک کھیل بن جاتی، یعنی لوگ اپنی اپنی خواہشوں کے مطابق معجزات طلب کرتے اور اس کا سلسلہ ختم ہونے میں نہ آتا۔ دوسرے اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی تو بھی وہ ایمان نہ لاتے اور یہ کہہ کر الگ ہو جاتے کہ یہ تو کھلا جادُو ہے۔ تیسرے کہتے یہ تو ہماری خواہش کے مطابق نہیں ہم تو یُوں چاہتے

تھے۔ معجزات کا ظہور تو خدا کی مصلحتوں کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ ہر ایرے غیرے کی خواہش پر۔

۲۔ انسان کی ناشکری اور ہٹ دھرمی کا اظہار کیا گیا ہے۔ جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو خدا سے دُعائیں مانگنے لگتے ہیں اور جب خدا اپنی رحمت سے اس تکلیف کو دُور کرنے لگتا ہے تو رسولؐ کے ساتھ پھر طرح طرح کی مکّاری اور حیلہ سازی سے پیش آنے لگتے ہیں چنانچہ ایک بار مکّہ میں ایسا سخت قحط پڑا کہ سات سال تک پانی کا قطرہ نہ برسا سب بلبلا گئے اور رسولؐ سے دُعا کرنے کی خواہش کرنے لگے۔ حضرتؐ نے دُعا کی اور پانی برسا تو بجائے خدا اور رسولؐ کا احسان ماننے کے حضرتؐ کو طرح طرح سے ستانے لگے۔

۳۔ خدا نے ناشکری کی ایک مثال پیش کی ہے کہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی میں بیٹھتے ہیں اور مناسب ہوائیں کشتی کو لے کر چلتی ہیں تو کشتی والے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں لیکن جب یکایک ہوا کے تند و تیز جھونکے آنے لگتے ہیں اور دریا میں طغیانی شروع ہو جاتی ہے اور ہر طرف سے موجیں اُٹھ اُٹھ کر کشتی کو گھیر لیتی ہیں اور وُہ ڈوبنے کے قریب ہو جاتی ہے تو اس وقت سب گھبرا جاتے ہیں اور بڑے خلوص سے بارگاہِ الٰہی میں دُعائیں کرنے لگتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں اگر خدا نے ہمیں اس مصیبت سے بچا لیا تو ہم اس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔

فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

لیکن جب خدا نے انہیں نجات دے دی تو وُہ لوگ زمین پر قدم رکھتے ہی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری جانوں پر پڑے گا۔ زندگانیٔ دنیا کا فائدہ تو چند روزہ ہے پھر تم کو لوٹ کر ہماری ہی طرف آنا ہے پھر ہم تم کو بتا دیں گے کہ تم دُنیا میں کیا کیا کرتوت کیا کرتے تھے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا

حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

زندگانیٔ دُنیا کی مثال اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا۔ پھر زمین کی گھاس پات اس سے مِل جُل گئی جس کو لوگ بھی کھاتے ہیں اور چوپائے بھی یہاں تک کہ جب زمین اپنی تمام سجاوٹیں نکال چکی اور ہر طرح آراستہ ہوگئی (پودے خوب لہلہانے لگے) اور کاشتکاروں نے سمجھا کہ وہ اس پر پُوری طرح قابُو پا گئے (جب چاہیں گے کاٹ لیں گے) تو ہمارا حکم رات میں یا دن میں آگیا اور ہم نے پُورے کھیت کو کٹا ہُوا ایسا دیا گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں (گرم ہواؤں سے کھیتی سوکھ کر رہ گئی اور ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی) ہم غور کرنے والے لوگوں کے لیے ایسی نشانیاں تفصیل سے بیان کیا کرتے ہیں۔ اللہ سلامتی کے گھر کی طرف لوگوں کو بُلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف پہنچا دیتا ہے۔

زندگانیٔ دنیا کی کیسی بہترین مثال خدا نے بیان فرمائی ہے۔ انسان کے یہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بڑے چاؤ پیار سے اس کی پرورش کرتا ہے اور جب وہ جوانی کی حد میں داخل ہوتا ہے تو بڑی بڑی امیدیں اس سے وابستہ ہو جاتی ہیں اور ماں باپ خیال کرتے ہیں کہ اس سے ہمیں بڑے بڑے فائدے پہنچیں گے یکایک موت کا جھونکا اسے اُڑا کر لے جاتا ہے تو ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس دُنیا میں وہ آیا ہی نہ تھا۔ کچھ نشان رونے پیٹنے کے لیے باقی رہ جاتے ہیں وہ بھی چند روز کے لیے۔ ایسی چند روزہ زندگی پر اگر انسان خدا کو بھول جائے اور حیات بعد الموت کے لیے کوئی سامان نہ کرے تو اس سے زیادہ بے وقوف کون ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

جن لوگوں نے اس دُنیا میں نیکی کی ہے ان کے لیے آخرت میں نیکی ہوگی بلکہ اور زیادہ۔ (گنہگاروں کی طرح) نہ تو ان کے چہروں پر سیاہی ہوگی اور نہ اُن کو ذلّت کا سامنا ہوگا۔ یہی لوگ جنّت والوں میں سے ہوں گے اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں ان کی سزا اس گناہ کے برابر ملے گی اور ذلّت ان پر چھائی ہوئی ہوگی اور اللہ کے عذاب سے کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوگا۔ ان کے چہرے ایسے کالے ہوں گے گویا کالی رات کے ٹکڑے سے ڈھک دیئے گئے ہیں۔ یہ دوزخی لوگ ہوں گے جو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس روز (قیامت میں) ہم سب کو یکجا کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے تم اور تمہارے بنائے ہُوئے خدا کے شریک ذرا اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان میں پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے تم تو ہماری پرستش نہ کرتے تھے۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ بُت پرست جن بتوں کو خدا کا شریک بنا کر دُنیا میں ان کی عبادت کیا کرتے تھے قیامت میں وہ ان سے الگ ہو جائیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں، ہم سے الگ ہو جاؤ۔ احمق بُت پرست یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بُت روز قیامت ہمارے لیے ذریعہ نجات بنیں گے۔ لیکن وہاں اس احمقانہ عقیدہ کی قلعی کھل جائے گی۔

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ

مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

(وہ باطل معبود اپنے پجاریوں سے کہیں گے) تمہارے ہمارے درمیان گواہی کو خدا کافی ہے ہمیں پتہ ہی نہ تھا کہ تم ہماری پرستش کرتے ہو۔ وہاں ہر شخص جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہے جان لے گا اور وہ اپنے برحق مولا کی طرف رد کیے جائیں گے اور دنیا میں جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گی۔ اے رسول تم ان سے پوچھو تو کہ آسمان سے (مینہ برسا کر) اور زمین سے (غلہ اگا کر) تمہیں رزق کون دیتا ہے اور تمہارے کان اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام امور (کائنات) کا انتظام کرتا ہے۔ ضرور وہ یہی جواب دیں گے کہ ایسا اللہ ہی کرتا ہے تو تم ان سے کہو کہ تم خدا سے ڈرتے کیوں نہیں۔ بس وہی خدا تو تمہارا سچا پالنے والا ہے۔ پس حق بات کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے پس تم کدھر چلے جا رہے ہو۔ اسی طرح تیرے رب کے کلمات بدکاروں پر حق ثابت ہو چکے ہیں لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں۔

انسان دنیوی جھگڑوں میں کچھ ایسا پھنس گیا ہے کہ اسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس کے معبود نے اس پر کیا کیا احسانات کیے ہیں۔ غور کرو اگر آسمان سے پانی نہ برسے اور زمین غلہ نہ اگائے تو وہ کیا کھا کر زندہ رہ سکتا ہے۔ ناشکرا بندہ اس کا دیا ہوا رزق کھائے چلا جاتا ہے مگر کبھی شکریہ کی دو رکعت نماز تک نہیں پڑھتا۔ غور کرو اگر وہ کسی کو بہرا اور اندھا بنا دے تو اس کی زندگی کا لطف خاک میں مل جائے گا یا نہیں۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو ان نعمتوں پر اس کے شکر گزار ہیں؟ لوگ اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ اس نے نطفہ کے ایک بے جان قطرہ سے شکم مادر میں ایک جان دار بچہ بنا کر بطنِ مادر سے نکالا اور پھر کچھ دنوں میں اس زندہ کو پھر مار دیا۔ کیا اللہ کے سوا یہ سب کام کوئی اور کر رہا ہے۔ اگر خدا ہی کر رہا ہے تو لوگ اس سے ڈرتے کیوں نہیں اس کی نافرمانی کیوں کرتے ہیں۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

اے رسول تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ جن کو تم خدا کا شریک بنا رہے ہو کیا ان میں کوئی ایسا ہے جس نے مخلوق کو سب سے پہلے پیدا کیا ہو یا مرنے کے بعد انہیں زندہ کیا ہو۔ کہہ دو کہ اللہ ہی نے سب سے پہلے خلق کو پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد پھر ان کو زندہ کرے گا پس تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو۔ تم ان سے یہ بھی کہو کہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہے کوئی ان میں ایسا ہے کہ حق کی طرف ہدایت کرے۔ کہہ دو اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے پس جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو دوسروں کو ہدایت کرنا تو درکنار خود ہی اس کا محتاج ہے کہ دوسرا کوئی اس کو ہدایت کرے تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔ ان میں اکثر تو اپنے گمان پر چلتے ہیں۔ حالانکہ گمان حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آتا۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کا سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

اللہ کے سوا کوئی معبود کہلانے کے قابل نہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ اس کارخانۂ عالم کا سب سے پہلے پیدا کرنے والا وہی ہے اور وہی مار کر پھر زندہ کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ جن بتوں کی پوجا کی جاتی ہے ان میں نہ تو کسی کے پیدا کرنے کی قوت ہے اور نہ مار کر دوبارہ زندہ کرنے کی، پھر وہ لائق پرستش کیسے ہو سکتے ہیں مگر بت پرستوں کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی اور وہ مختلف راستوں میں بھولے بھٹکے پھر رہے ہیں۔

جو شخص خدا کے بندوں میں حق کی طرف ہدایت کرنے والا ہے وہی امام بننے کا زیادہ مستحق ہے نہ کہ وہ لوگ جو دوسروں کی ہدایت کے خود محتاج ہوں۔ عقل اس کے سوا کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ راہِ حق کی ہدایت کرنے والے محمد و آلِ محمد ہیں، دوسرے لوگ ہدایت میں ان کے محتاج ہیں۔ جو لوگ ان کے مخالف تھے وہ صحیح راستہ سے ہٹے ہوئے تھے۔ اور اپنے مذہب کی بنیاد گمان و قیاس پر رکھے ہوئے تھے یقین پر نہیں یعنی ان کا مذہب تقلیدی تھا یعنی جس مذہب پر اپنے ماں باپ کو پایا اس پر چل پڑے اس سے بحث نہیں کہ وہ حق پر تھے یا ناحق پر۔ امتِ رسول میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک معصوم دوسرے غیر معصوم۔ معصوم جو ہدایت کرتے تھے اس میں

اصل کا شائبہ بھی نہ تھا غیر معصوم کی ہدایت قابلِ اعتبار نہیں ہوتی کیونکہ اس سے ہر حالت میں خطا کا امکان ہے۔ رسولؐ اللہ نے حضرتِ علی علیہ السّلام کے سوا کسی کے لیے نہیں فرمایا کہ حق اس کے ساتھ ہے۔ علی علیہ السّلام کے لیے فرمایا، اَلْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ حَيْثُ دَارَ (حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہیں یا اللہ جس طرف علی گھومیں حق کو اسی طرف گھمائے۔) اس سے معلوم ہوا کہ حق علیؑ کے پیچھے پیچھے ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

یہ قرآن ایسا کلام نہیں کہ خدا کے سوا کوئی دُوسرا بنا ڈالے بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور تفصیل ہے اُن کتابوں کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام عالموں کے پالنے والے کی طرف سے آیا ہُوا ہے۔ اگر مشرکین یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو تم ان سے کہو کہ ایک سُورہ ہی اس کی مثل بنالاؤ۔ اور اگر تم سچے ہو تو خدا کے سوا جس کو تم چاہو اپنی مدد کے لیے بُلالو (یہ کیا بناکر لاتے) بلکہ جس کے جاننے پر ان کا دسترس نہیں اُسے جُھٹلاتے ہیں حالانکہ اس کے معانی کو ابھی تک سمجھے بھی نہیں۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی (پہلی کتابوں کو) جُھٹلایا تھا پس دیکھو ان ظالموں کا کیا بُرا انجام ہُوا۔

جتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ دعوٰی نہیں ہے کہ اس جیسا کلام بناکر تو لاؤ کیونکہ اُن کی عبارتیں معمُولی قسم کی ہیں۔ البتہ قرآن ایک ایسا عجیب و غریب کلام ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی کسی عبارت سے میل نہیں کھاتا چاہے بنانے والا کیسا ہی فصیح و بلیغ اور قادر الکلام کیوں نہ ہو۔ حتّٰی کہ حضرت رسولِؐ خدا اور امیر المؤمنینؑ کے کلام میں جہاں کوئی آیت آگئی ہے صاف الگ معلوم ہوتی ہے اور وہی فرق نظر آتا ہے جو خدا اور بندہ میں ہے۔ مشرکین یہود

یا یہود و نصارٰی سب یہی کہتے تھے کہ یہ کلام محمدؐ نے خود اپنی طرف سے بناکر پیش کیا ہے لیکن جب قرآن نے یہ دعوٰی کیا اور وہ سب اس کی تردید پر قادر نہ ہوئے تو اپنے اس الزام پر شرمائے۔ بات یہ تھی کہ انہوں نے آیات کے رموز و غوامض اور کلام کے اسلوبِ بیان کو سمجھا ہی نہ تھا بلکہ عام فصحائے عرب کا سا کلام سمجھ کر جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اور جنہوں نے اس کی حقیقت کو سمجھ لیا تھا وہ اس کے کلامِ خدا ہونے پر ایمان لے آئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس قرآن پر ایمان لے آئے اور کچھ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لائے اور مفسدوں کو تیرا رب خوب جانتا ہے۔ اگر اے رسول یہ تم کو جُھٹلائیں تو کہدو کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے جو میں کرتا ہوں تم اس سے بری ہو اور جو تم کرتے ہو میں اس سے بری ہوں۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو تمہاری باتوں کی طرف کان لگائے رہتے ہیں (لیکن کیا یہ تمہاری باتوں کو سُن لیتے ہیں، ہرگز نہیں) بھلا تم بہروں کو کچھ سُنا سکتے ہو اگر وُہ کچھ سمجھ ہی نہ سکتے ہوں۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے رہتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو جنہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں راستہ دکھا دوگے؟ ہرگز نہیں

یہودی آنحضرتؐ کی مجلس میں اکثر آیا کرتے تھے تاکہ آیات کو سُنیں اور ان پر اعتراض کریں۔ بعض تو ایسے ہوتے تھے، کہ کان لگا کر حضرتؐ کی باتیں سنتے تھے مگر اس لیے نہیں کہ ایمان لائیں بلکہ اس لیے کہ کوئی قابلِ اعتراض بات مل جائے تو حضرتؐ سے بحث کرنے لگیں اور بعض حضرتؐ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے تھے لیکن سمجھتے بُوجھتے کچھ نہ تھے یہ بڑے خطرناک لوگ تھے۔ تو مسلمانوں کو بہکانا ان کا کام تھا۔ بعض اوقات جب زیادہ کج بحثی کرتے اور حضرتؐ کے عزیز وقت کو بیکار باتوں میں ضائع کرتے تو خدا کا حکم ہُوا کہ تم ان سے کہدو کہ تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو میں اپنے عمل کا، بے کار باتوں سے کیا فائدہ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا کَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

اللہ تو کسی شخص پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود (اپنی غلط روی سے) اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں جس دن (قیامت میں) خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا (تو وہ سمجھیں گے کہ دُنیا میں) بس دن کی ایک گھڑی بھر ٹھہرے تھے وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ گھاٹے میں رہیں گے اُس دن وہ لوگ جو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو جھٹلاتے تھے اور ہدایت یافتہ نہ تھے۔ اے رسول جس عذاب کا ہم وعدہ کر چکے ہیں، ان میں سے بعض تمہیں دکھا دیں گے یا تم کو دُنیا سے پہلے ہی اُٹھا لیں گے آخر ان سب کو ایک دن ہماری طرف لوٹنا ہی ہے پس جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے۔

جب لوگ آخرت کی بے پایاں زندگی پر نظر ڈالیں گے اور اپنی ماضی کی زندگی کو جو دُنیا میں بسر کی تھی دیکھیں گے تب پتہ چلے گا کہ وہ ماضی کی زندگی اس مستقبل کی زندگی کے مقابل ایسی معلوم ہوگی جیسے دُنیا میں ایک گھڑی۔ جو لوگ اولیائے خدا ہیں وہ اسی لیے تمنائے موت کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں وہ بے پناہ طولانی زندگی ہوتی ہے جس میں طرح طرح کی راحتیں نصیب ہوتی ہیں ان پر نظر رکھ کر وہ اس دُنیا کی نعمات کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان کے حصول کے لیے ایسے طریقے اختیار نہیں کرتے جن سے آنے والی زندگی میں خلل پڑ جائے۔

وَلِکُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

ہر اُمت کا ایک خاص رسول ہوا ہے جب ان کا رسول (مع اپنی اُمت کے) ہماری بارگاہ میں آئے گا تو انصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ یہ لوگ تم سے پُوچھا کرتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ یہ وعدۂ عذاب کب پُورا ہوگا۔ تم ان سے کہہ دو کہ میں اپنے نفس کے لیے نہ نفع پر قادر ہوں نہ نقصان پر، اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہر گروہ کے لیے موت کا وقت مقرر ہے جب ان کی موت کا وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

اُمت سے مراد صرف وہی لوگ مراد نہیں جو کسی رسُول کے زمانے میں اس کی زندگی میں موجود ہوں بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی جہاں تک اس کی تعلیم کا اثر پہنچے گا وہ سب اس کی اُمت میں داخل ہوں گے، جب تک اس رسول کی شریعت نہیں بدلتی۔ پس ہمارے رسولؐ چونکہ آخری رسولؐ ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں لہٰذا آپؐ کی شریعت قیامت تک چلے گی۔

لوگ آپؐ سے آکر کہا کرتے تھے کہ جس عذاب سے آپؐ ہم کو ڈراتے دھمکاتے ہیں بتائیے وہ کب آئے گا۔ ان کے جواب میں خدا نے بتایا کہ کہو عذاب کا وعدہ کرنے والا خدا ہے میں نہیں پس عذاب کا لانا اس کے اختیار میں ہے جب چاہے گا لے آئے گا میں نے کب کہا تھا کہ تمہارے معاملات کو میں چکاؤں گا اور نہ ماننے والوں کو عذاب دوں گا۔ یہ وعدہ تو اللہ کا ہے وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اللہ جلد باز نہیں کہ جو اس کے حکم کو نہ مانے اُسے فوراً سزا دے دے اور جو مانے اُسے انعام عطا کر دے۔ وہ بار بار لوگوں کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیتا ہے۔ پہلے ڈراتا دھمکاتا ہے پھر سوچنے کا موقع دیتا ہے۔ جب اس پر بھی لوگ باز نہیں آتے تو آخری فیصلہ ان کے لیے عذاب کا لانا ہوتا ہے۔

موت کا وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جس میں مصلحت یہ ہے کہ لوگ ہر وقت مرنے کے لیے تیار رہیں اور نیکی کے حصول میں جلدی کریں اور کسی وقت خوفِ خدا کو دل سے نہ نکالیں۔ اگر موت کے وقت میں تقدیم و تاخیر ہو سکتی تو لوگ ایسے ذرائع تلاش کرتے جن سے ان کی موت کا وقت ٹل سکتا۔ جن لوگوں کو وہ ذرائع میسّر نہ آتے وہ اس حسرت میں مرتے کہ کاش وہ ذرائع حاصل ہو جاتے۔ امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا وزیر سب کے لیے ایک ہی قانون ہے۔ جب وقت آجاتا ہے تو کسی کے ہٹائے نہیں ہٹتا۔ پھر نہ دوائیں کام دیتی ہیں نہ دُعائیں۔ انسان اپنی خوشی سے کبھی مرنا نہیں چاہتا چاہے موت عمر کے کسی حصّہ میں بھی آئے۔ لہٰذا یہ کام اس کی مرضی پر نہیں رکھا گیا۔ سب کو اُسی وقت مرنا ہے جو مرنے کا وقت معیّن ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰىکُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ کُنْتُمْ بِهٖ

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾

اے رسول کہہ دو کہ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر خدا کا عذاب رات میں یا دن میں آجائے (تو تم کیا کر سکتے ہو) آخر یہ گنہگار لوگ کاہے کی جلدی مچا رہے ہیں۔ کیا جب وہ تم پر آپڑے گا اس وقت مانو گے اب (بچنا چاہتے ہو) حالانکہ تم جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے۔ پھر ظالموں سے کہا جائے گا اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ دُنیا میں جیسے تمہارے کرتُوت تھے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ لوگ تم سے پُوچھتے ہیں کیا جو تم کہہ رہے ہو وُہ ٹھیک ہے تم کہدو خدا کی قسم وہ بالکل ٹھیک ہے اور تم خدا کو عاجز نہیں بنا سکتے۔ اور جس جس نے ہماری نافرمانی کر کے ظلم کیا ہے تو اگر رُوئے زمین کی دولت بھی عذاب سے بچنے کے لیے بدلہ میں دینے پر آمادہ ہو جائے تب بھی نہ بچ سکے گا۔ جب وہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اظہارِ ندامت کریں گے اور ان کے درمیان انصاف سے حکم کیا جائے گا ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا۔

انبیاء علیہم السّلام جب اپنی اُمت کو عذابِ آخرت سے خبردار کرتے تھے تو وُہ ان کو جھٹلاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اور اُسے جھوٹ سمجھ کر اپنی غلط کاریوں سے باز نہ آتے تھے لیکن جب وُہ قیامت میں ان مجرموں پر آکھڑا ہوگا تب گھبرائیں گے اور ندامت کا پسینہ چوٹی سے ایڑی تک بہہ رہا ہوگا۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ پچھتانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اب تو بداعمالی کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ انبیاء علیہم السّلام کی اُمتوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ جب عذاب آئے گا تو ہم اپنی دولت کا بڑا حصہ دے کر اس سے اپنے کو بچا لیں گے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمام رُوئے زمین کی دولت دو گے تب بھی نہ بچو گے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

آگاہ ہو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ آگاہ ہو اللہ کا وعدہ سچّا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف لَوٹ کر جانا ہے۔ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آچکی جو دل کی بیماری کے لیے شفا اور مومنین کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ یہ قرآن اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے تم کو ملا ہے پس اس پر تم کو خوش ہونا چاہیئے اور جو کچھ تم جمع کر رہے ہو اس سے یہ کہیں بہتر ہے۔

قرآن گمراہوں کے لیے باعثِ ہدایت ہے اور دل کی بیماریوں کے لیے شفا بخشنے والا ہے جیسے حسد، بغض کینہ وغیرہ۔ قرآن پڑھنے سے پریشان دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور مومنین پر رحمتِ خدا نازل ہوتی ہے۔ خدا کے اس فضل و کرم پر لوگوں کو خوش ہونا چاہیئے۔ لیکن عمُوماً لوگ دولت جمع کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کاش یہ سمجھتے کہ اس کی تلاوت سے کتنی بلائیں ان سے دُور رہتی ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ

قُرۡاٰنٍ وَّلَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا اِذۡ تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ ؕ وَمَا يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرَ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۶۱﴾

اے رسول تم (یہودیوں سے) کہو کہ کیا تم نے اس پر غور کیا کہ جو رزق اللہ نے تم کو دیا ہے تم نے اس میں سے کسی کو حلال بنا دیا کسی کو حرام۔ تم ان سے کہو کیا اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ جو لوگ اللہ پر بہتان باندھا کرتے ہیں انہوں نے روز قیامت کو کیا خیال کیا ہے۔ اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے رسول چاہے تم کسی حالت میں ہو اور چاہے کوئی سی آیت ان پر تلاوت کرو اور تم کوئی عمل کرو ہم ہر عمل دیکھ رہے ہیں جب بھی تم کسی کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اے رسول تیرے رب سے کوئی ذرہ برابر چیز بھی جو زمین میں ہو یا آسمان میں ہو چھوٹی ہو یا بڑی ہو غائب نہیں رہ سکتی۔ وہ لوحِ محفوظ میں ضرور موجود ہے۔

مشرکوں اور یہودیوں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہاری شرارتوں کی انتہا نہیں جو رزق ہم نے تم کو دیا ہے تم نے باختیارِ خود جسے چاہا حلال قرار دے لیا جسے چاہا حرام بنا دیا گویا تم قوانینِ الٰہیہ اور شریعتِ نبویہ کے مالک ہو۔ یہودیوں نے بغیر حکمِ خدا اونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ بعض گوشت ان کے مردوں پر حلال تھے اور عورتوں پر حرام۔ جانوروں کے بعض اعضاء کی چربی حلال کر رکھی تھی اور بعض کی حرام۔ بعض زمینوں کی پیداوار حلال سمجھتے تھے بعض کی حرام۔ اسی طرح ایک دو نہیں بہت سی تبدیلیاں شریعتِ موسوی میں انہوں نے کر رکھی تھیں اور مزہ کی بات یہ ہے کہ ان سب کو خدا کی طرف سے بتاتے تھے اور توریت سے اس کو ثابت کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ ان کے دلوں سے خدا کے عذاب کا خوف نکل چکا تھا اور قیامت کا اقرار اگرچہ زبان سے کرتے تھے لیکن درحقیقت وہ قیامت کی گرفت اور بازپرس کو انبیاءؑ کا بیان کیا ہوا ایک ڈھکوسلا سمجھتے تھے۔ کس قدر دیدہ دلیر اور گستاخ تھے کہ اپنی لغو باتوں اور غلط کاریوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے۔ خدا کا فضل و کرم دیکھو کہ پھر بھی اپنی نعمتوں کو ان پر بند نہیں کرتا تھا اور ضروریاتِ زندگی کی ہر شے ان کے لیے موجود تھی مگر ان میں سے اکثر لوگ اس کا شکر بھی ادا نہ کرتے تھے۔ یہی حال مشرکینِ عرب کا تھا کہ وہ بھی اپنی طبیعت سے جسے چاہتے تھے حلال قرار دے لیتے تھے اور جسے چاہتے حرام بنا دیتے۔ اے رسولؐ تم جس حال میں بھی ہو اور قرآن میں سے جو کچھ سُناتے ہو اور تم جو کچھ کرتے ہو ہم ان سب حالتوں میں تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔ دُنیا کی کوئی چیز چاہے کتنی ہی چھوٹی یا بڑی ہو اس سے پوشیدہ نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں۔ پس جب پوشیدہ

مشرکوں اور یہودیوں کی شرارت

نہیں اور لوحِ محفوظ میں اس کا اندراج ہے تو لوگو تم اس کے مؤاخذہ سے کیسے بچ سکتے ہو۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ۚۖ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ؕ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۴﴾ؕ وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۵﴾

آگاہ ہو کہ اولیائے خدا کے لیے نہ مستقبل کا خوف ہے نہ ماضی کا غم یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے خوشخبری ہے زندگانیِ دنیا اور آخرت دونوں میں، اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے اے رسول کفّار کی باتوں کا رنج نہ کیا کرو۔ اس میں شک نہیں کہ ہر قسم کی عزّت تو خدا ہی کے لیے ہے وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو فرائضِ الٰہیہ کو ادا کریں سنّتِ رسولؐ پر عمل کریں خدا کی حرام کردہ اشیاء سے بچیں زُہد اختیار کریں آخرت کی طرف راغب ہوں۔ حلال رزق حاصل کریں۔ حقوقِ واجبہ کو ادا کریں۔ ایسے لوگوں کی کمائی میں خدا برکت عطا کرے گا اور آخرت میں ان کو اچھا بدلہ ملے گا۔ قرآن میں اولیاء خدا کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ وہ تمنّائے موت کرتے ہیں۔

کفار و مشرکین حضرت رسولِ خدا کو اپنے طعن و تشنیع سے سخت اذیت پہنچایا کرتے تھے کبھی کہتے تھے شاعر ہے کبھی کہتے تھے دیوانہ ہے کبھی کہتے جادوگر ہے۔ خدا رسولؐ کی تسکین کے لیے فرماتا ہے کہ اے رسولؐ تم ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہو۔ عزّت دینا تو خدا کے ہاتھ میں ہے ان ذلیل لوگوں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہو۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۶۶﴾

وقف لازم

حضرت رسول کو تسلی

اولیاء اللہ کی پہچان

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

آگاہ ہو آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وُہ سب خدا ہی کا ہے جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کو (خدا کا شریک سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ان کی راہ پر بھی نہیں چلتے وُہ اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور خیالی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ وُہ ہے جس نے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس کی روشنی میں کام کاج کرو۔ جو لوگ سُن لیتے ہیں ان کے لیے اس میں قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ (مشرکین نے) کہہ دیا کہ خدا نے بیٹا بنالیا ہے (یہ محض غلط ہے) وہ ان نقائص سے پاک ہے وہ ہر چیز سے بے پرواہ ہے۔ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ جو کچھ تم کہتے ہو اس کی کوئی دلیل بھی تمہارے پاس ہے یا تم خدا پر یوں ہی بے جانے بُوجھے جھوٹ بولا کرتے ہو۔

جب یہ ثابت ہے کہ آسمان و زمین میں بسنے والے سب خدا کی مخلوق ہیں تو پھر وُہ خدا کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں جن کو مشرک خدا کا شریک بیان کرتے ہیں ان کا وجود خود یہ بتاتا ہے کہ وُہ حادث ہیں کیونکہ کسی بنانے والے نے ان کو بنایا ہے وہ خود نہیں بنے۔ ان کو خدا ماننے والے حقیقت سے کوسوں دُور ہیں۔ ان کے اعتقاد کی ساری بنیاد گمان پر ہے یعنی فرض کر لیا ہے کہ یہ خدا کے شریک ہیں۔ دلیل ان کے پاس کوئی نہیں۔ ان سے زیادہ احمق وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ عُزیر ابن اللہ ہیں یا مسیح ابن اللہ ہیں۔ ان کی سمجھ میں اتنی موٹی بات بھی نہیں آتی کہ انسان اولاد اس لیے چاہتا ہے کہ وُہ ناتواں میں اس کی مددگار ہو۔ جب خدا کی ذات غنی ہے اُسے کسی سے مدد لینے کی ضرورت ہی نہیں وہ قادرِ مطلق ہے تو پھر اُسے کسی کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت۔ جو اس کا بیٹا ہوگا وہ حادث ہوگا۔ پس کیسے ممکن ہے کہ ایک حادث قدیم ذات کا شریک بن جائے۔ اگر خدا بیٹے کی مدد کا محتاج ہے تو پھر خدا بننے کے قابل ہی نہیں ہو سکتا اور اگر اس کا محتاج نہیں تو پھر اُسے بیٹا بنانے سے فائدہ کیا۔ جب آسمان و زمین میں بسنے والے سب اس کے پیدا کردہ ہیں تو عُزیر و مسیح اس سے کیونکر مستثنیٰ ہوں۔ ان کا عدم سے وجود میں آنا خود اس کی دلیل ہے کہ وہ حادث ہیں قدیم نہیں وہ اپنی ذات میں کسی پیدا کرنے والے کے محتاج تھے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ؕ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ع

اے رسول ان مشرکوں سے کہہ دو کہ جو خدا پر جھُوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاسکتے۔ یہ تو دُنیا کے چند رُوزہ فائدے ہیں (اُٹھالیں) پھر تو ہماری طرف ان کو آنا ہی ہے وہاں اپنے کفر کی بدولت سخت عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

دُنیا کے چند رُوزہ قیام اور آرام نے لوگوں کو ایسا مدہوش بنا دیا ہے کہ وہ آخرت کے عذاب سے بے خوف ہو کر طرح طرح کی غلط کاریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں اور خدا کی نافرمانی کا کوئی اثر دل پر نہیں لیتے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ باوجودیکہ آئے دن وُہ دیکھتے ہیں کہ مرنے والے مر رہے ہیں اور جو کچھ انہوں نے ناجائز طریقہ سے کمایا تھا چھوڑ کے چلے جاتے ہیں۔ ان کے ورثا ان کی دولت پر قابض ہو کر ان سے قطعًا بے خبر ہو گئے ہیں۔ کوئی ان کے نام پر ٹکا تک نہیں صَرف کرتا۔ یہاں کی چند رُوزہ زندگی میں بھی ہزاروں بلاؤں کا انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے پھر بھی وُہ اس زندگانیِ دنیا کا فریفتہ بنا رہتا ہے اور اپنے مرنے کے وقت کو یاد نہیں کرتا۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾

وقف لازم

اے رسول تم ان لوگوں سے نوح کا قصہ بیان کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم اگر میرا ٹھہرنا اور آیاتِ الٰہی کا بیان کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے۔ تم اور تمہارے شرکائے کار ایک متفقہ فیصلہ کر لو اور جو منصوبہ تمہارے پیشِ نظر ہے اُسے خوب سمجھ لو تاکہ اس کا کوئی پہلو تمہاری نظر سے پوشیدہ نہ رہے پھر تم اس کو میرے خلاف عمل میں لے آؤ اور مجھے ذرا مُہلت نہ دو۔ تم نے اگر میری نصیحت سے منہ موڑا تو (میرا کیا بگاڑو گے) میں تم سے (تبلیغ کی) کوئی اجرت تو مانگتا نہیں میرا اجر تو اللہ پر ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کے فرمانبردار بندوں میں سے ہو جاؤں۔ ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے نوح کو اور اُن لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ان کو پہلے لوگوں کا جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان سب کو ڈبو دیا پس دیکھو جو لوگ عذاب سے ڈرائے جا چکے تھے اُن کا کیسا بُرا انجام ہوا۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کو سالہا سال سمجھاتے رہے مگر ان کی بات ہی نہ سنتے تھے حالانکہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے انہی کی خیر خواہی میں کہہ رہے تھے اگر بھلے مانس ہوتے تو ان کی قدر کرتے مگر ان عاقبت برباد وں نے بجائے ان کی نصیحت ماننے کے ان پر پتھر برسائے اور ان کو دیوانہ کہا۔ مگر خدا والوں کی یہ جرأت دیکھنے کے قابل ہے کہ وہ ان کی سخت گیری اور تشدد پسندی سے ذرا نہیں گھبرائے بلکہ کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ تم میرے خلاف جو منصوبہ بنا رہے ہو، بناؤ میں ڈرتا نہیں تم ساری قوت جمع کر کے میرے مقابل آؤ تو بھی میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا۔ میرا بھروسہ خدا پر ہے۔ میں تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا ہوں جس سے تم گھبرا گئے ہو۔ ساری قوم کا ایک شخص کے خلاف ہو جانا اور طرح طرح کی اذیت اسے پہنچانا کوئی معمولی بات نہ تھی کوئی دوسرا ہوتا تو گھبرا جاتا۔ مگر انبیاء و مرسلین علیہم السّلام خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ وہ نیتوں کے بڑے قوی اور ارادوں کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔ جناب نوحؑ نے مستقبل سے قطعاً بے پروا ہو کر اپنے کام کو جاری رکھا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا

جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

پھر ہم نے نوح کے بعد اپنے کچھ رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا پس وُہ معجزات لے کر ان کے پاس آئے اس پر بھی جس چیز کو یہ لوگ پہلے جھٹلا چکے تھے (جھٹلا دیا) اور ایمان نہ لائے ہم یوں ہی حد سے گزرنے والوں کے دِلوں پر (گویا) خود مُہر لگا دیتے ہیں۔ ان کے بعد ہم نے موسٰی و ہارون کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات دے کر بھیجا۔ انہوں نے مکر سے کام لیا اور وہ تھے ہی مجرم لوگ جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق بات (معجزے) پہنچی تو کہنے لگے یہ تو کُھلا ہُوا جادو ہے۔

حد سے گزر جانے والے وُہ لوگ ہوتے ہیں جو غلطی کرنے کے بعد شرماتے نہیں بلکہ اس پر اَڑے رہتے ہیں اور بار بار اس کو کیے جاتے ہیں۔

فرعون اور اس کے ارکانِ سلطنت اپنی دولت اور قوت کے نشہ میں ایسے مست ہو رہے تھے کہ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ کے ساتھ بعزت پیش آنا بھی وہ اپنی توہین سمجھتے تھے۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ سے برابر یہی ہوتا چلا آ رہا تھا کہ قومیں انبیاءؑ کو جادوگر کہتی تھیں اور ان کی ہدایت کا یہ غلط مفہوم ان کے ذہن میں بسا ہُوا تھا کہ یہ جادو کے زور سے ہم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور ملک پر قبضہ کر کے ہم پر یہ دھونس بٹھائیں گے کہ یا تو ہماری بات مانو ورنہ ہم تم کو ملک بدر کر دیں گے۔ یہی خیال نسلاً بعد نسل دماغوں میں پرورش پاتا چلا آ رہا تھا۔ اور اس بدگمانی کے تحت وہ ان کی بات کان لگا کر نہ سنتے تھے۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾

موسٰی نے کہا جب حق تمہارے پاس آیا تو کیا تم یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کیا تم اسی لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس دین پر ہمارے باپ دادا تھے اس سے

ہمیں بہکا دو اور رُوئے زمین پر تم ہی دونو کو بڑائی حاصل ہو جائے۔ ہم تم دونوں پر ایمان نہیں لائیں گے۔
فرعون نے کہا میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لے کر آؤ۔

جادوگری اور معجزنمائی کا فرق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جادوگروں کو ہوسِ زر ہوتی ہے یا کسی ذاتی خواہش کی بنا پر جادو کرتے ہیں جیسا کہ فرعون سے کہا تھا کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو ہم کو کیا انعام ملے گا۔ معجزنما کی کوئی ذاتی غرض معجزنمائی سے نہیں ہوتی بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے لوگوں کی ہدایت اور خدا کی خوشنودی کے لیے کرتا ہے۔ اگر موسیٰؑ جادوگر ہوتے تو وہ اپنا کمال دکھلانے کے لیے فرعون کے دربار میں حاضر ہوتے اس سے خواہش کرتے کہ وہ ان کا کمال دیکھے۔ اس کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے کہ کسی طرح وہ ان کا کمال دیکھ کر انعام دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ذرا پرواہ نہیں کی کہ فرعون ایک سلطنت کا مالک ہے، جبر و تشدد کی پوری پوری قوت رکھتا ہے وہ ان کو ہر طرح کا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تمام ملکِ مصر اس کے تحتِ تصرف تھا۔ وہ قطعاً اس سے نہیں ڈرے۔ ایک طرف ہزارہا تماشائی تھے اور ایک طرف صرف موسیٰؑ و ہارونؑ کمبل کے کرتے پہنے ہوئے۔ نہ ان کے دلوں میں دھکڑ پکڑ تھی نہ اپنی شکست کا خوف۔ نہایت استقلال سے جادوگروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہ شان ایک معجزنما ہی کی ہو سکتی ہے۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر ہی تو جادوگر ایمان لائے تھے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ موسیٰؑ میں وہ قوت ہے جو ہم میں نہیں ہے۔ ضرور جادو سے بالا کوئی چیز ان کے پاس ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

جب جادوگر (میدان میں) آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے۔ جب انہوں نے (رسیوں کو سانپ بنا کر) پھینکا تو موسیٰ نے کہا جو کچھ تم بنا کر لائے ہو جادو ہے بے شک اللہ اسے ملیامیٹ کر دے گا خدا ہرگز مفسدوں کے کام کو درست نہیں ہونے دے گا اور خدا سچی بات کو اپنے کلام

کی برکت سے ثابت کر دکھاتا ہے چاہے مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کریں پس موسیٰ پر اُن کی قوم کی نسل سے چند آدمیوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا اس خوف سے مبادا فرعون اور اس کے ارکانِ سلطنت انہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ بے شک فرعون رُوئے زمین پر بڑے مرتبہ والوں میں سے تھا اور بے شک وہ (ظلم میں) حد سے گزر جانے والا تھا۔

جب جادوگروں نے اپنی رسیاں ہوا میں پھینکیں اور وہ سانپ بن کر لہرانے لگیں تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ جو لوگ ہم کو جادوگر کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں جو ہم دکھائیں گے وہ معجزہ ہے۔ جادو تو یہ ہے جو تم دکھا رہے ہو۔

حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ فرعون سے صرف اس غرض سے نہ تھا کہ وہ قوم بنی اسرائیل کو اس کے مظالم سے نجات دلانا چاہتے تھے یہ تو غرضِ ثانوی تھی اصل غرض تو یہ تھی کہ وہ فرعونی حکومت کو تباہ و برباد کر کے خدائی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور کفر و شرک کو ملیامیٹ کر کے خدا کی توحید کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے اٹھے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے اس مقابلہ نے ایک عجیب نوعیت اختیار کی تھی۔ ایک طرف تو فرعون اور اس کی قوم کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اگر موسیٰؑ غالب آ گئے تو ان کا وہ نظامِ سلطنت جو سالہاسال سے چلا آ رہا تھا برباد ہو جائے گا اور اس کی خدائی کی ساری پول کھل جائے گی دوسری طرف قومِ موسیٰؑ اس مقابلہ سے خوش نہ تھی۔ ان کو یہ خطرہ کا تھا کہ اگر فرعون موسیٰؑ پر غالب آ گیا تو فرعون ہم سب کو کچل کر رکھ دے گا۔ تیسرے جادوگر اس غم میں مبتلا تھے کہ اگر ہم موسیٰؑ کے مقابلہ میں شکست کھا گئے تو اول تو ہماری ساکھ ختم ہو جائے گی دوسرے نہ معلوم فرعون ہمیں کیا سزا دے۔ غرض سوائے موسیٰؑ و ہارونؑ کے سب کو کھٹکا لگا ہوا تھا۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تم خدا پر ایمان لا چکے ہو تو اس کے فرمانبردار بننے کے بعد

اسی کی ذات پر بھروسہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم نے خدا پر بھروسہ کر لیا ہے اور ہماری یہ دُعا ہے کہ اے ہمارے رب تُو ہم کو ان لوگوں کا ذریعۂ امتحان نہ بنا اور اپنی رحمت سے اس کافر قوم سے ہمیں نجات دے۔ اور ہم نے موسٰی اور ان کے بھائی کے پاس وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے رہنے کے لیے گھر بناؤ اور اپنے گھروں ہی کو مسجدیں قرار دے لو اور پابندی سے نماز پڑھو اور مومنوں کو نجات کی خوشخبری دے دو۔

اُمتِ محمدیؐ پر یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ تمام روئے زمین کو ان کے لیے مسجد بنا دیا ہے جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں ورنہ بنی اسرائیل کے لیے ایسا نہ تھا۔ ان کو صرف اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ ابنِ عساکر نے حضرت ابو رافع سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت رسولِ خدا نے خطبہ میں فرمایا تھا کہ خدا نے حضرت موسٰیؑ و ہارونؑ کو حکم دیا تھا کہ اپنے اور اپنی قوم کے لیے اپنے گھروں ہی کو مسجد بنا لو اور اے موسٰی تمہاری مسجد میں ہارون اور اُن کی اولاد کے سوا نہ کوئی جنب ہو کر شب باش ہو اور نہ عورتوں سے مقاربت کرے اسی طرح میری اس مسجد میں تمام امت میں سے علیؑ اور اس کی اولاد کے سوا کسی کو اس کی اجازت نہیں کہ اس میں جنب ہو کر شب باش ہو یا اس میں عورتوں کے پاس جائے۔

(تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۴۳ صفحہ ۳۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آیت تطہیر کے مصداق صرف یہی حضرات تھے ازواج سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

موسٰی نے عرض کی اے ہمارے پالنے والے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں بڑی آرائش اور دولت دے رکھی ہے (کیا یہ سب اس لیے دیا ہے کہ) یہ لوگ تیری راہ سے لوگوں کو بہکائیں پروردگار تو ان کے مال و دولت کو برباد کر دے اور ان کے دلوں پر سختی کر کیونکہ جب تک یہ لوگ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان لانے والے نہیں۔ خدا نے فرمایا، تم دونوں کی دُعا قبول کر لی گئی۔ تم دونوں ثابت قدم رہو اور نادانوں کی راہ پر نہ چلو۔

مصر سے حبش تک سونے چاندی اور زبرجد کے پہاڑوں کی کان تھی۔ یہ سب پہاڑ فرعون کے زیرِ حکومت تھے۔ اسی لیے قبطی لوگ بڑے مالدار ہو گئے تھے اور یہی دولت ان کی گمراہی کا باعث بن رہی تھی۔ حضرت موسٰیؑ کی یہ بددُعا از راہ حسد نہ تھی بلکہ جوشِ دینی میں تھی۔ چونکہ قبطیوں کی دولت کی فراوانی دیکھ کر لوگ ان کی طرف مائل ہو رہے تھے اس لیے اس بددُعا کی ضرورت پیش آئی۔ بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ اپنے ایمان میں کمزور ہوتے جا رہے تھے اور اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے کہ اگر خدا فرعون سے راضی نہ ہوتا تو اس کو اتنا دولت مند کیوں بناتا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے اس پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے بغاوت اور دشمنی سے ان کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وہی ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لاتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں (خدا نے فرمایا) اب (مرتے وقت ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو اس سے پہلے نافرمان تھا اور تو فسادیوں میں سے تھا۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

فرعون کا وہ لشکر جو حضرت موسٰیؑ اور ان کی قوم کا پیچھا کیے جا رہا تھا سوا لاکھ تھا اور سب کے سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ سر پر خود رکھے ہوئے تھے۔ حضرت موسٰیؑ اپنی مٹھی بھر فوج کے پیچھے پیچھے تھے اور حضرت ہارونؑ آگے آگے۔ جب بنی اسرائیل یہ عظیم الشان لشکر دیکھ کر گھبرائے تو خدا کے حکم سے حضرت موسٰیؑ نے دریا کے پانی پر چھڑی ماری اور دریا پھٹا چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اس لیے ہر ایک کے واسطے جداگانہ راہ بنائی گئی اور ہر ایک قبیلہ دوسرے سے الگ تھلگ جانے لگا۔ پھر کہنے لگے، اے موسٰیؑ ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے نہیں ایسا نہ ہو وہ لوگ ڈوب جائیں۔ تب خدا نے پانی کے درمیان دیواروں میں جالیاں بنا دیں کہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ فرعون دریا کے کنارے پہنچا تو دریا میں کھلا ہوا راستہ دیکھ کر جانا چاہا مگر اس کا گھوڑا ہچکا آخر جبرئیلؑ ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے پھر تو فرعون

اپنے گھوڑے کو ہزار روکتا رہا مگر وہ نہ رُکا۔ جب سالا لشکر دریا کے اندر آگیا تو پانی مِل کر ایک ہوگیا اور سب کے سب ڈوب گئے۔

سرسیّد احمد خاں صاحب آنجہانی نے اس واقعہ کو معجزانہ شان سے تسلیم نہیں کیا بلکہ اپنی تفسیر میں لکھا ہے جب موسیٰ داخل ہوئے تھے تو بھاٹا تھا جب فرعون داخل ہُوا تو جوار تھا۔ یعنی جیسے عام طور پر سمندروں میں جوار بھاٹا ہُوا کرتا ہے کبھی پانی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ، وُہی صورت اُس وقت دریائے نیل میں ہوئی۔ لیکن اگر سرسید کا کہنا صحیح مان لیا جائے تو پھر موسیٰؑ کا عصا مار کر پانی کے ٹکڑے کرنا ایک بے معنی بات ہو جائے گی اور قرآن میں تفصیل سے اس کا ذکر غیر ضروری ثابت ہوگا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾

ع ۹

آج ہم (اے فرعون) تیرے بدن کو ڈوبنے سے بچائیں گے کہ تُو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا باعث ہو۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔ ہم نے بنی اسرائیل کو (ملک شام میں) بہت اچھّی جگہ بسایا اور انہیں اچھّی اچھّی چیزیں کھانے کو دیں۔ ان لوگوں نے باہم اختلاف نہیں کیا جب تک علم ان کے پاس نہ آچکا۔ یقیناً تیرا رب قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ کرے گا جس میں وُہ اختلاف کرتے رہے تھے۔ اگر اس کے بارہ میں تم کو کچھ شک ہو تو جو لوگ تم سے پہلے پڑھا کرتے تھے اُن سے پُوچھ دیکھو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق کتاب آچکی تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

بنی اسرائیل نے اپنے دین میں جو تفرقے برپا کیے اور نئے نئے مذہب نکالے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کو حقیقت کا

علم نہیں دیا گیا تھا اور انہوں نے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کیا تھا بلکہ یہ ان کے نفسوں کی شرارت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ایک دین کو اکہتر فرقوں میں تقسیم کر لیا۔

شک کے متعلق جو مخاطبہ رسولؐ سے کیا گیا ہے اس سے مقصود دُوسرے لوگ ہیں جو ہر بات میں شک پیدا کیا کرتے تھے جو طنزاً کہا کرتے تھے یہ کیسا رسول ہے کہ ہماری طرح کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ کیا پہلے رسول ایسا نہ کرتے تھے، پھر اس رسولؐ کے متعلق شک میں کیوں پڑے ہو۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

اور اُن لوگوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے آیاتِ خدا کو جھُٹلایا ورنہ تم بھی گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (اے رسول) جن لوگوں کے متعلق تمہارے پروردگار کی باتیں (عذاب کے متعلق) آچکی ہیں وہ لوگ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان لانے والے نہیں چاہے ان کے سامنے ساری خدائی کے معجزے آموجود ہوں۔ کوئی بستی ایسی نہ ہوئی کہ ایمان لائی تو اس کا ایمان فائدہ دیتا سوائے قومِ یونس کے کہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دُنیا کی زندگی میں رُسوا کرنے والے عذاب کو اُن سے دفع کر دیا۔ اور ہم نے ایک خاص مدّت کے لیے انہیں چین سے رہنے دیا۔

ان آیات میں مخاطبہ اگرچہ آنحضرتؐ سے ہے مگر حقیقتاً وہ لوگ مراد ہیں جو حضرتؐ کی نبوّت میں شک کرتے تھے۔ ان کے لیے حضوؐر کا دعوت دینا ایک نئی بات تھی۔ البتہ علمائے اہلِ کتاب اس کی تصدیق کرتے تھے کہ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وُہ ان کی کتابوں میں موجود ہے لیکن جن لوگوں کی عقلوں پر تعصب اور عداوت کے پردے پڑے ہوئے تھے وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جمے رہے اور باوجود معجزات دیکھنے کے بھی ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حضرت یونسؑ کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے

آٹھ سو سال پہلے تھا۔ یہ شہر موصل کے قریب نینوا کے رہنے والوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ نینوا بہت بڑی بستی تھی۔ یہ شہر ساٹھ میل کے اندر آباد تھا اس کے باشندوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ ۴۷ سال آپؑ نے اس قوم کو ہدایت کی مگر کوئی ایمان نہ لایا صرف دو آدمی ایسے تھے جو آپؑ کی تبلیغ سے مسلمان بنے۔ ایک کا نام روبیل تھا جو مرد حکیم و عالم تھا اور آپؑ کی صحبت میں رہتا تھا۔ دوسرا تنوخا نامے تھا جو جنگل سے لکڑیاں توڑ کر بسر اوقات کرتا تھا۔ جب ان کی قوم پر آپؑ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا تو آپؑ نے بددعا کی، حکم ہوا ابھی صبر کرو۔ جب یونسؑ عذاب کے نزول پر زیادہ مصر ہوئے تو حکم ہوا شوال کی ۱۵ چہارشنبہ کے دن عذاب نازل ہوگا۔ روبیل نے ہر چند عرض کی کہ آپ طلبِ عذاب میں جلدی نہ کریں مگر آپؑ نے تنوخا کے کہنے سے شہر میں منادی کرادی کہ فلاں روز تم پر عذاب نازل ہوگا اور خود تنوخا کے ساتھ کسی پہاڑ کے گوشہ میں چھپ کر عذاب کے منتظر ہو بیٹھے۔ روبیل نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر قوم کو للکارا کہ کیا غافل بیٹھے ہو فلاں دن تم پر عذاب نازل ہوگا جلدی کرو اور یونسؑ پر ایمان لاؤ اور خدا سے گریہ زاری کر کے عذاب کے دفعیہ کی دعا کرو میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہاری بھلائی کے لیے کہتا ہوں ورنہ سب برباد ہو جاؤ گے روبیل کے سمجھانے سے وہ لوگ ایمان لے آئے اور شہر سے باہر نکل کر بچوں کو ماؤں سے اور بوڑھوں کو جوانوں سے جدا کر کے گریہ زاری میں مشغول ہوئے آخر وقتِ معیّن پر عذاب آیا اور ان لوگوں نے دیکھا مگر ان لوگوں کے ایمان لانے اور توبہ کرنے سے ٹل گیا۔ دوسرے دن یونسؑ یہ خیال کر کے کہ وہ لوگ تباہ ہو گئے ہوں گے شہر کی طرف چلے جب لوگوں کو آمد و رفت کرتے دیکھا تو سمجھے عذاب نہیں آیا۔ پس اس خیال سے کہ قوم مجھے جھوٹا سمجھے گی شہر کا راستہ چھوڑ کر دریا کی طرف چلے گئے۔ تنوخا شہر میں آیا تو روبیل نے کہا کیوں میری رائے صحیح تھی یا تیری۔ وہ بولا تیری ہی صحیح تھی۔ یونسؑ وہاں سے دریا پر آئے کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی طوفان میں گھر گئی۔ لوگوں نے ان کو منحوس سمجھ کر کشتی سے باہر پھینک دیا۔ ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ بروایتے چالیس دن اور بروایتے تیس روز اس کے پیٹ میں رہے۔ پھر بحکم خدا مچھلی نے ان کو دریا کے کنارہ کے قریب اُگل دیا۔ خدا نے وہاں کدو کی بیل اُگادی۔ اس کے سایہ میں رہے۔ چالیس روز بعد قوم کے پاس آئے تو سب نے آپؑ کی تصدیق کی اور آپؑ خوش و خرّم اپنی قوم میں رہنے لگے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے یونسؑ سے جھوٹا وعدہ کیا تھا لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ خدا نے نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا قوم کو ہلاک کرنے کا وعدہ نہ تھا۔ یونسؑ نے سمجھا تھا یہ قوم کے ہلاک کرنے کا وعدہ ہے جب قوم ایمان لے آئی اور بارگاہِ خدا میں توبہ کرلی تو پھر ہلاک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مچھلی کے پیٹ میں رہنے سے چونکہ حضرت یونسؑ کے بدن کی کھال نہایت ملائم ہوگئی تھی نہ دھوپ کی برداشت کر سکتے تھے نہ کسی مکھی وغیرہ کے بدن پر آنے کو۔ لہٰذا خدا نے دریا کے کنارے کدو کی بیل اُگادی جس کے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں اور مکھی ان پر نہیں بیٹھتی۔ جناب یونسؑ اُس کے پتوں کے اندر کئی روز پڑے رہے جب بدن میں ذرا سکت آئی تو وہاں سے اُٹھ کر قوم کے پاس آئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یونسؑ سے ترکِ اولیٰ ہوا، ضرور جس کو خدا نے بخش دیا۔ انکو چاہیئے تھا کہ حکم خدا کا انتظار کرتے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

اے رسول اگر تیرا رب چاہتا تو جو لوگ زمین پر بستے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ سب کے سب ایمان لے آئیں۔ کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ بے اذنِ خدا ایمان لے آئے۔ جو لوگ (اصولِ دین میں) عقل سے کام نہیں لیتے خدا انہی پر (کفر کی) گندگی ڈال دیتا ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ آسمان و زمین میں خدا کی کیا کیا نشانیاں ہیں جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہماری نشانیاں اور ڈراوے کچھ بھی مفید نہیں ہوتے تو یہ بھی انہی سزاؤں کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکی ہیں۔ تم کہدو کہ تم بھی ان کا انتظار کرو۔ تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کرنے والا ہوں۔ ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لانے والے ہیں (عذاب سے) بچا لیتے ہیں اور یوں ہی ہم پر لازم ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچالیں۔

کسی کا ایمان لانا بدون اذنِ الٰہی نہیں ہوتا۔ جس طرح اور تمام نعمتیں اللہ کے اختیار میں ہیں کوئی کسی کو بے اس کی اجازت کے نہیں دے سکتا۔ اسی طرح دولتِ ایمان بھی ہے۔ کسی کا صاحبِ ایمان ہونا اللہ کے اذن پر منحصر ہے۔ نبی بھی اگر چاہے کہ کسی کو مومن بنادے تو بے اذنِ الٰہی نہیں بنا سکتا۔

مقصد یہ ہے کہ جو لوگ عقلِ سلیم سے کام لے کر اور سچے دل سے جستجوئے حق کرتے ہیں اللہ کی توفیق ان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے یہی اس کا اذن ہے اور جو لوگ وساوسِ شیطان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دنیا کے مزخرفات میں ایسے پھنسے رہتے ہیں کہ امرِ حق کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، اللہ کی توفیقات کا ان سے تعلق ہی نہیں رہتا۔ ایسے لوگوں کو نبی بھی چاہے

تومومن نہیں بناسکتا۔ خدا تو یہی چاہتا ہے کہ سب لوگ اُس پر ایمان لائیں مگر جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ ہی نہیں کرتے اس کی باتوں کو سنتے ہی نہیں وہ ان سے بیزار ہوجاتا ہے اوران کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے کہ مرتے ہیں تو مزید مدد تو اُسی کی کی جاتی ہے جو مدد کرنے کے قابل ہو۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اے رسول تم کہہ دو کہ لوگو اگر تم میرے دین کے متعلق شک میں ہو تو تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو میں تو اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جس کے قبضہ میں تمہاری موت ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں اور مجھے یہ بھی حکم ہے کہ تُو باطل سے کترا کر اپنا رُخ دین کی طرف رکھ اور مشرکین سے ہرگز نہ ہونا اور خدا کو چھوڑ کر ایسوں کو نہ پکارنا جو نہ تو تجھے نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اگر تُو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

آنحضرتؐ کی نبوت پر شک کرنے والوں سے کہا جارہا ہے کہ جس خدا کی طرف تمہیں بُلایا جارہا ہے اُس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہر وقت موجود رہتی ہیں اگر تم عقل سے کام لو تو ضرور اس پر ایمان لے آؤگے مگر تم تو اندھے بنے ہوئے ہو، باوجود سب کچھ دیکھنے کے پھر بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں اور جس دین کی میں دعوت دیتا ہوں اسی میں شک ہی کیے چلے جارہے ہو تو اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، مجھ سے یہ اُمید رکھتے ہو کہ میں تمہارے بُتوں کی عبادت کروں تو کان کھول کر سُن لو میں ان کی عبادت ہرگز نہیں کرسکتا۔ تمہارے بُتوں میں دھرا ہی کیا ہے کہ ان کی عبادت کروں میں تو اُس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس کے قبضہ میں تمہاری جان ہے جب چاہے تمہیں مار ڈالے کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم کو روک سکے ایسی قادر و قیوم ذات کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کروں جو کسی کرتب کے نہیں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اگر خدا کی طرف سے تمہیں کوئی بُرائی چھُو بھی گئی ہو تو اس کے سوا اس کا کوئی کھولنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل وکرم کو رَد کرنے والا نہیں وُہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے فائدہ پہنچائے وہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اے رسول کہدو، اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق (قرآن) آچکا پس جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے نفس کے لیے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہی اختیار کرے گا وہ اپنا ہی بُرا چاہے گا۔ میں کچھ تمہارا ذمّہ دار تو ہوں نہیں۔ اے رسول جو تم پر وحی کی گئی ہے تم تو بس اسی کا اتباع کرو اور صبر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ (تمہارے اور کافروں کے درمیان) حکم کرے اور وُہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔

---

(۱۱) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا

تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

الٓرٰ ۔ یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس کی آیتیں ایک واقف کار حکیم کی طرف سے مستحکم کردی گئیں ۔ پھر تفصیل وار بیان کردی گئی ہیں یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو میں تو اُسی کی طرف سے تمہیں عذاب سے ڈرانے والا اور بہشت کی خوشخبری دینے والا ہوں اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت کی دُعا مانگو اور اُس کی بارگاہ میں گناہوں سے توبہ کرو وُہ تمہیں ایک وقتِ خاص تک اچھے لُطف کے فائدے اُٹھانے دے گا اور ہر صاحبِ فضل کو اس کی بزرگی عطا فرمائے گا اور اگر تم اس سے منہ موڑلو گے تو مجھے تمہارے بارہ میں خوفناک دن کے عذاب کا ڈر ہے ۔ تمہاری بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے اور وُہ ہر شے پر قادر ہے ۔ (اے رسول) دیکھو یہ کفّار (تمہاری عداوت میں) اپنے سینوں کو گویا دُہرا کیے ڈالتے ہیں تاکہ خدا سے (اپنی باتوں کو) چھپائے رہیں مگر دیکھو جب یہ لوگ اپنے کپڑے خوب لپیٹتے ہیں تب بھی تو خدا ان کی باتوں کو جانتا ہے اور جو چھپ چھپا کر کرتے ہیں اس کو بھی بے شک وہ سینوں کے بھید تک جانتا ہے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸

زمین پر چلنے والا کوئی جانور ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمّہ نہیں اور جس کے متعلق وُہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے سب کچھ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے ۔ وُہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے ۔ اے رسول اگر تم ان سے کہو گے کہ مرنے کے بعد سب کے سب قبروں سے اُٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ تو کھُلا ہُوا جادُو ہے اور اگر ہم گنتی کے چند روز ان پر عذاب کرنے میں دیر بھی کریں تو یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ عذاب سے کون سی چیز روک رہی ہے، (سُن لو) جس دن ان پر عذاب آپڑے گا تو پھر اُن کے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس عذاب کی یہ لوگ ہنسی اُڑایا کرتے تھے وہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گا ۔

ان آیات میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں :

۱ ۔ جب خدا نے یہ وعدہ کرلیا ہے کہ زمین پر چلنے والے کا رزق میرے ذمّہ ہے تو پھر انسان کمی غذا کا شکوہ کیوں کرتا رہتا ہے ۔ یا تو اس کو خدا کے اس وعدہ پر اعتماد نہیں یا پھر کچھ لوگ خود غرضی سے ذخیرہ اندوزی کرکے دوسروں کو اُن کی روزی سے محروم کردیتے ہیں ۔ یا یہ کہ غلّہ کے عوض دیگر سامانِ آسائش یا صنعت منگا کر غلّہ کی کمی پیدا کرتے ہیں ۔ یا دیہاتی لوگ کاشتکاری کا کام چھوڑ کر دوسرے کاموں میں لگ جاتے ہیں ۔ اگر کسی ملک میں قرینہ سے کاشتکاری ہوتی رہے تو قدرت وہاں کے باشندوں کے خرچ کے لیے حسبِ وعدہ روزی ضرور مہیّا کرے گی ۔ منصوبہ بندی یعنی اولاد کم پیدا کرنے

کی سکیم بھی اسی بنا پر عمل میں آرہی ہے کہ لوگوں کو خدا کے وعدہ پر بھروسہ نہیں۔ حدیث میں ہے تناکحوا وتناسلوا تکثروا الخ یعنی نکاح کرو نسل بڑھا کر اکثریت میں ہو جاؤ۔ کیونکہ اس زمانہ میں جو قوم اقلیت میں ہے وہ زندہ قوم نہیں سمجھی جاتی۔ پس نسل میں کمی ہونا اس حدیث کی منشاء کے سراسر خلاف ہے۔

۲۔ اللہ اپنی ہر مخلوق کے رہنے اور مرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ وہ وہیں اس کو رزق پہنچاتا ہے۔ چرندے درندے پرندے کیڑے مکوڑے سب اس کے خوانِ یغما پر اپنی اپنی روزی کھا رہے ہیں۔ بھوکے اٹھتے ہیں بھوکے سوتے نہیں۔ خدا کی بے شمار مخلوق جو روئے زمین پر بستی ہے خدا کے سوا اسے کون روزی دیتا ہے۔ جب کسی چھوٹے سے چھوٹے کیڑے کو بھوکا نہیں رہنے دیتا تو بھلا اپنی اس مخلوق کو جو اشرف المخلوقات کہلاتی ہے کیسے بھوکا رکھ سکتا ہے۔ غرضکہ 'از ماست کہ بر ماست' اس قسم کی جو مصیبتیں ہمارے اوپر آتی ہیں وہ خود ہمارے کیے کام ہیں۔

۳۔ اس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا فرمایا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کی حقیقت کو یا تو نبیؐ ہی جانتا ہے یا ائمہ طاہرینؑ۔ ہمیں ان باتوں کے سمجھنے کی تکلیف نہیں دی گئی۔ صرف اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ سب سے قوی چیز پانی ہے جس پر اس کا قبضہ ہے اس سے اس نے دیگر اشیاء کو پیدا کیا ہے۔ مثلاً اس کے جھاگوں سے زمین بنائی۔ اس کے ابخرات سے بادل بنائے۔ اس کے تموج نے بجلی پیدا کی۔ اسی کے ریلے نے پہاڑوں کی چٹانوں کو بہا کر آپس میں ٹکرایا پھر ان کو ریت کی شکل میں لا کر سمندر میں پہنچایا۔ وہاں اس ریت سے چٹانیں بنا کر ان کو ابھارا اور ابھارتے ابھارتے پھر پہاڑ بنا دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ جو کافر ہیں وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے اور جب قرآن میں اس کا ذکر سنتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن بہت جلد ان کو پتہ چل جائے گا کہ یہ جادو تھا یا ایک 'ناقابلِ انکار حقیقت'۔ خدا نے اپنی مصلحت سے کافروں پر سے اگر اپنے عذاب کو ٹال دیا ہے تو انہیں مطمئن ہو کر نہ بیٹھنا چاہیے۔ وہ عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکتے اور جب وہ عذاب آ کر ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا تو پھر بچ کر جا نہیں سکتے۔

۵۔ چونکہ انسان کو پیدا کرنا مقصود تھا لہٰذا اس نے آسمان و زمین کو پہلے پیدا کیا تاکہ اس کی ضروریاتِ زندگی فراہم ہو سکیں۔ یہ سب اس لیے کیا گیا کہ انسان کی آزمائش کی جائے کہ ان میں از روئے اعمال کون کون اچھے ہیں۔ کس نے اپنے معبود کی معرفت حاصل کر کے اس کے احکام پر عمل کیا اور اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھ کر دنیوی و دینی زندگی کی فلاح کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے اور حیات بعد الموت کے لیے اپنی زندگی کو کس طرح کارآمد بنایا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ

لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٢﴾ؕ

اگر ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے اور اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی ہم اسے نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہتا ہے میرے تو سارے دلدر دور ہو گئے اس میں شک نہیں وہ بڑا جلدی خوش ہونے والا شیخی باز ہے۔ جن لوگوں نے صبر کیا اور نیک کام کیے تو ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔ اے رسول جو تم پر وحی کی جاتی ہے اس میں سے بعض کو سناتے وقت شاید تم اس خیال سے چھوڑ دینے والے اور دل تنگ ہوتے ہو کہ مبادا یہ لوگ کہنے لگیں کہ ان پر خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا، تم تو صرف عذاب سے ڈرانے والے ہو (تمہیں ان کا خیال نہ کرنا چاہیے) ہر شے کا ذمہ دار تو اللہ ہے۔

حضرتؐ کی دل تنگی کے متعلق تفسیر قمیؒ میں زید بن ارقم سے مروی ہے کہ عرفہ کی شام کو جبرئیل حضرت علیؑ کی خلافت کا حکم لے کر آئے۔ حضرت رسولِ خداؐ مخالفین کی تکذیب کی وجہ سے دل تنگ ہوئے۔ باوجود اس کے حضورؐ نے کچھ لوگوں کو مشورہ کے لیے بلایا منجملہ ان کے میں بھی تھا مگر کچھ باتیں ایسی ہوئیں کہ آپؐ رونے لگے۔ جبرئیل نے کہا کیا آپؐ خدا کے حکم سے روتے ہیں۔ فرمایا، نہیں بلکہ میرا خدا جانتا ہے کہ جب تک اس نے جہاد کا حکم نہ دیا، فرشتوں کو مدد کے واسطے نازل نہ کیا اس وقت تک یہ لوگ مجھ پر ایمان نہ لائے۔ پھر یہ لوگ علیؑ کی خلافت کو کیونکر مانیں گے۔ جبرئیلؑ واپس گئے اور یہ آیت لے کر نازل ہوئے، فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ الخ اس سے واضح ہوتا ہے کہ علیؑ کی خلافت کا حکم کئی بار نازل ہو چکا تھا لیکن چونکہ اس کا وقت خدا نے معین نہیں کیا تھا اس لیے حضرت رسولِ خداؐ موقع کے منتظر تھے آخر جب آیہ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ الخ کا حکم عتاب کے ساتھ نازل ہوا تو آپؐ نے غدیرِ خم میں اس فرض کو ادا کیا۔

کفار و مشرکین کہا کرتے تھے بجائے قرآن کے ان کو کسی خزانہ کا پتہ کیوں نہ بتایا گیا کہ اسے پا کر ساری قوم نہال ہو جاتی یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو اس کی تصدیق کرتا کہ یہ رسول ہیں۔ لیکن یہ دونوں خواہشیں احمقانہ تھیں۔ خزانہ مل جانے سے لوگ عیاشی سرکشی اور فتنہ فساد کی طرف مائل ہوتے نہ کہ اپنے نفسانی اور روحانی امراض کا علاج کرنے

کی طرف۔ اور اگر فرشتہ ساتھ ہوتا تو اس کی تصدیق کون کرتا کہ یہ فرشتہ خدا کا بھیجا ہُوا ہے۔ جیسے رسول کی تکذیب کر رہے تھے اس کی بھی تکذیب کر دیتے۔ خدا نے ان دونوں باتوں کا جواب دو لفظوں میں دے دیا کہ اے رسول کہہ دو میں تو عذاب خُدا سے ڈرانے کے لیے آیا ہوں تاکہ تم اپنے اطوار و اعمال کو درست کرو نہ کہ تمہیں مالدار بنانے کے لیے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم نے اس قرآن کو اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے تم ان سے کہو کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو (زیادہ نہیں) دس سورے ہی ایسے اپنی طرف سے گڑھ کر لے آؤ اور خدا کے سوا جس جس کو تم مدد کے لیے بُلا سکتے ہو بُلا لو۔ اس پر بھی اگر یہ تمہاری بات نہ سُنیں تو سمجھ لو کہ یہ خدا کے علم سے نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ خدا کے سوا کوئی معبُود نہیں تو تم اب بھی اسلام لاؤ گے (یا نہیں) جو شخص زندگانیِ دُنیا اور اس کی زینت کا طالب ہو تو ہم ان کے اعمال کا بدلہ دُنیا ہی میں پُورا پُورا دے دیتے ہیں اور وُہ دُنیا میں گھاٹے میں نہ رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں جہنّم کی آگ کے سوا کچھ نہیں اور اُنہوں نے جو کچھ کیا تھا وُہ سب اکارت گیا اور جو کچھ کرتے تھے سب ملیا میٹ ہو گیا۔

جو لوگ قرآن سُن کر کہتے تھے کہ یہ رسولؐ اللہ نے خود بنا لیا ہے ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر ایسی کتاب بنانا انسان کی طاقت کے اندر ہے تو پھر تم باوجود اپنی انتہائی فصاحت و بلاغت کے مدّعی ہونے کے کوئی ایسی کتاب کیوں نہیں بنا لاتے اگر تم خود نہیں بنا سکتے تو اپنے معبُودوں سے کہو کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ اگر وہ صاحبِ قدرت ہیں تو ان کے لیے

کون سی بڑی بات ہے لیکن اگر وُہ ایسا نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ وہ ناکارہ ہیں، اپنی خدائی کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ اگر آنحضرتؐ خدا کے فرستادہ سچے رسول نہ ہوتے تو عام انسانوں کی طرح وہ بھی ایسا کلام پیش نہ کر سکتے۔ آخر تم ہی میں پلے بڑھے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ وُہ ایسا کلام پیش کر رہے ہیں جس کی مثال لانے سے تم سب عاجز ہو۔

یہاں دس سوروں کی مثل لانے کو کہا گیا ہے لیکن اس سے پہلے سورۂ یونس میں ایک سورہ کے متعلق تحدّی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیبِ قرآن موافق تنزیل نہیں ہے۔ پہلے دس سوروں سے تحدّی کی جاتی پھر ایک سورہ سے۔ یہاں معاملہ اُلٹا ہے پہلے دس سے نہیں ایک سے ہے۔ جامع قرآن نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ اپنی رائے سے خلافِ تنزیل ترتیب دیتے چلے گئے۔ ایک جگہ نہیں کئی جگہ ایسا ہے جس کی نشاندہی ہم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

عرب کی قادر الکلامی کی گردن جس نے توڑی اور جس نے انا و لا غیری کا بھانڈا پھوڑا وہ یہی قرآن ہے۔ لوگ برسوں اس کوشش میں رہے کہ ایک سورہ اس جیسا بنا لائیں مگر ممکن نہ ہُوا۔ فرداً فرداً اور اجتماعاً ساری کوششیں بیکار گئیں۔ سوروں کا مرتبہ تو خیر بہت بلند ہے ایک آیت بھی ویسی نہ بن سکی۔

مسیلمہ کذّاب پر جب لوگوں نے زیادہ زور دیا کہ آپ بھی اپنے اوپر کوئی کتاب نازل کرائیے تو اُس نے بہت سوچ بچار کے بعد سورۃ القارعہ کے جواب میں ایک سورت لوگوں کے سامنے پیش کر کے کہا میرے اوپر رات کو سورہ الفیل نازل ہوئی ہے، جو یہ ہے الفیل ما الفیل ما ادرٰك ما الفیل ذنبہٗ قیصر و خرطومہٗ طویل۔ ''ہاتھی کیا ہے تم جانتے ہو ہاتھی کیا ہے اس کی دُم چھوٹی ہوتی ہے اور سُونڈ لمبی ہوتی ہے''۔ کوئی اس کذّاب سے پُوچھے اس عبارت سے کیا سبق دیا گیا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو کیا وُہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لے کر آیا ہو اور ایک گواہ جو اس کا جزو ہو اس کے پیچھے پیچھے ہو اور اس سے قبل موسیٰ کی کتاب (توریت) ہو (جو لوگوں کے لیے) پیشوا اور رحمت ہے اس کی تصدیق کرتی ہو تو (وہ بہتر ہے یا کوئی اور) یہی قرآن کے ایمان لانے والے ہیں اور تمام فرقوں

میں سے جو کوئی انکار کرے تو اُس کا ٹھکانہ جہنّم ہے تو تم کہیں اس (قرآن) کی طرف سے شک میں نہ پڑے رہنا۔ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم محمدؐ کو کیسے سچا نبی مان لیں درآنحالیکہ ان کی رسالت پر کوئی گواہ نہیں۔ قرآن کو تو خود اُنہوں نے بنا لیا ہے۔ سچا پیرو ان کا کوئی نظر نہیں آتا۔ کتاب موسیٰؑ (توریت) میں ان کا کہیں ذکر نہیں۔ ان تینوں باتوں کا جواب اس آیت سے دیا گیا ہے۔

۱۔ قرآن رسولؐ کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ ان کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے اگر شک ہے تو تم بھی بنا کر دکھا دو۔

۲۔ رہی پیروی تو ان کا ایک گواہ ان کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے جو اس کا مُصدِّق ہے کہ وہ سچے رسولؐ ہیں۔

۳۔ کتابِ موسیٰؑ میں ان کی رسالت کا ذکر ہے تم نے تحریف کر کے اس کو توریت سے خارج کر دیا ہے۔

اِس آیہ مبارکہ میں حضورؐ کی رسالت کے تین گواہ مذکور ہیں پہلا گواہ قرآن ہے جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے یعنی تحریری دستاویز ہے جس میں جابجا حضورؐ کی رسالت کا ذکر ہے۔ دوسرا ناطق گواہ ان کے گھر کا ہے جو ان کے قدم بقدم چلنے والا ہے اگر اس کو ان کی رسالت میں شک ہوتا تو ان کا اتباع ہرگز نہ کرتا۔ چونکہ گھر والے کسی انسان کی کمزوریوں سے سب سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس گواہ کا اتباع اس کی دلیل ہے کہ ان کا دعویٰ غلط نہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جو گواہ خدا کی طرف سے تھا یعنی قرآن وہ تو نکلا رسولؐ کے گھر سے اور جو رسولؐ کی طرف سے گواہ تھا وہ نکلا خدا کے گھر سے یعنی علیؑ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ جو گواہ ناطق تھا اُسے خدا نے اپنے گھر سے نکالا اور جو صامت تھا اُسے نکالا رسولؐ کے گھر سے تاکہ خدا اور بندہ میں فرق رہے۔ جس طرح خدا کی طرف سے آنے والے گواہ کا جواب نہیں اسی طرح رسولؐ کی طرف سے نکلنے والے گواہ کا بھی جواب نہیں۔ ان دونوں گواہوں نے علم و عمل دونوں راہوں کو ہموار کر دیا۔

یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے معلوم ہوا ایک مقدم ہے تالی۔ مقدم رسولؐ ہیں اور ثانی علیؑ جو قدم بقدم ان کے پیچھے چل رہے ہیں یعنی مقدم و ثانی کے درمیان کوئی فصل نہیں یہ دلیل ہے اس امر کی کہ علیؑ رسولؐ کے خلیفہ بلافصل ہیں اور ان کا عمل رسول جیسا عمل ہے۔ مِنْهُ سے یہ امر منکشف ہوا کہ وہ ان کا جزو ہونے کی وجہ سے ان کی رسالت کے عینی گواہ ہیں۔ باقی اور گواہ سماعی ہیں یعنی رسولؐ نے ان سے کہا میں رسولؐ ہوں۔ لوگوں نے اس کی تصدیق کی، رسول کو رسول بنتے نہیں دیکھا۔ علی علیہ السلام کے متعلق رسولؐ نے فرمایا ہے، اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ۔ میں اور علی ایک نور سے ہیں۔ خلقتِ آدمؑ سے نو ہزار سال پہلے جب حضورؐ کو نبی بنایا گیا تھا اُس وقت اس نبوّت کا عینی گواہ حضرت علیؑ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ عینی اور سماعی گواہ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ سماعی گواہ کے دل میں چھوٹا یا بڑا شک کسی وقت پیدا ہو سکتا ہے برخلاف عینی گواہ کے کہ وہ طرفۃ العین کے لیے بھی کبھی توحید و رسالت

میں شک نہیں کر سکتا۔ رسولؐ نے فرمایا عَلِیٌّ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ۔ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہے۔ یعنی ہم دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں جو بات میری ہے وہی علی کی بات ہے جو میرا کام ہے وہی علی کا کام ہے۔ میں نبی ہوں وہ میرا وصی ہے۔ اسی طرح قرآن میں اور علیؑ میں فرق نہیں، عَلِیٌّ مَّعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یعنی علیؑ کا کوئی عمل قرآن سے الگ نہیں۔ قرآن کی تصدیق علیؑ کرتے ہیں اور علیؑ کے ہر عمل کی تصدیق کرتا ہوا قرآن نازل ہوتا ہے۔

چونکہ عالمِ نور میں حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی رسالت کے سب سے پہلے گواہ تھے لہٰذا دنیا میں اعلانِ رسالت کے بعد بھی سب سے پہلے گواہ حضرت علیؑ ہی ہوئے۔ یہ کہنا بے معنی بات ہے کہ علی علیہ السلام چونکہ کم سن تھے اس لیے ان کی گواہی قابلِ اعتماد و اعتبار نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کو کیا کیجیے کہ قدرت نے معصوم ہستیوں کی گواہی ہمیشہ کم سن بچوں ہی سے دلوائی ہے جیسے حضرت عیسیٰؑ نے آغوشِ مادر میں مریمؑ کی عصمت کی گواہی دی۔ حضرت یوسفؑ کی عصمت کی گواہی ایک بچہ نے دی جو خانۂ زلیخا میں گہوارہ کے اندر تھا۔ آنحضرتؐ مباہلہ کے لیے نکلے تو سب سے آگے معصوم بچوں ہی کو رکھا۔ اگر ان کی گواہی مقبولِ بارگاہِ ایزدی ہے تو علیؑ کی گواہی کیوں قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

ابنِ حاتم۔ ابونعیم۔ ابنِ عساکر اور ابنِ مردویہ نے کئی طریقہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک مرتبہ منبر پر فرمایا کہ قریش میں کوئی ایسا نہیں کہ جس کے بارہ میں قرآن میں کچھ نہ کچھ نازل نہ ہوا ہو۔ یہ سُن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا، آپ کے بارہ میں کیا نازل ہوا ہے۔ آپؑ نے فرمایا، کیا تُو نے سورۂ ہود میں یہ آیت نہیں پڑھی اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ اس سے مقصود میں ہوں۔

(تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۳۲۴ سطر ۲۱، مطبوعہ مصر)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے علمائے اہلِ سنت نے اس کو نقل کیا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا

وقف لازم

يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو جھوٹ موٹ اللہ پر افترا پردازی کرے۔ یہ لوگ اپنے پروردگار کے حضور میں پیش کیے جائیں گے اور گواہی دینے والے ظاہر کریں گے کہ یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر افترا پردازی کی تھی۔ آگاہ ہو کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو خدا کے راستہ پر چلنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس میں کجی نکالنا چاہتے ہیں یہی لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ روئے زمین پر نہ تو خدا کو ہرا سکتے ہیں اور نہ خدا کے سوا کوئی ان کا سرپرست ہوگا ان کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ (حسد کے مارے) نہ تو (حق بات کو) سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

جو لوگ قیامت میں پیش خدا گواہی دیں گے وہ کراماً کاتبین ہوں گے یا حضرت رسولِ خدا اور ائمہ طاہرینؑ۔ راہِ خدا سے روکنے والے کفار و مشرکین ہیں یا وہ اہلِ کتاب جو اسلام کی دشمنی پر کمر باندھے ہوئے تھے اور طرح طرح سے مسلمانوں کو بہکا کر ان کو اسلام کے راستہ سے ہٹانا چاہتے تھے لیکن ان کی کوششیں بیکار جاتی تھیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ہی نفسوں کو نقصان پہنچایا اور جو افترا پردازیاں یہ لوگ کرتے تھے (قیامت میں سب انہیں چھوڑ کر) چل دیئے۔ آخر کار یہی لوگ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوں گے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی سے جھکے وہ

جنتی ہیں اور جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریق کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے والے اور سننے والوں کی سی ہے، کیا یہ دونوں مثل میں برابر ہو سکتے ہیں تو کیا تم لوگ غور نہیں کرتے۔

دنیا میں ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں جو باوجود کان رکھنے کے خدا کے کلام کو نہیں سنتے اور باوجود آنکھیں رکھنے کے خدا کی نشانیوں کو نہیں دیکھتے اور کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ ان کی اس غفلت کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ کیا ایک دن ان سے بازپرس ہونے والی نہیں۔ کیا ان کے اعمالِ بد کو خدا نہیں دیکھ رہا۔ اگر وہ ہر بات کا دیکھنے والا اور سننے والا ہے تو وہ ضرور ذرہ ذرہ کا حساب لے گا اور بدکار اس کی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافاتِ عمل غافل مشو

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ ۙ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا میں تم کو کھلے لفظوں میں ڈرانے والا ہوں تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو میں تم کو دردناک عذاب والے دن سے ڈراتا ہوں۔ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا۔ ہم تو تم کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تمہارے پیرو بن گئے ہیں وہ ہماری قوم کے رذیل لوگ ہیں جو بے سوچے سمجھے ایسا کر بیٹھے ہیں ہم تمہاری کوئی فضیلت

اپنے اُوپر نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ نوح نے کہا، اے میری قوم کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اُس نے اپنی سرکار سے رحمت (نبوّت) عطا فرمائی ہے اور تمہیں سُجھائی نہیں دیتی تو کیا میں زبردستی تمہارے سر منڈھ سکتا ہوں درآنحالیکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو اے میری قوم میں تم سے مال کا خواہاں نہیں میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں میں ان کو نِکال نہیں سکتا۔ وُہ ضرور اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے (میں اُس وقت کیا جواب دوں گا۔) میں سمجھتا ہوں تم لوگ جہالت میں پھنسے ہُوئے ہو۔

انبیاءؑ کے متعلق تمام قومیں اس خبط میں مبتلا رہیں کہ جب یہ ہم ہی جیسے بشر ہیں تو ان کو ہم پر کیا فوقیت ہے انہیں کیا حق حاصل ہے کہ ہم کو ہدایت کریں۔ ان کا یہ دعوٰی کہ ہم خدا کے فرستادہ ہیں غلط ہے۔ ہم ان کی پیروی کیوں کریں۔ حضرت نوحؑ نے ہر چند سمجھایا کہ اگر خدا نے مجھے نبی بنایا ہے تو تم پر کیوں گراں ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں، میرا تو اس میں کوئی ذاتی فائدہ نہیں۔ میں تم سے اپنی اس تبلیغ کا کوئی معاوضہ تو نہیں مانگتا۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں اُس کو سمجھو، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ورنہ کسی دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ حضرت نوحؑ پر ایمان لانے والے صرف چند غریب لوگ تھے۔ ان کی قوم کے اُمراء نے ازراہِ طنز کہا کہ ہماری قوم کے چند رذیل لوگوں کے ایمان سے تمہاری سچائی ثابت نہیں ہوتی۔ ان کو اپنے پاس سے ہٹاؤ تو ہم تمہاری بات سُنیں گے۔ انہوں نے فرمایا یہ تمہاری نظر میں ذلیل ہیں اللہ کی نظر میں تو نہیں۔ اگر میں ان کو ہٹا دوں اور یہ خدا کے سامنے جا کر میری شکایت کریں تو میں کیا جواب دوں گا۔ تم لوگ پکے جاہل ہو کہ ایسی احمقانہ باتیں کرتے ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣٢﴾

اے قوم کیا تم اس وقت کو یاد نہیں کرتے کہ اگر میں ان کو ہٹا دوں اور خدا کی طرف سے باز پُرس ہو تو بتاؤ

وہاں میری مدد کون کرے گا۔ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے دئیے ہُوئے خزانے ہیں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا بڑا جاننے والا ہوں اور نہ میرا یہ دعوٰی ہے کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں ذلیل ہیں ان کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ خدا ان کے ساتھ بھلائی نہ کرے گا۔ ان لوگوں کی دلوں کی بات تو خدا ہی بہتر جانتا ہے اگر میں ان کے متعلق ایسا کہوں تو یقیناً ظالم ہوں۔ اُنہوں نے کہا، اے نوح تم ہم سے جھگڑ چکے اور بہت جھگڑ چکے۔ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب سے ڈراتے ہو اُسے لے آؤ۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٤﴾ۭ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿٣٥﴾ۧ وَاُوْحِيَ اِلٰي نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ښ

نوح نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو تم پر عذاب لائے گا اور تم اُسے ہرا نہیں سکتے۔ اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں اور خدا کو تمہارا راہِ راست پر لانا منظور نہ ہو تو میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ وُہ تمہارا رب ہے اور اس کی طرف تم پلٹ کر جاؤ گے۔ اے رسول کیا (کفّارِ مکّہ بھی) کہتے ہیں کہ تم نے قرآن کو گڑھ لیا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر میں نے گڑھ لیا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہوگا اور جو گناہ تم کرتے ہو میں اس سے بَری ہوں اور نوح کو وحی کی گئی جو ایمان لانا تھا لا چکے اب تمہاری قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا پس جو کچھ یہ کرتے ہیں تم اس کا غم نہ کھاؤ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (کیا وُہ یہ کہتے ہیں کہ تم نے قرآن خود گڑھ لیا ہے) بظاہر اس کا ربط نوحؑ کے قصہ سے معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوحؑ کا قصہ جب حضرتؐ نے بیان کیا ہوگا تو کسی نے کہا ہو گا کہ محمدؐ انبیاؑ کے قصّے گڑھ گڑھ کر اس لیے ہمیں سُناتے ہیں کہ ہم بھی قومِ نوحؑ کی طرح ڈر جائیں یعنی قرآن کے قصّے خود محمدؐ کے بنائے ہوئے

ہیں۔ اس لیے اثنائے کلام میں اس کا جواب دے دیا گیا۔

پہلی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اپنی خواہش سے معجزہ نہیں دکھاتا بلکہ جب حکم خدا ہوتا ہے تب ایسا کرتا ہے۔ خدا کسی کو بہکانے کا ارادہ نہیں کرتا لیکن جب وہ کسی کو دیکھتا ہے کہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما ہوا ہے اور راہِ راست پر آنا ہی نہیں چاہتا تو اپنی توفیق کو اس سے روک لیتا ہے اور اس کو بھٹکتا ہوا ہی چھوڑ دیتا ہے کہ جا مر کم بخت۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

اور ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارہ میں مجھ سے سفارش نہ کرنا وہ تو ڈوب کر رہیں گے۔ نوح کشتی بنانے لگے تو جب کبھی ان کی قوم کے سردار ان کی طرف سے گزرتے تو ان کا مذاق اُڑاتے۔ نوح کہتے اگر اس وقت تم ہم سے مسخرا پن کرتے ہو تو جس طرح تم ہم پہ ہنستے ہو اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ ہم تم پر ہنسیں گے۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے کہ دُنیا میں اُسے رسوا کر دے اور کس پر قیامت میں دوامی عذاب نازل ہوتا ہے یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے (نر و مادہ) جوڑا لے لو اور اپنے گھر والوں کو بھی مگر جن کی ہلاکت کا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے (ان کو نہ لو) اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان سب کو کشتی میں بٹھا لو اور ان کے

ساتھ ایمان لائے بھی تھوڑے ہی لوگ تھے۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے:

"حضرت نوحؑ کی کشتی بارہ سو گز لمبی آٹھ سو گز چوڑی اور اسی گز اُونچی تھی اس کے تین درجے تھے۔ نیچے کے درجہ میں چوپائے تھے، بیچ میں پرند اور اُوپر کے درجہ میں آدمی تھے۔ جب کشتی تیار ہو چکی تو حضرت نوحؑ نے تمام جانوروں کو آواز دی اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اور اسی آدمیوں کو جو آپؑ پر ایمان لائے تھے لے کر سوار ہوئے تو پہلے تنور سے پانی اُبلنے لگا، آفتاب کو گہن لگا، آسمان سے موسلا دھار پانی کی چادریں گرنے لگیں، پھر زمین کے تمام چشمے زوروں میں اُبلنے لگے اور ہر جگہ پانی ہی پانی ہو گیا اور آسمان اور پانی کے سوا کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔

جس جگہ مسجدِ کوفہ ہے وہیں کشتی بنی تھی اور یہیں سے طوفان کی ابتدا ہوئی تھی جس تنور سے پانی اُبلا تھا وہ گویا مسجدِ کوفہ میں ہی تھا۔

سام، حام، یافث یہ تینوں حضرت نوحؑ کے بیٹے تھے اور تین آپؑ کی بی بیاں تھیں ایک خود تھے اور ایک وہ بی بی تھیں جو ایماندار تھیں یہ سب ساتھ ہوئے اور بہتر آدمی اُمت کے، اس طرح اسی ہوئے۔ اسی لیے تو خدا نے فرمایا ہے وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ۔" (اُن پر نہیں ایمان لائے مگر تھوڑے سے۔)

تین بی بیوں میں سے ایک کو مولانا نے ایماندار لکھا ہے تو باقی دو کو جو کافر تھیں کیوں سوار کیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فنِ نجاری کی سب سے پہلے اللہ کی طرف سے حضرت نوح کو تعلیم دی گئی۔ یہ کشتی حضرت نوحؑ نے سات برس میں بنائی تھی۔ اور خدا کی نگرانی میں یعنی جس طرح جبرئیل بتاتے جاتے تھے اس طرح حضرت نوحؑ بناتے جاتے تھے۔ حضرت نوحؑ کی ایک کافرہ بی بی اور ایک نافرمان بیٹا اس کشتی میں سوار نہ ہوئے ان کا ذکر آگے آئے گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کشتی بیس برس میں بنی تھی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں لیا گیا تھا۔ ان میں کیا خصوصیت تھی باقی کو کیوں چھوڑا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے آواز دیتے ہی جو جانور سب سے پہلے آموجود ہوئے تھے اُن کو لے لیا گیا اور جنہوں نے ان کی آواز پر توجہ نہ کی ان کو چھوڑ دیا گیا۔

حضرت رسولِ خدا نے اپنے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ سے دی ہے (حدیث سفینہ) مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰى (میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اُس نے نجات پائی جس نے اس سے رُوگردانی کی وُہ ڈُوب گیا اور ہلاک ہوا۔) پس جن لوگوں نے اہلبیتؑ سے تمسک کیا وہ ضلالت کے دریا میں ڈُوبنے سے بچ گئے اور جنہوں نے ان سے دشمنی کی انہوں نے اپنی عاقبت برباد کی کشتی نوحؑ مطابق وحیِ الٰہی بنی تھی کسی غیر معصوم کا اس کی ساخت میں ہاتھ نہیں لگا تھا۔ اسی طرح اہلبیتؑ معصوم ہیں اور ان کا ہر عمل وحیِ الٰہی کے مطابق تھا۔ جس طرح نوحؑ کی نافرمان بی بی اور کافر بیٹے کو جگہ نہ ملی اسی طرح کفار و مشرکین و منافقین کا کوئی تعلق اہلبیت علیہ السلام سے نہیں ہو سکتا۔

جب حضرت نوحؑ کشتی بنا رہے تھے کو تھی اچھا خاصہ جہاز تھا، تو ان کی قوم قہقہہ مار کر کہتی تھی یہ بھی نوحؑ کی دیوانگی کی ایک علامت ہے بھلا اتنی بڑی کشتی کس دریا میں چلے گی۔ یہاں دریا کہاں؟ کیا یہ خشکی میں چلانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔

مفسرین نے اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ چالیس دن کشتی پانی پر رہی تھی اتنی مدت میں کشتی والوں نے کیا کھایا۔ صاحبِ تاریخ الانبیاءؑ علامہ بدخشی نے اتنا لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایسی ہوائیں چلیں جو بھوک کو روکنے والی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِينَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْ إِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِي مِنَ الْمَآءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿۴۳﴾ وَقِيلَ يٰٓأَرْضُ ابْلَعِي مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿۴۴﴾

اور نوح نے اپنے ساتھیوں سے کہا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا (اُس کے نام سے ہی بہاؤ اور ٹھہراؤ ہے) کہہ کر کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بے شک میرا رب بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ وہ کشتی انہیں لے کر پہاڑ جیسی اونچی موجوں میں چلی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکار کر کہا جبکہ وُہ ایک گوشہ میں تھا۔ اے بیٹے ہمارے ساتھ تُو بھی سوار ہو جا اور کافروں کا ساتھی مت بن۔ اُس نے کہا میں پہاڑ پر پناہ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا آج سوائے اُس کے جس پر اللہ رحم کرے حکمِ خدا سے کوئی بچانے والا نہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی اور وُہ ڈُوبنے والوں میں سے

ہو گیا۔ اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی سُوکھ لے اور اے آسمان بارش روک دے۔ پانی گھٹ گیا اور (لوگوں کا) کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہِ جودی پر جا ٹھہری اور (ہر چہار طرف) پکار دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے رحمتِ خدا سے دُوری ہو۔

ایسا طوفان دُنیا میں کبھی نہیں آیا۔ تمام زمین زیرِ آب تھی۔ پانی تھا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُونچا بہہ رہا تھا۔ روایت ہے کہ چالیس روز تک نوحؑ کی کشتی پانی پر رہی۔ سوائے کشتیٔ نوحؑ میں سوار ہونے والوں کے کوئی ذی حیات رُوئے زمین پر سلامت نہ رہا۔ جب پانی ٹھہرا اور نوحؑ مع اپنے ساتھیوں کے کشتی سے اُترے تو ہر جگہ ہڈیوں کے انبار تھے۔

کنعان کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت نوحؑ کا صلبی بیٹا نہ تھا بلکہ لے پالک تھا لیکن یہ خیال غلط ہے۔ انبیاءؑ پرائے بدن کی بوٹی کو اپنے بدن پر نہیں چپکاتے۔ اگر صلبی بیٹا نہ ہوتا تو یٰبُنَیَّ کہہ کر نہ پکارتے۔ حضرت رسولؐ خدا نے اپنے لے پالک زیدؓ بن حارثہ کو کبھی یا بُنَیَّ کہہ کر نہیں پکارا۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ جب نوحؑ نے کہا تھا، کہ پروردگارا یہ میرا بیٹا ہے تو خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے بلکہ یہ کہا کہ یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہیں۔ نفی اِبنیت کی نہیں کی گئی بلکہ اہلِ بیت کی فرمائی گئی ہے۔

جو بی بی کافرہ تھی یہ کنعان اُسی کے بطن سے تھا۔ اُسی کے ساتھ یہ بھی ڈُوبا۔ چونکہ نااہلوں کے جرگہ میں وہ شامل تھا لہٰذا جنابِ نوحؑ کے کہنے کا اس پر کچھ اثر نہ ہُوا ؎

چو کنعاں را طبیعت بے ہُنر بُود   پیمبر زادگی قدرش نیفزود

معلوم ہوتا ہے کہ صحبت کا اثر ہر جا یکساں نہیں ہوتا۔ نبیؑ کی بی بی اور بیٹا باوجود صحبتِ نبی میں رہنے کے اپنے اطوار نہ بدل سکے۔ جب کنعان ڈُوبنے لگا تو قدرت نے باپ بیٹے کے درمیان ایک موج حائل کر دی تاکہ باپ بیٹے کو ڈُوبتا نہ دیکھ سکے۔ یہ قانونِ فطرت کی نگہداشت تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ باپ کی نافرمانی اولاد کو عاق بنا دیتی ہے اور خاندان سے خارج کر دیتی ہے۔

طُوفان ختم ہونے کے بعد دُنیا از سرِ نو آباد ہوئی۔ اس لیے حضرت نوحؑ کو آدمؑ ثانی کہتے ہیں۔ حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں کی نسل سے یہ تمام دُنیا کے آدمی ہیں جو رُوئے زمین پر پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے رفتہ رفتہ جا بجا بستیاں بسائیں اور شہروں کے نام رکھے۔ حضرت نوحؑ کے جانشین حضرت سام ہوئے۔ انہی کی اولاد میں سے نبوت کا سلسلہ چلا۔ حضرت نوحؑ سب سے پہلے نبی ہیں جو صاحبِ شریعت ہوئے۔ یعنی نظامِ حیاتِ انسانی کے لیے جو قدرت نے قوانین بنا کر بھیجے تھے وہ بصورتِ صحیفہ سب سے پہلے جناب نوحؑ کے پاس آئے تھے۔ جناب ابراہیمؑ جناب نوحؑ کے شیعوں میں سے تھے۔ لفظ شیعہ سب سے پہلے جناب ابراہیمؑ کے لیے استعمال کیا گیا۔ کیسا مقدس نام ہے اسلام میں اور کسی فرقہ کا نام قرآن میں مذکور نہیں۔

کشتیٔ نوحؑ کے متعلق بڑے بڑے اُونچے پہاڑوں کی خواہش تھی کہ ہم پر ٹھہرے۔ جُودی سب سے چھوٹا پہاڑ

تھا کشتی اس پر ٹھہری کیونکہ اس کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ جناب نوحؑ اس پر جاکر ذکرِ الٰہی کیا کرتے تھے بعض مفسرین نے یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ جودی سب سے نیچا پہاڑ تھا اس لیے وہاں ان لوگوں کو جو کشتیٔ نوحؑ پر سوار تھے، اُترنے میں آسانی ہوتی۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﷺ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾

جب کنعان ڈوبنے لگا تو نوح نے فریاد کی کہ اے میرے ربّ میرا بیٹا میرے اہل (خاندان) سے ہے اور تیرا وعدہ حق ہے (تُو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا ہے) اور تُو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ خدا نے کہا اے نوح یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں پس جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرو میں تمہیں سمجھائے دیتا ہوں کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کیا کرو۔ نوح نے کہا اے میرے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر کے سوال کرنے سے جس کا مجھے علم نہیں اگر تُو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہ کرے گا تو میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ تب کہا گیا اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکات ہیں تم پر اور اُن لوگوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ کشتی سے اُترو۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو ہم کچھ دن فائدہ حاصل کرنے کا موقع دیں گے پھر ہماری طرف سے انہیں دردناک عذاب ہو گا۔

خدا نے نوحؑ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے اہل کو بچا لیں گے۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنے بیٹے کے بچانے کے لیے دُعا کی۔ وُہ یہ سمجھے کہ اہل سے مراد جملہ افرادِ خاندان ہیں۔ حالانکہ خدا کی مراد اہل سے وہ لوگ تھے جو ایمان لائے تھے اور جنہوں نے عملِ صالح کیے تھے جو ایسے نہ تھے خدا نے ان کو خاندانِ نوحؑ سے خارج کر دیا۔

چونکہ نوحؑ بہ شفقتِ پدری کہہ رہے تھے اور ان کو باطن کا حال معلوم نہیں تھا لہٰذا قدرت نے ان کو تنبیہہ کی کہ جس بات کو تم نہیں جانتے اس کے متعلق مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ کون اہل ہے کون نہیں۔ حضرت نوحؑ نے جب اپنی غلطی کو سمجھا تو خدا سے معافی مانگی۔ نوحؑ کا بیٹا کنعان بظاہر ایماندار بنا ہُوا تھا۔ نوحؑ اس کے باطن سے واقف نہ تھے۔ وُہ کافروں سے مِلا ہُوا تھا۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ؕۛ فَاصْبِرْ ؕۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾

اے رسول یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے تم پر وحی کی ہیں ان کو اس سے پہلے نہ تو تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم۔ پس صبر سے کام لو۔ اس میں شک نہیں کہ آخرت کی خوبیاں تو پرہیزگاروں ہی کے لیے ہیں۔

آنحضرتؐ کی نبوّت کی تصدیق جہاں اور بہت سی باتوں سے ہوتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہزاروں برس پہلے کے واقعات آپؐ اس طرح بیان کر رہے ہیں گویا وہ آپؐ کے سامنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ واقعات وحی نے ان کو نہیں بتائے تو دوسرا کون بتا گیا۔ آپؐ کی قوم خود ان واقعات سے واقف نہ تھی۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد خدا نے حضورؐ کو حکم دیا کہ نوحؑ کی طرح تم بھی صبر سے کام لو۔ جس طرح نوحؑ کے زمانہ میں نافرمان اور سرکش تباہ ہوئے، اسی طرح تمہارے مخالف بھی تباہ ہوں گے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہُود کو بھیجا اُنہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تم بڑے افترا پرداز ہو (کہ خدا کا شریک دوسروں کو بنا رہے ہو۔)

نوحؑ کا قصہ بیان کرنے کے بعد اب یہاں سے ہودؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ جناب ہودؑ قوم عاد ہی سے تھے جب انہوں نے بہ حیثیت نبی کے ان کو افعالِ ناشائستہ سے باز رکھنا چاہا تو وہ سب بگڑ گئے اور ان کے جانی دشمن بن گئے۔

یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى الَّذِىْ فَطَرَنِىْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِىْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ

ہودؑ نے کہا اے میری قوم میں تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور اے میری قوم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو وہ تم پر موسلا دھار مینہ آسمان سے برسائے گا اور تمہاری قوت کو اور زیادہ کردے گا اور مجرم بن کر اس سے منہ نہ موڑو۔ وہ کہنے لگے اے ہودؑ تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر تو آئے نہیں ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو تو چھوڑنے والے ہیں نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی نے تم کو مجنون بنا دیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام جب اپنی اپنی قوم کو ہدایت کرتے تھے تو ان کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض پوشیدہ ہے لہٰذا ہر نبی کو یہ جتا دینا ضروری ہوتا تھا کہ میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ چنانچہ حضرت ہودؑ نے بھی یہی فرمایا۔ انہوں نے فرمایا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک شخص بغیر اپنی کسی ذاتی غرض کے تمہارے فائدے کے لیے جو باتیں تم کو بتا رہا ہے اس کے دل میں تمہارا درد ہے وہ تمہیں ہلاکت سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ طرح طرح کی مشقتیں جھیل رہا ہے۔ تمہارے مظالم کو صبر و ثبات سے برداشت کر رہا ہے۔ آخر کیوں؟ محض اس لیے کہ تم کو گمراہی سے بچا لے۔ جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو ان میں کوئی اہلیت معبود بننے کی نہیں، تم اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو یہ تمہارے معبود اس کو تم سے ہٹاتے کیوں نہیں۔ تم معبودِ برحق سے توبہ و استغفار کرو گے تو وہ مینہ برسا کر اس

قحط کو تم سے ہٹا دے گا۔ مگر ان کی عقلیں ماری گئی تھیں کیا سمجھتے۔ انہیں دیوانہ سمجھ کر ان کی بات پر کان ہی نہ لگاتے تھے۔

قَالَ اِنِّىْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِىْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾

ہودؑ نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تمہیں بھی کہ جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں تم سب مل کر میرے ساتھ چالیں چلو اور مجھے دم مارنے کی مہلت نہ دو (تو بھی مجھے کچھ پروا نہیں۔) میں نے تو اسی اللہ پر جو میرا اور تمہارا رب ہے توکّل کر لیا ہے۔ زمین پر جتنے چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس کے ہاتھ میں ہے۔ بے شک میرا رب (انصاف کی) سیدھی راہ پر ہے۔ بس اگر تم اس کے حکم سے روگردانی کرو تو کرو مجھے تو جو حکم دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا میں اُسے تم تک پہنچا چکا۔ میرا رب (تمہاری نافرمانی کی بنا پر تمہیں ہلاک کر کے) تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔

خدا انبیاء علیہم السلام کو تحمل و برداشت کی ایک خاص قوت عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ کفار و مشرکین کے تمام مظالم خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں اور اپنے کارِ تبلیغ کو جاری رکھتے ہیں۔ ان کو اپنے پروردگار کی حفاظت پر پورا پورا یقین و بھروسہ ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کی مدد کے خواستگار نہیں ہوتے۔ نافرمانی کرنے والے ایک نہ ایک دن اپنی بداعمالی کی سزا پا کر رہتے ہیں اور خدا انہیں ہلاک کر کے اس کی جگہ دوسری قوم کو لا بساتا ہے۔ یہ طریقہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ

مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾

جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہُود کو اور جو اُن پر ایمان لائے تھے ان کو بچالیا اور ہم نے سخت عذاب سے ان کو نجات دی۔ اس قوم عاد نے اپنے رب کی آیات سے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) آگاہ ہو کر قوم عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ دیکھو قوم عاد پر (ہماری بارگاہ سے) کیسی دھتکار پڑی ہے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اُس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور تم کو اس میں بسایا پس اس سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ میرا رب بے شک قریب ہے اور سب کی دُعائیں سُن کر قبول کرتا ہے۔ انہوں نے کہا اے صالح اس سے پہلے ہماری امیدیں تم سے وابستہ تھیں۔ کیا تم ان کی پرستش سے ہمیں منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آرہے ہیں جس امر کی طرف تم ہمیں بلاتے

ہو ہم تو اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾

صالح نے کہا اے قوم اس پر غور کرو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی بارگاہ سے رحمت (نبوّت) عطا کی ہے تو اس صورت میں اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو خدا کے عذاب سے بچانے میں میری کون مدد کرے گا پھر تم سوائے نقصان کے میرا کچھ بڑھا تو دو گے نہیں۔ اے قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے اس کی ایک نشانی ہے اسے چھوڑ دو تاکہ یہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے۔ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ بہت جلد عذاب تمہیں آپکڑے گا۔ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ کر مار ڈالا۔ صالح نے کہا، تین دن اپنے گھروں میں چین سے رہ لو، یہ جھوٹا وعدہ نہیں۔ جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے صالح کو اور جو اُن پر ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے بچالیا اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بھی۔ بے شک تمہارا رب قوی و عزّت والا ہے۔

حضرت صالحؑ کی قوم ایک چٹان کی پوجا کرتی تھی انہوں نے کہا اگر آپ اس چٹان سے ایک اونٹنی مع بچّہ کے نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالحؑ نے دُعا کی اور اونٹنی نکل آئی۔ خدا کا حکم ہُوا کہ ایک دن چشمہ کا پانی ساری

بستی پیاکرے اور ایک دن یہ اُونٹنی۔ وہ اتنا دُودھ دیتی تھی کہ ساری قوم سیر ہوکر پی لیتی تھی قوم کے بعض لوگوں کو یہ تقسیم پسند نہ آئی انہوں نے قدار نامے ایک شقی کو اس کے قتل پر آمادہ کیا چنانچہ اُس نے ایک رات کو اس کے پیر کاٹ دیئے جس سے وہ ہلاک ہوگئی اُس کا بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور اُس نے آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا کر فریاد کی جس سے اس قوم پر ایسا عذاب آیا کہ وہ سب ہلاک ہوگئے۔

وَاَخَذَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَۃُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۶۷﴾ کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡہَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَا۠ کَفَرُوۡا رَبَّہُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّثَمُوۡدَ ﴿۶۸﴾ ع ۶

جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک چیخ نے لے ڈالا اور وُہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور ایسے مر مٹے گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ آگاہ ہو کہ قوم ثمود نے اپنے رب کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ قومِ ثمود اس کی بارگاہ سے دھتکاری ہوئی ہے۔

جب جناب صالحؑ نے اپنی قوم کو ڈرایا تو وُہ اُن کا مذاق اُڑانے لگے اور کہنے لگے یہ سب ڈرانے دھمکانے کی باتیں ہیں۔ جناب صالحؑ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان پر حسبِ وعدۂ الٰہی عذاب ضرور آئے گا وہاں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر چل دیئے اور جزیرہ نمائے سینا میں حضرت موسیٰؑ والے پہاڑ کے قریب ہی ایک پہاڑی پر جس کا نام نبی صالح ہے جا ٹھہرے۔

قومِ عاد کی طرح قومِ صالح بھی بدترین قوم تھی۔ سرکشی اور سینہ زوری ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ قومِ عاد کا قصہ جب جناب صالحؑ اُن سے بیان کرتے تھے تو وہ جواب میں کہتے تھے کہ ہمارے مکانات اتنے مضبوط ہیں کہ تمہارے خدا کا کوئی عذاب ہم پر اثر نہیں کرسکتا باوجودیکہ اپنی خواہش سے ان لوگوں نے جو معجزہ حضرت صالحؑ سے طلب کیا تھا وہ ان کو دکھا دیا گیا اس پر بھی ان شریروں نے حضرت صالحؑ کو خدا کا رسول ماننے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ میں سب ہلاک ہوئے۔ مفسرین نے لکھا ہے یہ ایک ایسی بے وقوف قوم تھی کہ اُن کی بستی جس پہاڑ کی تلہٹی میں واقع تھی وہاں ایک بڑی چمکتی چٹان پائی جاتی تھی صرف اس کی چمک پر فدا ہو کر ان لوگوں نے اسے خُدا مان لیا تھا۔ وہ صبح کو اس کی عبادت کے لیے جاتے تھے اور اس کے چاروں طرف بیٹھ کر اس کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے تھے اور اس سے عجز و نیاز سے دُعائیں مانگتے تھے۔

ناقۂ صالح کا قاتل قدار نامے ایک شخص تھا جس کو قرآن نے "شقی" بیان کیا ہے یعنی یہ بدبخت ترین انسان بڑا ظالم شخص تھا قوم نے کچھ مال کا لالچ دے کر اونٹنی کو اس سے ہلاک کرایا تھا۔

وَلَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ بِالۡبُشۡرٰی قَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنۡ جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِیۡذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَہُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡہِ نَکِرَہُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡہُمۡ خِیۡفَۃً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿ؕ۷۰﴾ وَ امۡرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ فَضَحِکَتۡ فَبَشَّرۡنٰہَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَ مِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتۡ یٰوَیۡلَتٰۤیءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوۡزٌ وَّ ہٰذَا بَعۡلِیۡ شَیۡخًا ؕ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ ؕ اِنَّہٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ﴿۷۳﴾

ہمارے رسول (فرشتے) ہمارے پیغمبر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے اور انہوں نے ابراہیم کو سلام کیا۔ ابراہیم نے سلام کا جواب دیا پھر ابراہیم بلاتوقف بچھڑے کا بھُنا ہوا گوشت لے آئے (اور ساتھ کھانے بیٹھے) جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس طرف نہیں بڑھتے تو ان کی طرف سے بدگمان ہوئے اور جی ہی جی میں ان سے ڈرے اُنہوں نے کہا آپ ڈریئے نہیں ہم قومِ لُوط کی طرف (ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ ان کی بی بی سارہ کھڑی تھیں وہ یہ خبر سُن کر ہنس پڑیں تو ہم نے انہیں (فرشتوں کے ذریعہ سے) اسحاق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔ وہ کہنے لگیں ہائے ہئے کیا میں اب بچہ جنوں گی درآنحالیکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں یہ تو بڑی تعجب خیز بات ہے۔ فرشتوں نے کہا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو۔ اے اہلِ بیت نبوت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں (نازل ہوتی رہیں) بے شک خدا قابلِ حمد اور بزرگ ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ وضاحت ہیں:

ا۔ اسلام میں سلام کا قاعدہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ پہلے آنے والا سلام کرے چنانچہ اس قاعدہ کی رُو سے پہلے فرشتوں نے سلام کیا۔ سلام کا جواب دینا چونکہ واجب ہے لہٰذا حضرت ابراہیمؑ نے فوراً جواب دیا۔

۲۔ فرشتے لباسِ بشری میں آتے تھے اور انسانوں ہی کا سا لباس پہنتے تھے اور انسانوں ہی کی طرح باتیں کرتے تھے وہی نشست و برخاست کا طریقہ تھا پس معلوم ہوا بشری صورت میں آنے سے ان کی نوع نہیں بدلی۔ اسی طرح آنحضرتؐ اگرچہ بشری صورت میں ہم جیسے بن کر آئے تھے مگر ان کی نورانی حیثیت بشری لباس میں آنے سے بدل نہیں گئی۔ جہاں تک جسم و صورت کا تعلق ہے وہ ہم ہی جیسے تھے لیکن جہاں سے ان کی نورانیت یا نبوت کا تعلق شروع ہوتا ہے ان کی نوع ایک دوسری تھی۔

۳۔ چونکہ جناب ابراہیمؑ بڑے مہمان نواز تھے اور روزمرہ ان کے ساتھ دسترخوان پہ مہمان کھانا کھاتے تھے، لہٰذا جب فرشتے انسانی صورت میں آئے تو وہ سمجھے مہمان ہیں، ان کی ضیافت کا سامان کرنے لگے۔ حضرت سارہؑ نے کہا کہ آج گھر میں ضیافت کا کوئی سامان نہیں، میں نے ایک بچھڑا پال رکھا ہے اس کا گوشت بھوننے دیتی ہوں۔

۴۔ جب دسترخوان بچھا اور فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو ابراہیمؑ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ مفسرین نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں پہلے یہ کہ عرب کا قاعدہ تھا کہ اگر مہمان کھانا نہ کھاتے تھے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ کسی بُری نیت سے آئے ہیں۔ دوسرے قرینے سے حضرت ابراہیمؑ پہچان گئے تھے کہ یہ فرشتے بصورت بشر آئے ہیں، ان کے آنے میں ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے۔ کہیں مجھ سے یا میرے خاندان والوں سے یا قوم سے کوئی ایسا کام تو نہیں ہو گیا جس کی تنبیہ کے لیے خدا نے ان فرشتوں کو بھیجا ہے۔

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے چہرہ مبارک سے پریشانی محسوس کر کے فرشتوں نے کہا آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ جس کام کے لیے ہم آئے ہیں اُس کا تعلق آپ سے نہیں بلکہ ہم قوم لُوط پہ عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ تب حضرت ابراہیمؑ کو اطمینان ہوا۔

۶۔ حضرت سارہؑ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ قوم لُوط پہ عذاب کرنے کو آئے ہیں تو وہ خوش ہوئیں اور فرطِ مسرت سے ہنس بھی دیں۔ کیونکہ قوم تھی ہی اس قابل کہ اس پہ عذاب نازل کیا جائے۔

۷۔ جب فرشتوں نے انہیں مطمئن پالیا تو جناب اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی اور ان کے بعد ان کے پوتے جناب یعقوبؑ کی ولادت کا مژدہ سنایا۔ یہ بشارت خصوصیت سے جناب سارہؑ کو اس لیے دی گئی کہ وہ اب تک بے اولاد تھیں۔ جناب ہاجرہؑ کے بطن سے جناب اسمٰعیلؑ پیدا ہو چکے تھے اس لیے ان کو اور زیادہ ملال تھا کہ سوتن کی گود تو بھری ہوئی ہے اور میری گود اولاد سے خالی ہے۔

۸۔ چونکہ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۲۰ سال کی ہو چکی تھی اور حضرت سارہؑ کی عمر ۹۰ سال کی تھی ظاہر ہے کہ یہ عمر توالد و تناسل کی نہیں ہوتی لہٰذا یہ بشارت سنتے ہی انہیں حیرت ہوئی اور تعجب سے کہنے لگیں کہ لئے ہے اب میں بڑھاپے میں بچے جننے بیٹھوں گی۔ عورتوں سے شرم آئے گی کہ ایک بڑھیا عورت گود میں بچہ لیے کھلا رہی ہے انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی ایسی عجیب بات سنتا ہے تو بے اختیار بول اُٹھتا ہے کہ ہائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۹۔ فرشتوں نے ان کا تعجب دُور کرنے کے لیے کہا کہ حکمِ خدا پر تم تعجب کرتی ہو۔ حالانکہ خاندانِ نبوت پر تو

اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہمیشہ ہی نازل ہوتی رہتی ہیں۔

یہاں اہلبیت کے لفظ کو دیکھ کر مفسرین اہلِ سنت نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بی بی کے لیے اہلبیت کا لفظ چونکہ آیا ہے لہٰذا آیت تطہیر میں بھی ازواج داخل اہلِ بیت ہیں۔ لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ علیکم کی ضمیر جمع مذکر حاضر بتاتی ہے کہ اس کا تعلق سارہؑ سے نہیں ورنہ علیکِ ہوتا۔ یہ تو خاندانِ نبوت پر نعماتِ الٰہی کے نزول کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یعنی جب اس خاندان پر ہمیشہ رحمتِ الٰہی نازل ہوتی رہی ہے تو اب بڑھاپے میں اولاد ہونے پر تعجب کیوں ہے۔ سارہؑ خاندانِ نبوت ہی سے تھیں ازواجِ رسولؐ کو خاندانِ نبوت سے کوئی تعلق نہ تھا حضرت فاطمہؑ کو تھا لہٰذا وہ داخلِ آیہ تطہیر ہیں۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾

جب ابراہیم کا خوف جاتا رہا اور ولادتِ فرزند کی خوشخبری بھی سُن چکے تو قومِ لُوط کے بارہ میں ہم سے (ازراہِ ناز) جھگڑنے لگے۔ بے شک ابراہیم بردبار نرم دل اور ہر امر میں خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اے ابراہیم اس امر میں درگزر کرو (ہٹ مت کرو) تمہارے رب کا حکم آچکا۔ بیشک ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ جب ہمارے پیام بر (فرشتے) لُوط کے پاس آئے تو اُن کا آنا گراں گزرا تنگ دل ہو گئے اور کہنے لگے آج کا دن سخت مصیبت کا دن ہے۔ ان کی قوم دوڑی ہوئی ان کے پاس آئی یہ لوگ اس سے پہلے بھی بڑے بُرے کام کیا کرتے تھے۔ لُوط نے کہا لوگو یہ میری

بیٹیاں تمہارے لیے جائز اور صاف ستھری ہیں اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں۔

ان آیات میں چند امر قابلِ توضیح ہیں:

۱۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ فرشتے عذاب نازل کرنے آئے ہیں تو پھر ان سے جھگڑا کیوں شروع کیا۔ یہ تو سراسر حکمِ خدا کی نافرمانی تھی۔ بات یہ تھی کہ از راہِ نرم دلی اور شفقت حضرت ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ قومِ لوط سے عذاب ہٹ جائے شاید یہ لوگ سمجھانے بجھانے سے راہِ راست پر آجائیں۔ یہ جھگڑا معاندانہ نہ تھا بلکہ ناز کے ساتھ خدا سے ایک قسم کی درخواست تھی یعنی تاخیرِ عذاب چاہتے تھے۔ جب خدا نے منع فرمادیا تو چُپ رہے۔

۲۔ حضرت لوطؑ پر فرشتوں کا آنا کیوں گراں گزرا اور دل تنگ کیوں ہوئے اس کا سبب یہ تھا کہ یہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے اگر قوم کو خبر لگ گئی تو وہ ان کو آکر پکڑ لیں گے اور یہ میرے لیے رسوائی کا باعث ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوطؑ نے ان فرشتوں کو جو لڑکوں کی صورت میں بصورت مہمان لوطؑ کے گھر آئے تھے فرشتہ نہیں سمجھا تھا اسی لیے ان کی آمد لوط علیہ السلام کے لیے باعثِ پریشانی تھی۔

۳۔ لوطؑ کی قوم جیسا کہ سورۂ اعراف میں بیان ہوچکا لواطت کے خبیث مرض میں مبتلا تھی ان کی بستیوں سے جو اجنبی نوجوان گزرتا تھا وہ اُسے پکڑ لیتے تھے۔ چنانچہ جب لوطؑ کی کافرہ بی بی نے قوم کو اطلاع دی کہ لوطؑ کے گھر کچھ لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وُہ بھُوکے بھیڑیوں کی طرح دوڑتے ہوئے لوطؑ کے گھر آگئے اور ان لڑکوں کو اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کرنے لگے۔

۴۔ لوطؑ نے کہا، لوگو یہ میری بیٹیاں یعنی قوم کی بیٹیاں موجود ہیں ان سے نکاح کرکے جائز طور پر اپنی خواہش پوری کرو۔ چونکہ نبی قوم کا باپ ہوتا ہے اس لیے قوم کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ اور انہیں سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں میرے لیے کیسی بدنامی کی بات ہوگی کہ اپنے مہمانوں کو بدکاری کے لیے تمہارے سپرد کردوں۔ کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں کہ میری اس مجبوری پر غور کرے۔

۵۔ قومِ لوط سے پانچ شہر آباد تھے۔ سدوم۔ عاصور۔ اودان۔ طوفیم اور صعدا۔ ان پانچوں شہروں میں سب کفار رہتے تھے مگر صعدا میں چند مومنین کے گھر بھی تھے۔ حضرت لوطؑ سدوم میں رہتے تھے اور زراعت کرتے تھے۔ چنانچہ جب فرشتے پہنچے تو آپؑ اپنے کھیت ہی پر تھے۔

۶۔ قرآن میں سلسلہ وار کئی قصّے بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے نوحؑ کا پھر ہودؑ کا پھر صالحؑ کا پھر ابراہیمؑ کا پھر لوطؑ کا منشا ان مسلسل قصّوں کے بیان کرنے کا یہ ہے کہ قریش جو اولادِ ابراہیمؑ سے تھے اس گھمنڈ میں تھے کہ ہم اولادِ ابراہیمؑ ہیں خدا اپنے پیارے نبی کی اولاد پر کوئی عذاب نازل نہ کرے گا اور آتشِ جہنّم سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ان کو بتایا جارہا ہے کہ کسی نبی کی اولاد ہونا کافروں اور بدکاروں کو عذابِ الٰہی سے بچا نہیں سکتا۔ دیکھو نوحؑ کے بیٹے کا کیا حشر ہُوا۔ ہودؑ و صالحؑ کی قوم پر کیا مصیبت نازل ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے قومِ لوط کو بچانے کے لیے خدا سے کیا کچھ نہ کہا۔ مگر

ان کے کہنے سے بھی عذاب نہ ہٹا بس تم کس شمار و قطار میں ہو کہ تم سے عذاب ہٹ جائے گا۔ بداعمالوں کو ان کی بداعمالی کی سزا مل کر رہتی ہے۔ قرآن میں جو قصّے بیان کیے گئے ہیں وہ نہایت عبرت انگیز ہیں۔ ہر زمانہ کے نافرمانوں کو ان واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیئے۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ۬ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ﴿۸۳﴾

لوط کی قوم نے کہا آپ کو معلوم ہے آپ کی لڑکیوں کی ہمیں کوئی حاجت نہیں اور جو ہم چاہتے ہیں وُہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ لوطؑ نے کہا کاش مجھے تم سے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لے سکتا فرشتوں نے کہا، اے لوط ہم تمہارے رب کے رسول ہیں (گھبراؤ نہیں) یہ لوگ تم پر قابو نہیں پاسکتے تم کچھ رات رہے اپنے لڑکے بالوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی ادھر مُڑ کر بھی نہ دیکھے مگر تمہاری بی بی کہ اس پر بھی وہی عذاب نازل ہونے والا ہے جو اس قوم پر آئے گا۔ بیشک عذاب آنے کا وقت صبح کا ہے کیا صبح قریب نہیں آگئی۔ پس جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس بستی کا اُوپر کا حصّہ نیچے کردیا یعنی اُلٹ دیا اور اس سرزمین پر کھرنجے دار (مضبُوط) پتھر مینہ کی طرح تابڑ توڑ برسائے جن پر تمہارے رب کے نشان بنے ہوئے تھے اور وُہ بستی ان ظالموں (کفّارِ مکہ) سے کچھ دُور نہیں۔

چند باتوں پر غور فرمائیے :

۱۔ لوطؑ کی قوم لواطت جیسی خبیث انسانیت سوز خلافِ فطرت گندگی میں اس حد تک لتھڑ گئی تھی کہ عورت سے مباشرت کو اپنے لیے ایک عذاب سمجھتی تھی۔ ایسی قوم کو تباہ کر دینا نوعِ انسانی پر بڑا احسان تھا۔

۲۔ جناب لوطؑ تنِ تنہا ان بدکاروں کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔ اگر ان میں قوت ہوتی تو ضرور لڑتے۔ مجبوری بری بلا ہے صرف نصیحت ہی پر اکتفا کرتے تھے مگر لاتوں کے بھوت باتوں سے کہاں مانتے ہیں۔ غور کیجئے ایک نبی کے لیے ایک گندے معاشرہ میں بسر کرنا کتنا تکلیف دہ ہوگا۔

۳۔ حضرت نوحؑ کی بی بی کی طرح حضرت لوطؑ کی بی بی بھی کافرہ تھی لہٰذا آنے والے عذاب نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔

۴۔ فرشتوں نے اس لیے مڑ کر دیکھنے سے منع کیا تھا کہ نزولِ عذاب کے وقت کسی کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے یا خوف زدہ ہو کر چلنے سے معذور نہ ہو جائے یا عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائے۔

۵۔ عذاب کی دو صورتیں تھیں پہلے یہ کہ بستی کو الٹ دیا گیا دوسری یہ کہ جو لوگ نکل کر بھاگے ان پر پتھریلی مٹی کے ٹکڑوں کا مینہ برسا جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ ان مٹی کے ٹکڑوں پر کچھ نشان بھی بنائے گئے تھے۔ یہ کھرنجے کی مٹی ایسی سخت تھی جیسے لوہا۔ جس جسم پر پڑتی تھی اُسے پھوڑ کر نکل جاتی تھی۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا، انہوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے

سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تم کو آسودگی میں دیکھ رہا ہوں (پھر ناپ تول میں کمی کی کیا ضرورت) میں تم کو اس دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں جو سب کو گھیر لے گا۔ اے قوم انصاف کے ساتھ پورا ناپا کرو اور پورا تولا کرو اور لوگوں کو کوئی چیز کم نہ دیا کرو اور روئے زمین پر فساد برپا نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو تو خدا کا بقیہ تمہارے لیے سب سے اچھا ہے۔ میں تمہارا نگہبان بن کر نہیں آیا ہوں (جو عذاب سے بچالوں گا)۔ انہوں نے کہا اے شعیب کیا تمہاری نماز (جسے تم پڑھا کرتے ہو) تمہیں یہ بتاتی ہے کہ جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں ان کو ہم چھوڑ دیں یا ہم اپنے مالوں میں جیسا چاہیں تصرف نہ کریں۔ تم تو ایک بردبار اور سمجھ دار آدمی ہو بات کو سمجھتے کیوں نہیں۔

حضرت شعیبؑ کی قوم بڑی بے ایمان تھی جب کوئی چیز دوسروں سے خریدتے تو دھاندلی کر کے زیادہ لے لیتے۔ اور جب اپنی کوئی چیز کسی کو دیتے تو کم تولتے یا کم ناپتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر رات دن لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ حضرت شعیبؑ نے ان کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو۔ تم خدا کے فضل سے کھاتے پیتے لوگ ہو پھر کیا وجہ ہے کہ اس بے ایمانی پر کمر باندھے ہوئے ہو۔ چونکہ حضرت شعیبؑ نماز پڑھتے تھے اس لیے قوم نے از روئے طعن و طنز کہا کہ کیا تمہاری نماز یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کو ہمارے آبا و اجداد پوجتے چلے آرہے ہیں۔ مذہب میں ہمیشہ تقلید زیادہ چلتی رہی ہے۔ لوگ جیسا اپنے بزرگوں کو کرتا دیکھتے تھے اُسی کو حق سمجھ کر خود بھی کرنے لگتے تھے۔ انبیاءؑ کا ٹوکنا انہیں ناگوار اسی لیے ہوتا تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کے اعتقاد کے خلاف کسی عقیدہ کو ماننا نہیں چاہتے تھے۔ نیز وہ چاہتے تھے کہ مالی معاملات میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، کوئی اس میں دخل دینے والا کون۔!

مال کی ہوس اس درجہ ان پر غالب آگئی تھی کہ وہ کمی کی کسی صورت کو بھی منظور کرنا نہیں چاہتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ عام رواج کے خلاف شعیبؑ کا کہنا ان کی بے عقلی کی دلیل ہے ان کو پرائے معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ خدا پر ایمان نہیں لائے تھے۔ اور شعیبؑ کے اس کہنے کو باور نہیں کرتے تھے کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں جو اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قوم کو غلط کاریوں سے بچالیں۔ جو لوگ بدی کو بدی ہی نہ سمجھتے ہوں ان پر کسی نبی کی نصیحت کیا کارگر ہو سکتی ہے۔ کسی قوم پر سب سے برا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ بدی کو نیکی سمجھ کر بجالانے لگے۔ قومِ شعیبؑ اسی مرض میں مبتلا تھی۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یہاں بالکل غیر مربوط ہے یہ کہیں اور سے لے کر یہاں بیچ میں لگا دیا گیا ہے۔ فصول المہمہ میں جو اہلِ سنت کے زبردست عالم صباغی کی تصنیف ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ظہورِ قائم آلِ محمدؐ کی علامات میں سے ہے۔ وقتِ ظہور حضرت دیوارِ کعبہ سے پشت لگا کر کھڑے ہوں گے اور تین سو تیرہ خالص مومن آپؑ کے پاس جمع ہوں گے۔ حضرت سب سے پہلے اسی آیت کی تلاوت کریں گے۔ اس وقت سب لوگ یا بقیۃ اللہ کہہ کر آپؑ سے خطاب کریں گے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

شعیب نے کہا اے قوم غور کرو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اُس نے مجھے اچھی حلال روزی کھانے کو دی ہے (تو کیا میں بھی تمہاری طرح حرام کھانے لگوں)۔ میں تو یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تمہیں روکوں اُسے خود کرنے لگوں۔ میں تو جہاں تک مجھ سے بن پڑے اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا اور میری تائید تو خدا کے سوا اور کسی سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ لوگو، میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی کہیں تم سے ایسا جرم نہ کرا دے جس کے باعث تم پر وہی مصیبت آجائے جیسی قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آئی تھی۔ قوم لوط کا زمانہ بھی تم سے کچھ دور نہیں (ان سے عبرت حاصل کرو) اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس سے توبہ کرو۔ میرا رب مہربان اور محبت والا ہے۔ انہوں نے کہا اے شعیب جو تم کہتے ہو ان میں سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔ ہم تو تمہیں اپنے لوگوں میں بہت ہی کمزور سمجھتے ہیں۔ اگر تمہارا قبیلہ (تمہاری پشت پر) نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے اور تم ہم پر غالب نہیں آسکتے۔

جناب شعیبؑ اپنی صداقت کی یہ دلیل پیش کر رہے ہیں کہ میں اگر کوئی غلط آدمی ہوتا تو جس کام سے تم کو منع کرتا ہوں اس کو خود بجالاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں تو تمہاری اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں۔ میں اپنے فرائض انجام دینے میں تمہاری مدد بھی نہیں چاہتا۔ میں تو اللہ پر توکل کیے ہوئے ہوں وہی میری مدد کرنے والا ہے۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ میری ضد میں کہیں تمہارا حال بھی وہی ہو جائے جو تم سے پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔ لوطؑ کی قوم کا جو حشر ہوا اُسے تو زیادہ دن بھی نہیں گزرے اور ان کی بستیاں تم سے کچھ دور بھی نہ تھیں ان سے عبرت حاصل کرو اور خدا سے توبہ استغفار کرو میرا رب رحم کرنے والا بھی ہے اور محبت کرنے والا بھی ضرور تمہارے گناہ بخش دے گا لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہنے لگے اگر تمہارا طاقتور قبیلہ تمہاری پشت پر نہ ہوتا تو ہم کب کا تمہیں ہلاک کر چکے ہوتے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

شعیبؑ نے فرمایا میرے بھائیو کیا میرے قبیلہ کا دباؤ تم پر اللہ سے بھی زیادہ ہے اور تم نے خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ میرا رب جو تم کرتے ہو اس کا علم رکھتا ہے۔ میرے بھائیو جو تمہارا دل چاہے اپنے مقام پر کیے جاؤ میں بھی اپنی جگہ پر کرتا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

کیسی عجیب بات تھی کہ قوم شعیبؑ ان کے قبیلہ سے تو ڈرتی تھی لیکن خدا سے نہیں ڈرتی تھی حالانکہ پہلے کتنی قوموں پر خدا کا عذاب نازل ہو چکا تھا۔ یہ لوگ ان کی برباد بستیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی چکے تھے پھر بھی ان کی آنکھیں نہ کھلیں۔ جب عقل انسانی پر پردے پڑ جاتے ہیں تو پھر اُس کو اپنی برائی نظر ہی نہیں آتی اور سمجھانے والے دشمن بن جاتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ہماری رحمت سے اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا اور ایک چیخ نے ظالموں کو لے ڈالا پس وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور ایسے مر مٹے گویا ان بستیوں میں بسے ہی نہ تھے جس طرح ثمود بارگاہِ باری سے دھتکارے گئے تھے اسی طرح مدین والے بھی دھتکارے گئے — ہم نے موسٰی کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ ان لوگوں نے فرعون ہی کے حکم کو مانا اور فرعون کا حکم سمجھا بوجھا ہُوا نہ تھا۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے چلے گا اور انہیں دوزخ میں لے جا کر جھونک دے گا وہ کس قدر بُرے گھاٹ اُتارے گئے۔ اس دُنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت میں بھی لگی رہے گی۔ کیا بُرا انجام ہے جو انہیں ملا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم کے جو پیشوا ہوں گے وہ روز قیامت ان کے آگے آگے چلیں گے نکوکاروں کے پیشوا نکوکار ہوں گے اور بدکاروں کے بدکار۔ ہر گروہ کو وہاں اُن کے پیشوا کے ساتھ پکارا جائیگا بدکاروں کی پیشوائی کرنا یہاں تو آسان ہے لیکن قیامت میں وہ بڑی دردناک داستان بن جائے گی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا

ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

اے رسول یہ چند بستیوں کے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض تو قائم ہیں اور بعض تہس نہس ہوگئیں۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ خدا کو چھوڑ کر جن معبُودوں کو وہ پکارا کرتے تھے انہوں نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا جب تمہارے رب کا حکم آ پہنچا تو ان کے معبُودوں نے ہلاکت کے سوا کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ اے رسول جب بستیوں کے لوگوں کو سرکشی کی بنا پر تمہارا رب عذاب میں پکڑتا ہے تو اس کا عذاب ایسا ہی سخت ہوتا ہے۔ جو شخص عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے اس میں اس کے لیے ہماری قدرت کی ایک نشانی ہے وہ ایسا دن ہوگا کہ سارے جہان کے لوگ جمع ہو جائیں گے اور ہماری بارگاہ میں حاضر ہونے کا یہی دن ہوگا اور ہم ایک معیّن مدت تک اس میں تاخیر کر رہے ہیں۔

خدا عادل ہے۔ رحیم ہے۔ گناہوں کا بخشنے والا ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ظلم کرتے ہیں خود لوگ اپنے اُوپر خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہیں اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو گا۔ پھر رُوئے زمین پر فساد برپا کرتے ہیں۔ خدا کے نیک بندوں کو ستاتے ہیں۔ الغرض جو عذاب خدا کی طرف سے ان پر آتے ہیں وہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

جب وہ دن آپہنچے گا تو بے اِذنِ خدا کوئی بات تک نہ کر سکے گا۔ لوگوں میں کچھ تو بدبخت ہوں گے کچھ نیک بخت۔ جو شقی ہوں گے وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے اور وہاں ان کی چیخ پکار ہوگی اور جب تک آسمانوں اور زمین کا وجود ہے وہ اسی میں رہیں گے مگر جب تمہارا پروردگار (نجات دینا) چاہے۔ بے شک تمہارا ربّ جو ارادہ کرتا ہے اُسے کر ہی ڈالتا ہے۔ اور جو لوگ نکوکار ہوں گے وہ جنّت میں ہوں گے اور جب تک آسمان و زمین قائم ہیں وہ اسی میں رہیں گے مگر یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے اور خدا کی یہ بخشش غیر منقطع ہوگی۔

اِن آیات میں چند باتیں قابلِ توضیح ہیں ؛

۱۔ قیامت میں بے اذنِ خدا کسی کو کلام کرنے کی اجازت نہ ہوگی وہاں لوگوں کی زبانوں پر مُہرِ سکوت لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ یا یہ مراد ہے کہ گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے بھی بے اذنِ الٰہی ایک حرف اپنی زبان سے نہ نکال سکیں گے ہاں خدا سے اِذن لے کر سفارش کر سکیں گے جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵)

۲۔ شقی و سعید سے مراد وہ لوگ ہیں جو از روئے اعمال اچھے یا بُرے تھے۔ یعنی فروعی مسائل میں جن لوگوں نے اچھے اعمال کیے وہ سعید ہوں گے اور جنہوں نے غلط کاری سے کام لیا وہ شقی ہوں گے۔

۳۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ محاورۂ عرب کے مطابق اس سے مراد ہمیشگی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد عالمِ برزخ کی جزا و سزا ہے کیونکہ قیامت سے پہلے تک کا جو برزخی زمانہ ہوگا اس میں آسمان و زمین موجود ہوں گے البتہ قیامت میں یہ کارخانہ درہم برہم کر دیا جائے گا۔

۴۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ سے یہ مراد ہے کہ اگر خدا چاہے تو اشقیا کو کچھ دن ان کے اعمالِ نیک کی جزا

کے طور پر جنّت میں رکھ کر پھر انہیں دوزخ میں داخل کر دے گا اور جن نیک لوگوں نے گناہ کیے ہوں گے ان کی سزا میں کچھ دن دوزخ میں رکھ کر پھر جنّت میں لے جائے گا اور پھر خدا کی یہ بخشش غیر منقطع ہوگی۔ (مراد برزخی جنّت و دوزخ ہے)

۵۔ جن لوگوں کے اصول غلط ہوں گے مثلاً توحید کو نہ مانا ہوگا۔ نبوّت کو تسلیم نہ کیا ہوگا۔ قیامت پر ایمان نہ ہوگا امامت کے منکر ہوں گے تو ان کی بخشش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے انہوں نے کتنے ہی اچھے کام کیوں نہ کیے ہوں۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾

یہ لوگ خدا کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہیں تم ان کے بارہ میں شک میں نہ پڑنا یہ تو ایسی ہی عبادت کرتے ہیں جیسے ان سے پہلے ان کے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ ہم قیامت میں ان کو عذاب کا حصّہ پورا پورا بے کم و کاست دیں گے۔ ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی لوگوں نے اس میں اختلاف کیا اگر تمہارے رب کی طرف سے تاخیرِ عذاب کا حکم پہلے سے نہ ہو گیا ہوتا تو ان کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کب کا کر دیا گیا ہوتا۔ یہ کفار تو قرآن کے معاملہ میں بڑے گہرے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ بیشک تمہارا رب ان کی کارستانیوں کا بھرپور بدلہ دے گا۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ بتوں کی یہ عبادت کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ان لوگوں کے آباؤ اجداد بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ لوگ تقلیداً ان ہی کے پیرو ہیں۔ ہم نے موسیٰؑ پر جب توریت نازل کی تو لوگوں نے کیا کیا۔ اختلاف پیدا کر کے نئے نئے فرقے بنا لیے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں خدا اس کا پورا پورا بدلہ قیامت میں ان کو دے گا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

اے رسول جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے سیدھے کھڑے رہو اور وہ لوگ بھی جنہوں نے تمہارے ساتھ کفر سے توبہ کی اور سرکشی نہ کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ (اے مسلمانو) جن لوگوں نے (ہماری نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا ہے تم ان کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ دوزخ کی آگ تمہیں آلپٹے گی خدا کے سوا کوئی تمہارا سرپرست نہیں پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہ کرے گا۔ دن کے دونوں کنارے اور کچھ رات گئے تک نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں یقیناً گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ ہماری یاد کرنے والوں کے لیے یہ باتیں نصیحت ہیں۔ صبر سے کام لو اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ان میں کچھ لوگ ایسے کیوں نہ ہوئے جو روئے زمین پر فساد پھیلانے سے روکا کرتے مگر ایسے لوگ تھوڑے سے تھے جن کو ہم نے عذاب سے بچا لیا اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی وہ ان ہی لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جو ان کو دی گئی تھیں اور وہ لوگ مجرم تھے ہی۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ کا مطلب یہ ہے کہ جس صراطِ مستقیم پر تم ہو اس سے ذرا اِدھر اُدھر نہ ہونا۔ کسی خط پر بالکل سیدھا کھڑا رہنا آسان کام نہیں۔ حضورؐ نے خود فرمایا ہے شَيَّبَتْنِيْ سُوْرَةُ هُوْد۔ سورۂ ہود نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسے فرمایا: اس میں حکم ہے کہ تم سیدھے کھڑے رہو۔ دو نقطوں کے

درمیان جو خط نکلتا ہے وہ سیدھا خط ہوتا ہے اس کے اِدھر اُدھر جتنے خطوط نکلیں گے وہ سب کج بھی ہوں گے اور سیدھے خط سے لمبے بھی۔ مثلاً شجاعت ایک وسطی خط ہے جو صراطِ مستقیم ہے اس کے اِدھر اُدھر والے خطوط سب شجاعت نہیں کہلائیں گے، تہور/جبن شجاعت اگر بال برابر قدم اوپر اُٹھ گیا تو تہور یعنی اُجڈ پن میں شمار ہوگا اور اگر بال برابر نیچے آ گیا تو بزدل کہلائے گا۔ پس رسولؐ کو حکم ہے فضائل چہارگانہ میں جو حکمت، عفت، عدالت اور شجاعت کہلاتے ہیں تمہارا قدم کسی منزل پر بال برابر نیچے یا اوپر نہ ہو۔ کس قدر مشکل مرحلہ ہے۔ مگر رسولؐ نے اس حکم کو اس طرح پورا کر کے دکھایا کہ خدا نے اس کی تصدیق کر دی کہ بیشک تم صراطِ مستقیم پر ہو یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۳۶/۲،۳،۴ خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جو لوگ خدا کے نافرمان بندے ہیں تم ان پر اعتماد نہ کرو۔ ان کی دوستی کی طرف مائل نہ ہو۔ جب انہوں نے خدا ہی سے بے تعلقی کر لی تو بھلا تم سے کیا تعلق رکھیں گے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ۔ اس آیت سے پانچوں وقت کی نماز کا حکم نکلتا ہے۔ دونوں کناروں سے مراد ہے صبح ظہر و عصر کی نماز اور رات گئے سے مراد مغرب و عشاء کی نماز۔

یہ بھی بتایا گیا کہ اگر تم نماز باقاعدہ پابندی سے پڑھتے رہو گے تو تمہارے گناہ روز بروز کم ہوتے جائیں گے یعنی نماز کی برکت سے تم نیکیوں کی طرف زیادہ مائل ہو گے اور گناہوں کی طرف کم۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

تمہارا رب ایسا بے انصاف نہیں کہ ظلم سے ان بستیوں کو اُجاڑ دیتا جن کے باشندے نیکوکار تھے۔

جن بستیوں پر عذاب نازل ہونے کا ذکر پہلے آ چکا ہے خدا نے ان کو اس لیے تباہ و برباد کیا کہ ان کے باشندے ظالم، سرکش اور نافرمان تھے۔ خدا ایسا کبھی نہیں کرتا کہ ان بستیوں پر اپنا عذاب نازل کرے جن کے باشندوں میں نیکوکاری اور فرمانبرداری پائی جائے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ

مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی قسم کی اُمّت بنا دیتا (مگر اس نے ایسا نہ چاہا) اس لیے لوگ آپس میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تمہارا رب رحم فرمائے۔ اسی لیے تو اُس نے انہیں پیدا کیا ہے اور اسی لیے تو تمہارے رب کا حکم پُورا ہو کر رہا۔ یقیناً ہم جنّات اور آدمیوں سے جہنّم کو بھر دیں گے۔ اے رسول انبیائے ماسلف کے ان تمام حالات کو ہم تم سے بیان کیے دیتے ہیں جن سے تمہارے دل کو مضبُوط کر دیں، انہی قصّوں میں تمہارے پاس حق (قرآن) اور مؤمنین کے لیے نصیحت اور یاددہانی تھی۔ جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دو تم بجائے خود عمل کرو ہم بھی بجائے خود کرتے ہیں۔ تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو ہم بھی کرتے ہیں۔ آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کا علم خدا ہی کو ہے اور اسی کی طرف ہر کام پھر کر لوٹتا ہے پس اسی کی عبادت کرو اور اسی پر توکّل کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے غافل نہیں۔

بے شک خدا کو اس پر قدرت ہے کہ وہ سب انسانوں کو ایک ہی مذہب اور ایک ہی ذہنیت کا بنا دیتا لیکن اُس نے ایسا کیا ہی نہیں کیونکہ اس صورت میں نہ انبیاء و مرسلین کے بھیجنے کی ضرورت ہوتی نہ کتابیں نازل کرنے کی اور نہ عقلِ انسانی کا امتحان ہوتا۔ نہ معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی مسائل کے اچھے بُرے ہونے کا پتہ چلتا۔ اس سے نظامِ عالم میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں۔ اس نے انسان کو فاعلِ مختار بنایا اور نیکی و بدی کے راستے بتا دیئے اور اس کو اختیار دیا کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اچھا راستہ اختیار کرے ورنہ مجبوری کی حالت میں اس کے اعمال قابلِ جزا و سزا ہی نہ رہتے۔
قرآن میں انبیاء کے جو جا بجا قصّے بیان کیے گئے ہیں وہ اس لیے ہیں کہ ان کو جان کر رسولؐ کا دل مضبوط ہو جائے اور یہ سمجھ لیں کہ ان کی قوم سے جو مصیبتیں ان پر نازل ہوئی ہیں وہ صرف انہی پر نہیں آئیں بلکہ تمام انبیائؑ اپنی قوموں کے

ہاتھوں یہ مصیبتیں جھیلتے رہے ہیں۔ اسی طرح مؤمنین کو یہ بھی سبق لینا چاہیئے کہ جس طرح زمانۂ ماسلف میں اہلِ ایمان کو کفّار و مشرکین ستاتے رہتے تھے وہ بھی ستائے جا رہے ہیں پس جس طرح انہوں نے صبر و ضبط سے کام لیا تھا ان کو بھی لینا چاہیئے۔ اور اپنے نافرمان بندوں کو بھی یہ بتا دیا گیا کہ جو تمہارا دل چاہے باختیارِ خود کیے جاؤ لیکن یہ سمجھتے رہنا کہ ایک دن اس سرکشی کی سزا تم کو ضرور ملے گی۔ خدا کی گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ ایک دن تم سب کو اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالٰے تمہارے کسی عمل سے غافل نہیں ہے۔

---

(۱۲) سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ (۵۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾

الٓرا۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ ہم نے عربی زبان میں قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔ اے رسول ہم قرآن نازل کر کے ایک بہترین قصّہ بیان کرتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے تمہیں معلوم نہ تھا جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا ابّا جان میں نے گیارہ ستارے خواب میں دیکھے ہیں اور سورج اور چاند اور یہ دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب نے کہا، بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ تم سے وہ کوئی چال چل جائیں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھُلا دشمن ہے۔

اس قصّہ کو خدا نے بہترین قصّہ فرمایا ہے کیونکہ اس میں بہت سی اخلاقی نصیحتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک رات حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ایک ایسا نُور ہے جس سے سارا جہان روشن ہو گیا ہے۔ میں ایک اُونچے پہاڑ پر کھڑا ہوں مجھے ایک نورانی پوشاک پہنائی گئی ہے جس سے سب چیزیں روشن ہو گئیں۔ پھر زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے سامنے رکھ دی گئیں۔ یہ خواب حضرت یوسفؑ نے صرف حضرت یعقوبؑ سے بیان کیا تھا مگر کسی بھائی کی بی بی جاگتی تھی اُس نے سُن لیا اور اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس کے بعد یہ خواب سب بھائیوں کو معلوم ہو گیا۔

حضرت یوسفؑ کی پیدائش کا زمانہ انیس سو چھ سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے اور جب سترہ سال کے تھے تب یہ خواب دیکھا تھا بعض نے ان کی عمر ۱۱ سال لکھی ہے بعض نے ۱۰ سال اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے مختلف بی بیوں سے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسفؑ اور ابن یامین ایک ماں سے تھے جن کا نام راعیل تھا۔ ان کے مرنے کے بعد حضرت یوسفؑ کو ان کی خالہ راحیل نامی نے پرورش کیا۔ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے بہت محبت تھی جس کی دو وجہیں تھیں اوّل تو وہ بے ماں کے تھے دوسرے ان کے چہرہ سے آثارِ نبوت منکشف ہوتے تھے۔ خواب دیکھنے کے بعد حضرت یعقوبؑ کے خیال کو اور زیادہ تقویت پہنچی۔

اولادِ انبیاءؑ میں تین نبی ایسے تھے جن کی اولاد میں حسد کی بیماری اس حد تک زور پکڑ گئی کہ بھائی بھائی کے قتل پر تیار ہو گیا۔ سب سے پہلے آدمؑ کے دو بیٹوں میں حسد پیدا ہُوا اور قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ دُوسرے اولادِ اسحٰق میں حضرت یعقوبؑ سے ان کے بھائی عیص کو حسد ہُوا اور یعقوبؑ کو مجبوراً وطن چھوڑنا پڑا۔ بعد میں بھائی بھائی مِل گئے۔ تیسرے اولادِ یعقوبؑ میں یہ بیماری پھیلی اور یوسفؑ کے درپئے آزار ہُوئے۔

دو ہزار برس پہلے کا واقعہ اس تفصیل سے قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ یہودی حیران ہو گئے۔ انہوں نے حضرتؐ سے اس قصّہ کے متعلق اس لیے سوال کیا تھا کہ حضرتؐ اسے بیان نہ کر سکیں گے اور ہم سے دریافت کریں گے اس صورت میں ان کی نبوّت کی پول کُھل جائے گی لیکن جب قرآن نے پوری تفصیل سے بیان کیا تو یہودی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور ان پر ظاہر ہو گیا کہ وحی کے سوا کوئی دوسرا اس طرح بیان نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس واقعہ کے بیان نے آنحضرتؐ کی نبوّت کی تصدیق بھی کر دی۔ دوسرے یہودیوں نے جو غلط قصّہ بنا رکھا تھا اس سے بھی آگاہ کر دیا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی حضرت یوسفؑ سے اس لیے زیادہ محبت تھی کہ وہ ان کی ساری اولاد میں زیادہ حسین تھے۔ ایک نبی کی محبّت کا یہ معیار اس کے وقارِ نبوّت کے منافی ہے۔ حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے جو ستم آگیں کردار پیش کیا جس کا ذکر آگے آئے گا ایک ایسے باپ کے لیے جو درجۂ نبوّت پر فائز ہو کبھی جاذبِ محبّت نہیں ہو سکتا۔ برخلاف ان کے یوسف علیہ السلام جو کردار پیش کر رہے تھے وہ باپ کی معصوم نگاہوں میں کُھب جانے والا تھا۔ پس جذبِ محبّت کا سبب حسنِ سیرت تھا نہ کہ حسنِ صورت۔ حسنِ صورت بھی ایک دلکش چیز ہے لیکن حسنِ سیرت سے زیادہ نہیں۔

اس سورہ میں حضرت یوسفؑ کا خواب ان کے بھائیوں کی بدسلوکی، کنوئیں میں ڈالنے، مصر میں حضرت یوسفؑ کا فروخت ہونا، زلیخا کے گھر جانا، بادشاہِ مصر کا خواب، حضرت یوسفؑ کی عفّت کی گواہی ایک شیرخوار بچے کا دینا، حضرت یوسفؑ

کا قید ہونا۔ بادشاہِ مصر کا خواب، حضرت یوسفؑ کا تعبیر بتانا، بادشاہِ مصر ہونا، ان کے بھائیوں کا غلّہ کے لیے مصر آنا، یوسفؑ کا ان کو پہچان لینا، بنیامین کو روک لینا، حضرت یعقوبؑ کے پاس اپنا کُرتا بھیجنا، ان کا بینا ہونا، حضرت یوسفؑ کے خاندان کا مصر آنا، حضرت یوسفؑ سے سب کا ملنا وغیرہ کا ذکر ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝

اور ایسا ہی ہو گا کہ تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا اور اپنی نعمت تم پر اُس طرح پوری کرے گا جیسے اس سے پہلے تمہارے دادا پردادا ابراہیم و اسحاق پر پوری کر چکا ہے بیشک تیرا رب بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصّہ میں پوچھنے والوں (یہودیوں) کے لیے تمہاری نبوّت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ جب یوسف کے بھائیوں نے (آپس میں) کہا، یوسف اور اُس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہماری بڑی جماعت ہے۔ یقیناً اس معاملہ میں ہمارے باپ کُھلی غلطی میں ہیں۔ یوسف کو یا تو قتل کر ڈالو یا کسی جگہ چل کر پھینک آؤ۔ پھر ہمارے باپ کی توجّہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم (باپ کی نظر میں) بھلے آدمی بن جاؤ گے۔

اِن آیات میں چند باتیں قابلِ بیان ہیں:

۱۔ حضرت یعقوبؑ بعلمِ نبوّت یہ جان چکے تھے کہ بارگاہِ ایزدی سے یوسفؑ کو کیا کیا ملنے والا ہے۔ ان کو پُورا یقین تھا کہ میری اولاد میں صرف یوسفؑ ہی درجۂ نبوّت پر فائز ہونے والے ہیں۔

۲- یوسفؑ کے بھائیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے باپ ہم سے زیادہ یوسفؑ سے محبت کرتے ہیں اسی امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ ان کو اپنا کردار خود ایسا خراب نظر آرہا تھا کہ ان سے پوری طرح محبت نہ کی جائے۔

۳- یہ کہنا کہ ہماری بڑی جماعت ہے اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ وقتِ مصیبت ہم ان کے کام زیادہ آسکتے ہیں کیونکہ ہماری تعداد زیادہ ہے اور طاقت میں یوسفؑ اور اس کے بھائی سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا باپ کو ہماری طرف رجوع کرنی چاہیئے۔ جو مدد ان کو ہم سے مل سکتی ہے وہ یوسفؑ سے نہیں مل سکتی۔ پس ان کا جھکاؤ یوسفؑ کی طرف یقیناً ان کی رائے کی غلطی کا صاف صاف اظہار ہے۔

۴- ان کا خون کس درجہ سفید ہو گیا تھا اور یہ رائے دینا کس درجہ ان کو شرافت اور انسانیت کے درجہ سے گرا رہی تھی کہ وہ یوسفؑ کے قتل کے درپے تھے یا کسی ایسے دُور دراز اور وحشتناک مقام پر چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتے تھے جہاں یوسفؑ کی جان خطرہ میں پڑ جائے۔

۵- ان کا یہ فیصلہ کس قدر احمقانہ تھا کہ یوسفؑ کے مرنے کے بعد باپ کی ساری توجہ ان کی طرف ہو جائے گی وہ فطری قوانین کو اپنی وحشیانہ غرض کے تحت قطعاً بھولے ہوئے تھے، وہ یہ نہ سمجھے ؂

کس نیاید بزیر سایۂ بوم ورہما از جہاں شود معدوم

(ترجمہ) "کوئی اُلّو کے سایہ کے نیچے نہ آئے گا اگر ہُما دنیا سے ناپید ہو جائے"۔ وہ باپ کی نظر میں بد سے بدتر بن جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان پر خود غرضی کا بھوت سوار ہوتا ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے اور پھر وہ گناہ پر گناہ اپنے اُوپر لادتا چلا جاتا ہے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

ان میں سے ایک نے کہا بھئی یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں میں لے جا کر ڈال دو۔ کوئی راہ گیر اسے نکال کر لے جائے گا۔ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو یہی کرو۔ (وہ سب مل کر باپ کے پاس آئے) کہنے لگے بابا جان یہ کیا بات ہے کہ یوسف کے بارہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اُسے ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ (جنگل میں جا کر) کچھ کھائے پیئے اور کھیلے کودے ہم اس کی ہر طرح حفاظت کریں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی پہلے بھی ان سے کچھ ایسی بدسلوکیاں کر چکے تھے جن کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ کو ان سے نیک سلوک کی اُمید نہ رہی تھی تب ہی تو بھائیوں نے کہا کہ کیا وجہ ہے یوسفؑ کے بارہ میں آپ کو ہم پر اعتماد نہیں

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا تمہارا لے جانا میرے اُوپر شاق ہے۔ (مجھے یہ اندیشہ ہے کہ) اُسے بھیڑیا نہ کھا جائے جبکہ تم اس سے غافل ہو۔ انہوں نے کہا بھیڑیا کیسے کھا جائے گا درآنحالیکہ ہماری پوری جماعت ہے اگر ایسا ہو تو پھر ہم بڑے ہی نکمے ہوں گے۔ غرض جب وہ یوسف کو لے گئے اور سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ یوسف کو اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں (جب ایسا کر گزرے تو) ہم نے یوسف کو وحی کی (گھبراؤ نہیں) ایک وقت آئے گا کہ تم ان کو ان کی یہ حرکت جتاؤ گے درآنحالیکہ وہ انجام سے بے خبر ہوں گے۔ شام کو وہ اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے، بابا جان ہم تو دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا بھیڑیا آیا اور اس کو کھا گیا۔ اگرچہ ہم سچے ہیں مگر آپ ہماری بات پر کیوں یقین کرنے لگے۔ اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ مُوٹ کا خون لگا کر لے آئے۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا (بھیڑیئے

نے نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے تمہارے بچاؤ کے لیے یہ تدبیر گڑھی ہے (ورنہ کرتا پھٹا ہوا ضرور ہوتا) پس اب صبر و شکر ہی کرنا ہے جو تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

مثل مشہور ہے چھپتی نہیں ہے بات بنائی ہوئی کبھی۔ یوسف کے بھائیوں نے جو کچھ کرنا تھا وہ تو کر گزرے لیکن اُوپر سے الزام ہٹانے میں جو بات انہوں نے بنائی وہ بنی نہیں۔ کرتے پر ایک بکرے کا خون تو لگا لائے لیکن اس پر غور نہ کیا کہ جس کرتے والے کو بھیڑیئے نے کھایا اُس کے بدن پر اس کی قمیص صحیح سالم کیسے رہی۔ بھیڑیئے کے پنجوں سے ضرور اس کو ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا چاہیئے تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اس خون کو جو قمیص پر تھا سونگھ کر کہا یہ میرے یوسفؑ کا خون نہیں۔ انبیاءؑ کے حواسِ خمسہ عام لوگوں سے جُدا ہوتے ہیں۔ جناب سلیمانؑ نے وادیٔ نمل میں چیونٹی کی آواز سُن لی تھی اور اُسی چیونٹی کو پہچان کر جا پکڑا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اس بھیڑیئے کو آواز دی وہ دوڑا ہوا چلا آیا۔ آپؑ نے اس سے پوچھا کیا تُو نے میرے یوسفؑ کو کھایا ہے۔ اُس نے کہا یا نبیؐ اللہ ہم درندوں پر انبیاءؑ اور اولادِ انبیاءؑ کا خون حرام ہے یوسفؑ کے بھائیوں نے شقاوت کی انتہا کر دی تھی جب یہ یوسفؑ کو لے کر چلے تھے تو حضرت یعقوبؑ نے کھانے پینے کا سارا سامان ساتھ کر دیا تھا لیکن جب جنگل میں پہنچے تو انہوں نے پہلے تو حضرت یوسفؑ کو خوب مارا پھر ان کی قمیص اتاری جب حضرت یوسفؑ نے پانی مانگا تو انہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا اور صراحی کا پانی ان کی آنکھوں کے سامنے زمین پر گرا دیا۔ پھر انہیں ایک رسّی میں باندھ کر کنوئیں میں ڈالا۔ جب آدھے کنوئیں تک پہنچے تو رسّی چھوڑ دی مقصد یہ تھا کہ ایسا کرنے سے وہ ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے خدا نہ مارے اُسے کون مار سکتا ہے۔ خدا کے فرشتہ نے ان کو آلیا اور نہایت آرام سے انہیں کنوئیں کی سطح تک پہنچا دیا۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

(مصر کا ایک قافلہ ادھر سے گزرا) انہوں نے اپنے سقہ کو پانی بھرنے کے لیے بھیجا۔ جب اُس نے اپنا ڈول کنوئیں میں ڈالا تو (یوسفؑ اس میں ہو بیٹھے جب اس نے کھینچا اور یوسفؑ کو دیکھا تو) خوش ہو کر کہنے لگا کہ یہ تو لڑکا ہے قافلہ والوں نے انہیں قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا حالانکہ جو کچھ یہ لوگ کرتے تھے خدا اس سے خوب واقف تھا۔

یوسفؑ کے بھائی کنوئیں کے آس پاس لگے ہوئے تھے۔ جب یوسفؑ برآمد ہوئے تو اس سقہ سے جھگڑا کرنا

شروع کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے ہمیں دے دو۔

سقہ نے حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر خوشی کا اظہار اس لیے کیا کہ اسے غلام بنا کر فروخت کروں گا تو بڑی قیمت ملے گی کیونکہ نہایت حسین لڑکا ہے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْۤ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

یوسف کے بھائیوں نے (یوسفؑ کو اپنا غلام بتا کر) کھوٹے چند درہم میں بیچ ڈالا اور وہ لوگ یوسفؑ سے بیزار ہو ہی رہے تھے۔ (قافلہ والوں نے مصر میں جا کر یوسفؑ کو بڑے نفع سے بیچ ڈالا) مصر کے جس شخص نے انہیں خریدا تھا اپنی بی بی سے کہنے لگا اس کو اچھی طرح سے رکھنا بعید نہیں کہ یہ ہمارے لیے مفید ہو یا ہم اسے بیٹا بنا لیں یوں ہم نے یوسف کو مصر میں جگہ دے کر قابض بنایا۔ اور غرض یہ تھی کہ ہم اُسے خواب کی باتوں کی تعبیر سکھائیں خدا تو اپنے ہر امر پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔ جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم (نبوّت) اور علم عطا کیا اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں جس عورت کے گھر میں

وُہ تھے اُس نے (ناجائز) مطلب حاصل کرنے کے لیے خود ان سے آرزو کی اور دروازے بند کر کے (بیتابانہ) کہنے لگی لو آؤ۔ یوسف نے کہا معاذ اللہ وہ (تمہارے شوہر) میرے مالک ہیں انہوں نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے (میں ایسا ظلم کیسے کر سکتا ہوں) بے شک ایسا ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔ زلیخا نے تو ان کے ساتھ بُرا ارادہ کر ہی لیا تھا تو یہ بھی قصد کر بیٹھتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ چکے ہوتے ہم نے اس کو یوں بچایا تاکہ ہم اس سے بُرائی اور بدکاری کو دُور رکھیں وُہ (یوسف) ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ جب حضرت یوسفؑ خانۂ زلیخا میں آئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالغ نہ تھے لہٰذا جن مفسروں نے ان کی عمر ۱۷ سال لکھی ہے وہ غلط ہے۔ جب حدِ بلوغ کو پہنچے تب خدا نے ان کو نبوت اور علم عطا کیا۔ جب تک یوسفؑ بالغ نہ ہوئے زلیخا ان کو ناز و نعمت سے پالتی رہی۔ اس کا بدارادہ بھی یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی اس کے دل میں پرورش پاتا رہا۔

۲۔ زلیخا نے اپنے ناز و ادا سے ہر چند حضرت یوسفؑ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر وہ کسی طرح اس کی طرف مائل نہ ہوئے۔

۳۔ زلیخا کا شوہر چونکہ نامرد تھا اور اس کی بھرپور جوانی تھی اور مصر کی حسین عورتوں میں اس کا شمار تھا، لہٰذا جنسی جذبات اس کے دل میں زور مارتے رہتے تھے۔

۴۔ جب اس نے دیکھا کہ یوسفؑ برضا و رغبت اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو اس نے یہ چال چلی کہ اس کے مکان میں جو چند کوٹھریاں آگے پیچھے تھیں ان میں سے سب سے آخر والی کوٹھری میں کوئی چیز رکھ دی اور یوسفؑ سے کہا، جاؤ اُسے اٹھا لاؤ۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو اس نے ہر دروازہ پر تالا ڈال دیا۔ آخری کوٹھری میں پہنچ کر وُہ برہنہ ہو گئی اور حضرت یوسفؑ سے کہا آؤ میری خواہش پوری کرو۔ غور کیجئے کہ حضرت یوسفؑ کے لیے کیسا نازک موقع تھا اوّل تو وہ خود جوان تھے پھر حسین عورت شباب میں بدمست ان کو ایسے عالم میں بُلا رہی تھی۔ دوسرا ہوتا تو ہرگز ضبط نہ کر سکتا اور اس کی خواہش پوری کر دیتا۔ مگر انبیاءؑ کے صبر و ضبط کس نے پائے۔ ان کی پاکیزگی نفس کی منزلیں بہت اُونچی ہوتی ہیں۔

۵۔ حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا تو کیسی احمقانہ خواہش کر رہی ہے تیرا شوہر میرا مالک ہے۔ مجھ سے اچھا برتاؤ کرتا ہے کیا اس کے احسان کا یہی بدلہ ہے کہ میں اس کی ناموس کی عصمت پر حملہ کروں۔ جب انہوں نے صاف انکار کر دیا تو زلیخا جھنجھلا گئی۔ کہنے لگی اب تم بچ کر کہاں جا سکتے ہو میں نے سب دروازے بند کر دیے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا جن دروازوں کو تُو نے بند کیا ہے میرا خدا ان کو کھول دے گا۔ چنانچہ جب آپؑ اس سے پیچھا چھڑا کر بھاگے تو ہر دروازہ کھلتا چلا گیا اور آپؑ صحن میں جا پہنچے۔ زلیخا بے تابانہ ان کے پیچھے دوڑی ہوئی آئی اور لپک کر ان کی قمیص کا دامن پیچھے سے پکڑ لیا۔ آپؑ نے زور مارا تو قمیص کا دامن پیچھے سے پھٹ گیا آپؑ نے چاہا کہ اس کے گھر سے باہر نکل جائیں

۶۔ اللہ نے حضرت یوسفؑ کو حکم اور علم دو چیزیں عطا فرمائیں حکم سے مراد قوتِ فیصلہ ہے چونکہ وہ مصر کے بادشاہ ہونے والے تھے لہٰذا اس قوت کی ان کو ضرورت تھی۔ دوسرے علم سے مراد وہ علم ہے جو بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے۔

۷۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّيْ أَحْسَنَ مَثْوَايَ۔ میں رب کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے رب سے مراد شوہر زلیخا لی ہے۔ بعض نے رب سے مراد اللہ لکھ لیا ہے اور یہی زیادہ قرینِ عقل و انصاف ہے۔ إِنَّهُ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔ شوہر زلیخا کا کہاں ذکر ہے۔ دوسرے ایک نبی کے لیے لازم بھی یہی ہے کہ وہ ارتکابِ گناہ سے بچنے کے لیے اللہ کو پیشِ نظر رکھے نہ کہ ایک انسان کو۔

۸۔ جو برہان حضرت یوسفؑ کے پیشِ نظر تھی اور جس کی وجہ سے وہ زنا سے رُکے ہوئے تھے وہ وحی کا یہ مضمون تھا جو ان کے دل پر القا ہوا تھا کہ ایک ایسے امر کی طرف کیوں سبقت کرو جو تمہارے لیے جائز نہیں یہ زلیخا ملکِ غیر ہے تمہیں اس پر تصرف کا کوئی حق نہیں۔ خلافِ نہی الٰہی کر کے خدا کے عذاب کے مستحق کیوں بنو۔

۹۔ حضرت یوسفؑ کا یہ سخت امتحان تھا جوان کی پاکیزگی نفس کو لوگوں پر واضح کرنے اور بنی نوع انسان کو ان کی زندگی کے اس نازک وقت سے سبق حاصل کرنے کے لیے لیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ امتحان تھا اور بڑا سخت امتحان تھا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سکتۃ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـــِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

دونوں دروازے کی طرف جھپٹے اور یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ دونوں نے زلیخا کے

شوہر کو دروازہ کے پاس کھڑا پایا۔ زلیخا کہنے لگی جو تمہاری بی بی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ یا تو اسے قید کر دیا جائے یا کوئی دردناک سزا دی جائے۔ یوسف نے کہا یہ خود ہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور زلیخا کے خاندان سے ایک (بچہ) نے گواہی دی کہ ان کی قمیص دیکھو اگر آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف جھوٹے ہیں اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی اور یوسف سچے ہیں۔ جب قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو زلیخا کے شوہر نے کہا۔ یہ تم عورتوں کے چلتر ہیں اور تم عورتیں بڑی مکار ہوتی ہو۔ اے یوسف اس واقعہ سے درگزر کرو۔ اے زلیخا تو اپنے گناہ کے لیے استغفار کر بے شک تو خطاکاروں میں سے ہے۔

ان آیات کے سلسلہ میں چند باتوں پر غور فرمایئے:

۱۔ زلیخا کے انداز سے اس کے شوہر کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ یوسفؑ کی طرف مائل ہے۔ وہ دروازہ پر اس ٹوہ میں کھڑا ہوا تھا کہ دیکھوں شرارت کس کی طرف سے ہے۔

۲۔ زلیخا کا عشق اگرچہ اس کی اجازت نہ دیتا تھا کہ یوسف کو کسی مصیبت میں مبتلا کرے۔ مگر معاملہ ایسا نازک ہو گیا تھا کہ اگر یوسفؑ پر الزام نہ لگاتی تو شوہر کی نظر میں مجرم قرار پاتی۔ دوسرے اسے اپنی بدنامی کا خوف بھی تھا۔ لہٰذا اس نے بے گناہ یوسفؑ پر الزام تراشی ہی مناسب سمجھی۔

۳۔ زلیخا کی خالہ کا لڑکا گہوارہ میں پڑا ہوا تھا وہ یہ سب واقعہ اپنی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ جب حضرت یوسفؑ پر زلیخا نے تہمت لگائی اور اس کے شوہر نے یوسفؑ سے کہا کیوں یوسف کیا میرے حسنِ سلوک کا یہی بدلہ ہے تو آپ نے فرمایا میں اس معاملہ میں اپنی زبان سے صرف یہی کہتا ہوں کہ میں بے گناہ ہوں تمہاری بی بی نے خود ہی مجھے دعوتِ گناہ دی تھی اور اس کا گواہ یہ بچہ ہے جو گہوارہ میں پڑا ہوا ہے۔ اس نے کہا گناہ کرنے کے بعد تمہاری عقل ماری گئی ہے بھلا یہ بچہ جس کی زبان تک ابھی نہیں کھلی تمہاری پاکدامنی کی کیا گواہی دے گا۔ فرمایا، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اس سے پوچھ کیوں نہیں لیتے۔ الغرض وہ اور یوسفؑ اور زلیخا اس بچہ کے پاس آئے۔ اور اس کی گواہی طلب کی۔ اس نے کہا یوسفؑ کی قمیص کو دیکھو اگر یہ آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا سچی ہے یوسفؑ نے ہاتھا پائی کی ہو گی قمیص پھٹ گئی ہو گی اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یوسفؑ سچے ہیں۔ یہ بھاگے ہوں گے اس نے دامن پکڑا ہو گا کھینچا تانی میں پیچھے سے دامن پھٹ گیا ہو گا۔ جب دیکھا کہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو شوہر کو یقین ہو گیا کہ زلیخا جھوٹی ہے اور یوسفؑ سچے ہیں۔ تب اس نے زلیخا کو ڈانٹا۔ (تفسیر قمی منقول از امام جعفر صادق علیہ السلام ترجمہ مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ صفحہ ۳۹۵)

۴۔ خدا نے اپنے معصوم بندہ کو بچانے کے لیے اس بچہ کو ناطق کیا۔ جب کسی معصوم کی عصمت کی گواہی دلوانی ہوتی ہے تو وہ بچوں ہی سے دلواتا ہے جیسے حضرت مریمؑ کی گواہی حضرت عیسیٰؑ نے آغوشِ مادر میں دی۔ حالانکہ حضرت زکریاؑ نبی موجود تھے۔ مگر اس خیال سے کہ شاید ان کی گواہی لوگ اس لیے نہ مانیں کہ وہ حضرت مریمؑ کے رشتہ دار تھے۔ اصحابِ کہف خود

کی سرکشی کے وقت بھی اس زمانہ کے پیغمبر کی گواہی بچہ ہی سے دلوائی تھی۔ مباہلہ میں رسولؐ کی رسالت کی گواہی میں بھی بچوں (حسنؑ و حسینؑ) ہی کو آگے رکھا تھا۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ جب یوسفؑ بادشاہ ہوئے تو خدا نے وحی کی تم نے اپنا وزیر کسے بنایا۔ عرض کی پروردگار میں تیرے حکم پر کیسے سبقت کر سکتا ہوں۔ حکم ہوا فلاں مقام پر جاؤ، وہاں ایک جوان درخت کے نیچے کھڑا ہوا ملے گا۔ وہی تمہارا وزیر ہے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک اجنبی کو کھڑا پایا۔ عرض کی، پروردگار اس کا کیا حق میری ذات کے لیے ہے۔ خدا نے فرمایا، تم نے اسے پہچانا نہیں۔ یہ وہی بچہ ہے جس نے تمہاری عفت کی خانۂ زلیخا میں سب سے پہلے گواہی دی تھی۔ پس معلوم ہوا صدیق اوّل مستحقِ خلافت ہوتا ہے۔

۵۔ بچہ کی اس گواہی سے ایک بات اور بھی ثابت ہے یعنی اس گواہی میں ایک ضمنی گواہی اور پیدا ہوئی وہ یہ کہ بچہ نے یوسفؑ کی قمیص کی طرف توجہ دلائی۔ زلیخا کے لباس کی طرف نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر یوسفؑ نے ہاتھا پائی کی ہوتی تو زلیخا کا لباس کشمکش میں ضرور پھٹتا۔ جب اس پر تشدد کی کوئی علامت پائی ہی نہ جاتی تھی تو قصور سراسر عورت ہی کا ثابت ہوتا ہے۔

۶۔ آیتِ تطہیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس کے اوّل و آخر ازواج کا ذکر ہے لہٰذا آیتِ تطہیر بھی ان ہی کی شان میں ہے ورنہ بات بے ربط ہو جاتی ایسے حضرات ذرا اس آیت پر غور کریں۔

قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ۔ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۔ خط کشیدہ عبارتیں دونوں زلیخا کے متعلق ہیں۔ بیچ کی عبارت معصوم نبی سے متعلق ہے۔ پس اگر یہ بے ربطی یہاں نہیں تو وہاں کیوں ہو۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِى الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

مصر کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیزِ مصر کی بی بی اپنے غلام سے ناجائز تعلقات چاہتی ہے اور غلام

نے اُسے اپنی محبت میں بے خود کر دیا ہے ہم اسے صریحی غلطی میں پاتے ہیں۔ جب زلیخا نے عورتوں کی یہ طنز آمیز باتیں سُنیں تو انہیں بُلا بھیجا اور ہر ایک کے لیے ایک ایک ترنج مہیا کیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چاقو دیا اور یوسف سے کہا کہ تم ان کے سامنے سے نکلے چلے جاؤ۔ جب انہوں نے حضرت یوسف کو دیکھا تو ان کو بڑا حسین پایا اور سب نے بے خودی میں اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہنے لگیں حاشا للہ، یہ آدمی نہیں ہے بلکہ یہ تو معزز فرشتہ ہے۔

عشق کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ چھپا نہیں رہتا۔ تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے۔ حضرت یوسفؑ سے زلیخا کو جو والہانہ محبت تھی اس کا چرچا مصر کے امراء و رؤسا کی خواتین میں ہونے لگا۔ اور ہر ایک کی زبان پر زلیخا کی مذمت تھی اور بے حیائی اور بے شرمی کا چرچا جب یہ آوازے زلیخا کے کان میں پہنچے تو اس نے امراء کی بیگمات کو اپنے گھر بلایا اور تخت پر تکیے لگا لگا کر انہیں بٹھایا۔ مصر میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی محفل آراستہ ہوتی تھی تو تکیے ضرور لگائے جاتے تھے جیسا اس سے پہلے ہمارے ہاں بھی رؤسا کی محفلوں میں یہ طریقہ تھا۔ جب سب عورتیں بیٹھ گئیں تو اس نے ہر ایک عورت کو ایک ایک ترنج اور ایک ایک چاقو دیا اور کہا جب یوسفؑ تمہارے سامنے سے گزرے تو تم اس ترنج کو کاٹ دینا۔ پھر یوسفؑ سے کہا کہ تم ان عورتوں کے سامنے سے نکلے چلے جاؤ۔

چنانچہ جب وہ نکلے تو ان کے حُسن خداداد کو دیکھ کر وہ ایسی مبہوت ہوئیں کہ بجائے ترنج کاٹنے کے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کسی کو اپنے دل پر قابو نہ رہا اور عالم بے خودی میں پکار اُٹھیں کہ یہ شخص آدمی نہیں ہے بلکہ ایک معزز فرشتہ ہے۔ غالب کہتا ہے ؂

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

زلیخا نے ان کی بے خودی دیکھ کر کہا یہی تو وُہ ہے جس کے معاملہ میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں (دل پر قابو رکھ نہ لیا) میں اپنا مطلب حاصل کرنے کی خود اس سے آرزو مند تھی مگر یہ بچا رہا۔ جس کام کا میں حکم دیتی ہوں اگر یہ بجا نہ لایا تو یہ قید میں ڈال دیا جائے گا اور ذلیل ہو کر رہے گا۔

حضرت یوسفؑ کے لیے اب ایک اور سخت موقع سامنے آیا۔ جو عورتیں خانۂ زلیخا میں جمع ہوئی تھیں وہ چلی تو

گئیں مگر عشق یوسفؑ کا داغ دل پر لے کر اُٹھیں پہلے تو ایک ہی شمع رُخ کا پروانہ تھا اب تو ہر طرف سے پروانے گھر کر آنے لگے۔ ہر گھر میں حُسن یوسفؑ کا چرچا ہونے لگا اور ہر عورت وصلِ یوسفؑ کی خواستگار بن بیٹھی۔ حسنِ نسوانی کی شاید اتنی بے قدری کبھی نہ ہوئی ہو گی جتنی اس زمانہ میں ہوئی۔ ایک طرف سینکڑوں تڑپتے ہوئے دل تھے اور دوسری طرف ضبط نفس اور سکونِ خاطر۔ ایک طرف ہم آغوشیٔ یوسفؑ کی مچلتی ہوئی تمنائیں دوسری طرف ٹھنڈا دل۔ اور فرائضِ نبوت ہر قدم پر پیش نظر۔ غور کیجئے کس قدر نازک موقع تھا۔ پتھر بھی ہوتا تو ان نسوانی تقاضوں پر پانی ہو جاتا اور صبر و ضبط کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی مگر یوسفؑ تو یوسف ہی تھے۔ حُسن جہاں افروز کی تمام دل آویزیاں ان کی ٹھوکروں سے مسلی جاتی رہیں۔

مصر کے اُمراء و رؤسا نے جب یہ دیکھا کہ ان کی بی بیاں دیوانی بن کر اب ان کے قابو سے باہر ہونے والی ہیں تو سب نے مل کر طے کیا کہ یوسفؑ کو جلد از جلد قید میں ڈال دیا جائے ورنہ شہر میں وہ فتنہ برپا ہو گا کہ سنبھالے نہ سنبھلے گا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع

(حضرت یوسفؑ اس سلسلہ میں سخت پریشان تھے کہ کس طرح اپنی عفت کے ڈاکوؤں سے اپنا پیچھا چھڑائیں۔) آخر خدا سے دعا کی، پالنے والے جس امر کی طرف یہ عورتیں مجھے بُلا رہی ہیں میرے لیے قید خانہ اس سے زیادہ محبوب ہے اگر تو نے ان عورتوں کے فریب کو مجھ سے دفع نہ کیا تو ممکن ہے میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے بن جاؤں۔ خدا نے ان کی دعا قبول کیا اور ان عورتوں کے مکر کو ان سے دفع کیا بیشک وہ بڑا سننے والا واقف کار ہے اس کے بعد (عزیز مصر اور اس کے لوگوں نے) یوسف کی پاکدامنی کی نشانیاں دیکھ کر یہی مناسب سمجھا کہ کچھ مدت کے لیے ان کو قید کر دیں۔

دُنیا میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کہ صاحبانِ حکومت اپنی دنیوی مصلحتوں پر نظر رکھ کر بیگناہوں کو قید خانوں میں ڈال دیتے ہیں اور عدل و انصاف کو اپنی خود غرضیوں پر قربان کر دیتے ہیں۔ ہمارے ائمہ کے ساتھ بھی

ہمیشہ یہی سلوک رہا کہ سلاطین وقت نے محض اس بدگمانی کی بدولت کہ کسی وقت ہم پر خروج نہ کر بیٹھیں ان کو جیلوں میں ٹھونس دیا اور ان کی طرف سے سالہا سال بے خبر ہو کر چین کی نیند سوتے رہے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

حضرت یوسف کے ساتھ قید خانہ میں (بادشاہ کے دو) غلام بھی داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب بنانے کے لیے انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور انہیں پرندے کھا رہے ہیں اس کی تعبیر بتائیے ہم آپ کو یقیناً نکوکاروں میں سے دیکھتے ہیں۔ فرمایا جو کھانا تمہارے کھانے کے لیے آیا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی میں تعبیر بتا دوں گا یہ وہ چیز ہے جسے میرے رب نے مجھے تعلیم دی ہے۔ میں نے اس قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو روز قیامت سے انکار کرتے ہیں میں نے پیروی کی ہے اپنے باپ دادا اور پردادا ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کے دین کی۔ ہم خدا کی عبادت میں کسی چیز کو شریک نہیں بناتے یہ ہم پر اور لوگوں پر خدا کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر میں حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی اور نیک نفسی کا چرچا تھا۔ چنانچہ جب دونوں غلاموں نے خواب دیکھیں تو حضرت یوسفؑ سے تعبیروں کے طلبگار ہو کر کہا کہ ہم آپؑ کو نکوکاروں میں سے پاتے ہیں۔ اگر عام شہرت نہ ہوتی تو بادشاہ کے غلاموں تک یہ خبر کیسے پہنچتی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ کا برتاؤ جیل خانے کے قیدیوں کے ساتھ ایسا اچھا تھا کہ وہ سب آپؑ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بڑے احترام و اکرام سے پیش آتے تھے۔

یہاں اتنا اور سمجھ لیجئے کہ کنوئیں میں ڈالے جانے سے زلیخا کے واقعہ تک حضرت یوسفؑ اپنا بے نظیر کردار پیش کرتے رہے۔ فرائضِ نبوت سے ابھی تک کوئی خدمت انجام نہیں دی تھی۔ اس کا آغاز قید خانہ سے ہوا یعنی جب پہلے چار پانچ سال شہر کے تمام زن و مرد پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ خدا کے خاص بندے ہیں تب تبلیغ دین کا کام شروع کیا۔ اب تک کسی موقع پر انہوں نے نہیں بتایا تھا کہ میں کون ہوں اور ان انبیاء سے جن کا احترام اس زمانہ کے سب لوگ کرتے تھے میرا کیا تعلق ہے۔ قید خانہ میں جا کر قیدیوں پر ظاہر کیا کہ میں انبیاءؑ کی نسل سے ہوں، مشرکوں کے دین سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

خاصانِ خدا کی یہ خصوصیت ہے کہ چاہے کیسی ہی مصیبت میں گرفتار ہوں اپنا فرض نباہنے سے غافل نہیں رہتے۔ ہمارے ائمہ نے بھی قید خانوں میں یہی کام کیا تھا۔

يٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو (ذرا غور کرو) آیا جدا جدا بہت سے معبود اچھے یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے اسے چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے تو ان کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے اس نے تو یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

باطل معبودوں کے ابطال میں حضرت یوسفؑ نے دو دلیلیں بیان کیں پہلی یہ کہ لوگوں نے اپنے اپنے معبود

الگ الگ بنا رکھے ہیں کوئی کسی بُت کا پجاری ہے کوئی کسی کا۔ اور ان کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہوگئی ہیں۔ اور یہ اختلاف ان کے درمیان عداوت کا سبب بن گیا ہے اگر وہ سب ایک ہی خدا کی عبادت کرتے تو سب ملے جُلے رہتے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ہمدردی ہوتی۔ دوسری دلیل یہ تھی کہ لوگ جن بتوں کی پُوجا کرتے ہیں ان میں کوئی طاقت و قدرت نہیں بے جان و بے حس مُورتیاں ہیں جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی تکلیف کو دفع کر سکتے ہیں تم نے خود ان کے بڑے بڑے نام رکھ لیے ہیں لیکن نام رکھنے سے ان میں قوّت تو پیدا نہیں ہوگئی۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾

اے میرے قیدخانہ کے دونوں ساتھیو (تمہاری خوابوں کی تعبیر یہ ہے) تم میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلانے کا کام کرے گا اور دُوسرے کو سُولی دی جائے گی پس چڑیاں اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گی۔ جس بات کو تم دونوں دریافت کرتے تھے (وہ یہ ہے) یہ معاملہ فیصل ہوچکا ہے (یہی ہوگا) ان دونوں میں سے جو نجات پانے والا تھا اس سے یوسف نے کہا کہ تم اپنے مالک (بادشاہ) سے میرا تذکرہ کرنا (کہ میں بے جرم قید کیا گیا ہوں) شیطان نے اُسے بادشاہ سے ذکر کرنا بُھلا دیا اور یوسف کئی برس قیدخانہ میں رہے۔

حضرت یوسفؑ نے جو تعبیر بیان کی تھی تین روز بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہُوا۔ سرکاری سپاہی قیدخانہ سے ان دونوں کو نکال کر لے گئے۔ چنانچہ ایک کو تو سُولی پر چڑھا دیا گیا اور دوسرے کو اس کی سابقہ خدمت سپرد کر دی گئی۔ وہ حضرت یوسفؑ کا ذکر کرنا بادشاہ سے بھول گیا اور حضرت یوسفؑ بروایتے سات سال اور بروایتے نوسال قیدخانہ میں پڑے رہے۔ اس مدت میں آپؑ نے بہت سے قیدیوں کو مسلمان بنالیا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ

سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

(ایک روز) بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں ان کو سات پتلی دُبلی گائیں کھائے جاتی ہیں اور سات تازی سبز بالیاں دیکھیں اور پھر سات سُوکھی بالیاں۔ اے میرے دربار کے سردارو اگر تم کو خواب کی تعبیر دینی آتی ہے تو میرے اس خواب کے بارہ میں حکم لگاؤ۔ انہوں نے کہا یہ تو کچھ خواب پریشان سا ہے اور ہم لوگ خوابِ پریشاں کی تعبیر نہیں جانتے (ان دو غلاموں میں سے جس نے قیدخانہ سے رہائی پائی تھی اس کو ایک زمانہ کے بعد (یوسفؑ کا قصّہ) یاد آیا۔ کہنے لگا کہ مجھے (قیدخانہ تک) جانے دیجئے تو میں تعبیر بتا دوں گا۔ (غرض وہ گیا اور یوسفؑ سے کہنے لگا) یوسف اے بڑے سچے (یوسف) ہمیں یہ تو بتائیے کہ سات موٹی گایوں کو سات دُبلی گائیں کھائے جاتی ہیں پھر سات بالیاں ہری ہیں اور سات سوکھی ہوئی۔ اس کی تعبیر کیا ہے تاکہ میں لوگوں کے پاس پلٹ کر جاؤں (اور بیان کروں) جس سے ان کو تمہاری قدر معلوم ہو جائے۔

جس بادشاہ نے یہ خواب دیکھا تھا اس کا نام ریان تھا اور لقب فرعون کیونکہ مصر کا ہر بادشاہ فرعون کہلاتا تھا۔ اس کا پوتا ولید بن مصعب بن ریان تھا جو موسیٰؑ کے زمانہ میں تھا۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا

قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾

حضرت یوسف نے کہا (تعبیر یہ ہے) کہ تم لوگ متواتر سات برس کاشتکاری کرتے رہو گے بس جو فصل تم کاٹو اس کے دانوں کو بالیوں میں لگے رہنے دینا (جھڑانا نہیں) مگر تھوڑے سے (بلحاظ ضرورت) جو تم کھاؤ۔ اس کے بعد سات برس سخت خشک سالی کے آئیں گے کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان سات سالوں کے واسطے پہلے سے جمع کر رکھا ہوگا سب کھا جاؤ گے مگر قدرِ قلیل جو تم (بیج کے لیے) بچا رکھو گے۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کے لیے خوب مینہ برسے گا (اور انگور خوب پھلیں گے) اور لوگ انہیں شراب کے لیے نچوڑیں گے۔

دانوں کو بالیوں میں سے نہ جھڑانے کا یہ مطلب تھا کہ اگر بالیوں سے دانوں کو نکال لیا گیا تو لوگ سب کھا جائیں گے اور جب خشک سالی ختم ہوگی تو بیج کے لیے کچھ نہ رہے گا۔

بعض مفسرین نے فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جب مینہ خوب برسے گا تو پھل پھلاری خوب پیدا ہوگی اور تیل دینے والے دانوں سے خوب تیل نکالیں گے۔ انگوروں کے خوب پھلنے اور ان سے شراب بنانے کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٥١﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ

اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿٥٢﴾

(جب یہ تعبیر غلام نے بادشاہ سے جاکر بیان کی تو) اُس نے کہا اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب شاہی چوبدار (قید خانہ میں) یوسف کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے کہا تم پلٹ کر اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ آپ کو کچھ اُن عورتوں کا حال بھی معلوم ہے جنہوں نے (مجھے دیکھ کر) اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے بے شک میرا رب ہی ان کے مکروں سے خوب واقف ہے (بادشاہ نے ان عورتوں کو طلب کیا) اور پوچھا کہ جس وقت تم نے یوسف سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی تمنا کی تھی تو تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا۔ وہ سب کہنے لگیں حاشا اللہ ہم نے یوسف میں کسی طرح کی برائی نہیں دیکھی۔ تب عزیز مصر کی بی بی (زلیخا) نے کہا، اب تو ٹھیک ٹھیک معاملہ سب پر ظاہر ہو ہی گیا ہے (اصل بات یہ ہے کہ) میں نے خود اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی تمنا کی تھی بے شک وہ سچا ہے (یہ واقعہ چوبدار نے جاکر یوسفؑ سے بیان کیا) انہوں نے کہا میں نے یہ قصہ اس لیے چھیڑا تھا کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز کی غیبت میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کی تھی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی مکاری کو ہرگز نہیں چلنے دیتا۔

حضرت یوسفؑ بادشاہ کے بلانے پر اس لیے نہیں گئے کہ چاہتے تھے پہلے میری پوزیشن صاف ہو جائے تب باعزت طریقہ سے اس کے پاس جاؤں۔ زلیخا کا واقعہ اس قدر شہرت پذیر ہو چکا تھا کہ ہر شخص جانتا تھا۔ بادشاہ بھی واقف تھا مگر حضرت یوسفؑ چاہتے تھے کہ ان عورتوں کی زبان سے ہی بادشاہ کو میری پاکدامنی کا حال معلوم ہو جائے میں کہوں گا تو شاید اُسے یقین نہ آئے۔ بادشاہ کے دربار میں عورتوں کا بلایا جانا اور ان کا یوسفؑ کی عصمت کی گواہی دینا اور خود زلیخا کا اقرار۔ جب یہ واقعہ مشہور ہوا ہوگا تو شہر میں حضرت یوسفؑ کا وقار کس قدر لوگوں کی نظر میں بلند ہو گیا ہوگا۔ حضرت یوسفؑ کو یہی چاہیئے تھا کہ اگر کسی کو واقعات کی لاعلمی کی بنا پر کوئی ہلکی سی بدگمانی میری طرف پیدا ہو گئی ہو تو اس کا بالکلیہ ازالہ ہو جائے اور اس کا ازالہ اس طریقہ کے بغیر ممکن نہ تھا جو حضرت یوسفؑ نے اختیار کیا تھا۔ ان کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ عورتیں بڑی چالاک ہوتی ہیں جب ان کا مطلب مجھ سے حاصل نہ ہوا تو وہ میری دشمن بن گئی ہوں گی اور میری نسبت نہ معلوم کیا کیا کہہ کر مجھے بدنام کرتی ہوں گی۔ میں ان کے مقابل چاہے کتنی ہی صفائی پیش کروں گا لوگ اس کو کبھی نہ مانیں گے لیکن اگر وہ عورتیں خود ہی اپنی غلط کاری کا اقرار کر لیں گی تو پھر کسی کو لب ہلانے کا موقع نہ رہے گا۔ یہ حضرت یوسفؑ کے کمالِ تدبر کا ایک ناقابلِ انکار مظاہرہ تھا۔

فہرست موضوعات

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ

۲] علامہ مجلسیؒ

۳] علامہ ساغر حسین

۴] علامہ سید علی نقیؒ

۵] بیگم و سید عابد علی رضوی

۶) بیگم و سید احمد علی رضوی

۷) بیگم و سید رضا امجد

۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی

۹) بیگم و سید سبط حسن

۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری

۱۱) بیگم و سید جار حسین

۱۲) بیگم و مرزا توحید علی

۱۳) سید حسین عباس فرحت

۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی

۱۵) سید انعام حسین زیدی

۱۶) سیدہ ممتاز زہرہ

۱۷) سیدہ رضویہ خاتون

۱۸) سید نجم الحسن

۱۹) سید مبارک رضا

۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی

۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم

۲۲) سید باقر علی رضوی

۲۳) بیگم و سید باسط حسین

۲۴) سید عرفان حیدر رضوی

۲۵) بیگم و اخلاق حسین

۲۶) سید ممتاز حسین

۲۷) بیگم و سید اختر عباس

۲۸) سید محمد علی

۲۹) سیدہ رضیہ سلطان

۳۰) سید مظفر حسنین

۳۱) سید باسط حسین نقوی

۳۲) غلام محی الدین

۳۳) سید ناصر علی زیدی

۳۴) سید وزیر حیدر زیدی

۳۵) ریاض الحق

۳۶) خورشید بیگم